ہم سے دوستی کا دارومدار ہمارے مقاصد کی پیروی پر ہے۔

(حضرت علی علیہ السلام)

زندگانی

سید الشہداء علیہ السلام

تالیف

سید علی اکبر قرشی

ترجمہ

سیدہ گلشن بتول نقوی ایم اے گولڈ میڈلسٹ

ریسرچ سکالر (پنجاب یونیورسٹی)

83

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ــــ حیدرآباد ــــ کراچی

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

DATA ENTERED

۲۹۷۶۹۹۲۱
ق ا ح
۲۰۰۳۸

طابع: ---------- شیخ نیاز احمد
مطبع: ---------- علمی پرنٹنگ پریس لاہور
قیمت: ---------- بیس روپے
خطاطی: ---------- گلستان کتابت بلاک ۱۳ سرگودھا

مقام اشاعت
شیخ غلام علی اینڈ سنز، پبلشرز
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی لاہور

انتساب

اس اوّلین سعیِ ناچیز کو اپنے والدِ مکرم السیّد ظفر حسین نقوی مدظلّہ
اور اُستاذِ عالی قدر پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر مدظلّہ کے نام ہائے نامی سے
منسوب کرنے کا شرف حاصل کرتی ہوں۔

گلشن بتول

۲۱ را کتوبر ۱۹۷۴ء

Marfat.com

مؤلف

علامہ الحاج سید علی اکبر قرشی حوزۂ علمیہ "قم" کے مدرسۂ عالیہ کے فارغ التحصیل ہیں اور آج کل مغربی آذربائیجان کے قصبے رضائیہ میں مقیم ہیں اور نہایت گرانقدر دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کی علمی زندگی تحریر و تقریر کے محور پر گھوم رہی ہے۔

آپ صاحبِ علم دانشور اور شعلہ بیان و سحر انگیز مقرر ہیں۔ میں جب بھی ان سے ملاقات کے لیے گیا انھیں بر سرِ منبر علمی و اجتماعی موضوعات پر محوِ خطابت پایا، یا پھر مطالعہ کی میز پر مطالعہ میں مصروف۔ یا اپنی تحریروں کو مرتب کرتے ہوئے دیکھا۔ آپ وہ مجاہد ہیں جو ہمیشہ ہی حرم اور حدودِ الٰہی کے دفاع پر کمربستہ رہتے ہیں۔

اب تک آپ کی دو تصانیف "شخصیت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام" اور "سیری در اسلام" زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب بھی آپ کی ایک عمدہ تالیف ہے۔ جس میں تاریخی اور اجتماعی مطالب کا تجزیہ اور جائزہ عمدگی سے لیا گیا ہے۔

موصوف نے اپنے افکارِ عالیہ کو سوز دروں کے ساتھ ملا کر جناب سید الشہداء امام حسینؑ کی بے مثال شخصیت اور میدانِ کارزار میں آپ کی بے نظیر جرأت و شہامت اور دیگر شہداء کی جاں نثاری اور جاں فشانی کی ایک ایسی تصویر پیش کی ہے جو قاری کے ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔

علامۂ محترم کے ساتھ اپنی ارادت و مودت کے تحت ہی میں نے قم[1] سے اس کی اشاعت و طباعت کا ذمہ لیا۔ میں نے اس کے مطالعے سے جو روحانی لذت حاصل کی ہے اگر قارئینِ کرام نے بھی ویسا ہی حظ اٹھایا تو پھر اس کی قدر و قیمت ان پر واضح ہو جائے گی۔

ہم خداوند قدوس سے موصوف کی کامیابیوں اور توفیقات میں زیادتی کے لیے دعاگو ہیں۔

قم، دار التبلیغ اسلامی — عقیقی بخشایشی

---

[1] اس کتاب کا پہلا ایڈیشن "قم" سے اور دوسرا ایڈیشن "مشہد مقدس" سے چھپا ہے۔ (مترجم)

فہرست مطالب کتاب

۱- فہرست مطالب ۵

۲- پیش گفتار از ڈاکٹر محمد باقر مدظلّہٗ ۷

۳- حرفِ اوّل (مترجم) ۹

۴- منابع و مآخذ کتاب ۱۱

۵- مقدمہ ۱۳

۶- ماضی پر ایک نظر ۲۳

۷- خلیفہ دوم کا نرم رویّہ ۳۲

۸- عبدالرحمٰن اور حق تنسیخ ۳۷

۹- طبقاتی کشمکش میں اور اضافہ ۴۰

۱۰- آوازِ حق بلند کرنے والوں کے خلاف کارروائیاں ۴۴

۱۱- امید کی کرن ۵۰

۱۲- حضرت علی علیہ السّلام اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا ۵۴

۱۳- جنگ صفین

۱۴- صلح امام حسنؑ مجتبیٰ ۶۱

۱۵- مطلق العنانیت ۶۴

۱۶- اہل بیت اطہار کی گوشہ نشینی ۶۵

۱۷- بقائے اسلام کے لیے دوسرا خطرہ ۷۰

۱۸- یزید کی بالجبر بیعت ۷۴

۱۹- انسان نما حیوان ۷۸

۲۰- دورِ معاویہ میں امام حسینؑ کا موقف ۸۲

۲۱- امام حسین اور صلح امام حسن علیہم السّلام ۸۷

۲۲- انجمن مکہ ۹۱

۲۳- امام حسین علیہ السّلام کے نام معاویہ کا خط اور اس کا جواب ۹۷

۲۴- واقعہ کربلا ایک مقدس مشن تھا یا محض دفاع ۱۰۲

۲۵- بنی ہاشم کے نام امام عالی مقام کا خط ۱۰۷

۲۶- امام حسینؑ کا خط اہل بصرہ کے نام ۱۱۲

Marfat.com

۲۷- حسینی مشن کی ابتداء ۱۱۴

۲۸- جنگ تضاد ۱۲۵

۲۹- کیا امام حسینؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے؟ ۱۳۳

۳۰- تقیہ اور حسینی مشن ۱۴۲

۳۱- روایاتِ تقیہ کا جائزہ ۱۴۸

۳۲- احادیث نبوی سے وضع اصول ۱۵۶

۳۳- حسینی مشن کی نوعیت ۱۵۹

۳۴- امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شخصیت ۱۶۷

۳۵- ہیہات منا الذلہ ۱۷۵

۳۶- صاحبان فضیلت ۱۸۰

۳۷- حضرت عباسؑ اور ان کے بھائیوں کے لیے امان نامہ ۱۸۴

۳۸- امام حسینؑ کے اصحاب باوفا

۳۹- اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کا کردار ۲۰۲

۴۰- کوفہ غیر معمولی حالات میں ۲۰۹

۴۱- کوفہ میں جناب زینبؑ کا خطبہ ۲۱۳

۴۲- مجلس ابن زیاد پر ایک نظر ۲۱۵

۴۳- دربار یزید کا جائزہ ۲۲۲

۴۴- اہل بیت شام میں ۲۲۴

۴۵- مسجد دمشق میں امام زین العابدینؑ کا خطبہ

۴۶- اسیرانِ کربلا کی وطن واپسی ۲۴۵

۴۷- کیا یزید قتل امامؑ سے بے خبر و ناخوش تھا؟

۴۸- اس دور کے لوگوں پر حسینی مشن کے اثرات

۴۹- آتشِ انتقام ۲۶۵

۵۰- مختار کے بارے میں تحقیق ۲۶۶

۵۱- معرکۂ کربلا سے اخذِ نتائج میں ائمہ علیہم السلام کا کردار ۲۶۹

۵۲- عزت کی موت یا ذلت کی زندگی ۲۷

۵۳- حق ہر حال میں غالب و پایدار ہے ۲۸۲

۵۴- عظمت مصائب کی پیداوار ہے ۲۸۴

۵۵- ۶۰ ادواری سید الشہداء ۲۸۶

۵۶- امام حسینؑ کے چند ارشادات عالیہ ۲۹۲

۵۷- خطبات و مکتوبات ۲۹۷

۵۸- مکہ معظمہ میں امام عالی مقام کا خطبہ ۲۹۷

۵۹- معاویہ کے نام امام حسینؑ کا خطبہ ۲۹۹

۶۰- منزل ذی حسم میں امام حسینؑ کا خطبہ ۳۰۱

۶۱- روز عاشورہ سید الشہداء کا خطبہ ۳۰۱

۶۲- امام زین العابدینؑ کا خطبۂ کوفہ ۳۰۳

Marfat.com

پیش گفتار

ابی الحسن بن عثمان بن ابی علی الجلابی الہجویری معروف بہ داتا گنج بخشؒ اپنی مشہور تصنیف کشف المحجوب میں فرماتے ہیں :

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن میں پیغمبر علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ حضرتؐ نے حسینؑ کو اپنی پیٹھ پر بٹھایا ہوا ہے اور ایک رسّی اپنے دہانِ مبارک میں ہے اور اس کا دوسرا سرا حسینؑ کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح حسینؑ چلاتے تھے حضرت ان کی ہدایت پر زانوؤں پر چلتے تھے۔"

کتاب "مردِ مافوق انسان" تذکرہ ہے اس فقید المثال بچے کے کامل سوانح مبارک کا جسے سید علی اکبر قریشی نے فارسی میں بدلائل و شواہد ترتیب دیا ہے۔ اس فاضلانہ تالیف کا اُردو ترجمہ عزیز محترم سیدہ گلشن بتول نقوی "سید الشہدا علیہ السّلام" کے عنوان سے پیش کر رہی ہیں۔ فقیر نے اس ترجمہ کو دیکھا ہے اور بسا اوقات اصل سے بھی مقابلہ کیا ہے یقین ہے کہ یہ ترجمہ نہایت عمدہ اور مناسب ہے۔

ابن آدم کی تاریخ میں حق و باطل کی آویزش کی سینکڑوں مثالیں ملیں گی جس میں انسانوں نے حق پرستی پر اصرار کرتے ہوئے عظیم الشان ایثار کیا اور بے مثال قربانیاں دیں، لیکن ان

سب رزم آرائیوں میں ایک انسانی عنصر ہر جگہ مشترک نظر آئے گا۔ کہ حق پر ثابت قدم رہنے والے انسانوں نے اپنے نفسانی عقاید اور بعض دفعہ ذاتی منافع کو بھی پیش نظر رکھا۔

حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے متعلق ہر اسلامی مکتب فکر کا فیصلہ ہے کہ اس کا باعث سید الشہدا کی کسی ذاتی یا نفسانی خواہش کی بارآوری نہ تھا۔ بلکہ اس عظیم المرتبت ایثار کا محرک صرف ترویج دین وامر بمعروف ونہی از منکر کا جذبہ تھا۔ یہ جذبہ کتنا مقدس، ارفع واعلیٰ ہے۔ اس کا صحیح اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو کبھی کبھی اپنی دنیا کے بزم ورزم میں حق پرستی اور حق گوئی کرتے ہوئے اپنی ذات کو آمادۂ ایثار کرنا پڑتا ہے اور پھر انہیں جانچنا پڑتا ہے کہ سچ کہیں یا نہ کہیں، حق کا ساتھ دیں یا نہ دیں۔ انسان ازل سے اس کشمکش میں مبتلا چلا آتا ہے اور قربانی کی بے شمار مثالیں بھی سامنے آتی ہیں لیکن جن انسانوں نے صرف تواصوا بالحق وتواصوا بالصبر کی عملی تصویر اس دنیا میں پیش کی ہے ان میں سرفہرست ابدالآباد تک سید الشہداء کا نام سر بلند رہے گا۔

تاریخ کو عبرت کا مرقع کہا گیا ہے لیکن مسلمانوں کی اپنی تاریخ اس اعتبار سے بڑی حیرت انگیز ہے کہ ان کے ہاں واقعۂ کربلا جیسا عدیم النظیر واقعہ بھی رونما ہوا ہے۔ جس کے تفصیلی مطالعہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ملتِ اسلامیہ میں خود مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں اس طرح ابوابِ فتنہ وپراگندگی وا ہوئے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت، اتفاق واتحاد کو زیروزبر کر گئے۔ سید علی اکبر قرشی مؤلف کتاب نے ان تمام حوادث، اسباب وعلل اور نتائج کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ اور اس جائزے کا مطالعہ جہاں مسلمانوں کی تاریخ کو صحیح پس منظر میں ملاحظہ کرنے کا موقع بہم پہنچاتا ہے وہاں ہر مسلمان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر ایسا لائحۂ عمل مرتب کرنے میں مدد دیتا ہے جس سے دنیوی اور اخروی نجات کی راہیں کھلتی ہیں۔ فقیر اس تاریخ کی اس اہمیت کے پیش نظر ہر مسلمان سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتا ہے۔

محمد باقر

لاہور
اوّل شوال المکرم ۱۳۹۴ھ
۱۸ اکتوبر ۱۹۷۴ء

حرفِ اوّل

کسی زبان کی دوسری زبان میں منتقلی یعنی ترجمہ نگاری اور پھر اس میں محاورے کا التزام ایک دشوار کام ہے۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جو اس سنگلاخ وادی میں گامزن ہوں۔ مجھے بھی اس کی سنگینی کا احساس سیّد علی اکبر قرشی کی فارسی کتاب **مردِ مافوق انسان** کا اُردو ترجمہ کرتے ہوئے شدّت سے ہوا۔

اس کام میں دو باتیں ہر وقت میرے پیشِ نظر رہی ہیں۔ اوّل یہ کہ متن کو من و عن اُردو میں منتقل کیا جائے اور مؤلف کے افکار و خیالات کو پوری دیانتداری کے ساتھ اپنی زبان کا جامہ پہنا کر قارئین تک پہنچایا جائے۔ جب بعض مقامات پر وضاحت ضروری معلوم ہوئی تو اس کو حاشیے میں جگہ دی گئی اور متن میں کمی و بیشی سے مکمل احتراز کیا گیا۔

دوم یہ کہ ترجمہ بامحاورہ اور سلیس زبان میں کیا جائے۔ اس کے لیے حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش کس حد تک بارآور ہوئی اس کا فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتی ہوں۔

یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ بہت معیاری اور اچھا ہے۔ انسان سے غلطیوں کا سرزد ہونا بعید نہیں اور پھر ناچیز کی یہ اوّلین کوشش ہے۔ لہٰذا قارئین سے چشم پوشی کی

Marfat.com

امیدوار ہوں ؎

غلام ہمت آں عارفانِ باکر مم!!!
کہ یک صواب بہ بینند وصد خطا پوشند

اس کارِ خیر کی تکمیل میں جن بزرگوں کی راہنمائی اور اعانت میرے شامل حال رہی ان میں سرِ فہرست والدِ گرامی قدر السید ظفر حسین نقوی اور استادِ عالی مرتبت پروفیسر ڈاکٹر محمد باقر مدظلہم العالی کے اسمائے گرامی ہیں۔

والدِ محترم کی حوصلہ افزائی اور مکمل تعاون ہر لمحہ اس کام کی تکمیل کا جذبہ پیدا کرتا رہا۔ میرے شفیق اُستاد اس لیے تشکر بے پایاں کے سزاوار ہیں کہ وہ اس کی جلد تکمیل کی ہدایت فرماتے رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس راہ دشوار میں میرے لیے منارۂ نور بن گئے۔ اور پھر آپ کے نورِ علم کی ضیا میں راہ کی تمام رکاوٹیں عبور کرنا میرے لیے بہت سہل ہوگیا۔ آپ اپنی گوناں گوں مصروفیات کے باوجود بھی ہر وقت درپیش مشکلات کے حل کے لیے آمادہ رہے۔ حق تو یہ ہے کہ اگر آپ کی رہنمائی میسر نہ ہوتی تو یہ کام ہرگز مکمل نہ ہو سکتا۔ مزید براں یہ کہ ایک گرانقدر دیباچے سے آپ نے اس کتاب کو مزین فرما دیا ہے۔ خداوند عالم مجھے ان بزرگوں کے سایۂ عاطفت میں ابدالآباد تک رکھے۔ آمین۔

علامہ سید عباس حیدر عابدی کی بھی بے حد شکر گزار ہوں کہ انھوں نے پہلی بار اس کام کی طرف توجہ دلائی اور راہنمائی کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی فرماتے رہے۔ پھر نہایت فراخ دلی سے اپنی یہ کتاب میری تحویل میں دیے رکھی تاکہ یہ کام مکمل ہو سکے۔

والدۂ محترمہ اور خواہران و برادرانِ عزیز بھی اپنے تعاون کے لیے شکریے کے سزاوار ہیں۔ خداوند بزرگ و برتر کے حضورِ عالی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ناچیز کی اس ادنیٰ خدمت کو شرفِ قبولیت بخشے اور ان تمام بزرگوں اور معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

بندۂ ناچیز
گلشن بتول

لاہور
۱۴ر شوال المکرم ۱۳۹۴ھ
۲۱ر اکتوبر ۱۹۷۴ء

منابع وماخذ کتاب

نام کتاب	نام مؤلف	محل طبع	تاریخ طبع
اثبات الوصیۃ	علی بن حسین مسعودی	تہران	۱۳۲۰ قمری
الارشاد	شیخ مفید	〃	۱۳۷۷ 〃
اسباب النزول	علی بن احمد واحدی	قاہرہ	۱۳۷۹ 〃
الاصابہ	ابن حجر عسقلانی	مصر	۱۳۲۵ 〃
الامامۃ والسیاسۃ	ابن قتیبہ دینوری	〃	۱۳۷۷ 〃
تاریخ تمدنِ اسلام ترجمہ	جرجی زیدان	تہران	۱۳۳۳ 〃
تاریخ الخلفاء	سیوطی	مصر	۱۳۸۳ 〃
تاریخ طبری	محمد بن جریر طبری	قاہرہ	۱۳۵۸ 〃
تاریخ کامل	عزالدین ابن الاثیر	〃	۱۳۴۸ 〃
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب	بیروت	۱۳۵۷ 〃
تحف العقول	حسن بن علی بن شعبہ	تہران	۱۳۷۶ 〃
تذکرہ	سبط ابن جوزی	تہران	—
تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن کثیر دمشقی	مصر	—

Marfat.com

تفسیر عیاشی	ابو نصر محمد بن مسعود بن عیاش، قم		—
تفسیر مجمع البیان	فضل بن حسن طبرسی	تہران	۱۳۴۷ قمری
حیاۃ الحیوان	کمال الدین دمیری	مصر	۱۳۷۸ ؍؍
رجال کشی	محمد بن عمر بن عبد العزیز الکشی، کربلا		—
سفینۃ البحار	محدث قمی شیخ عباس	نجف اشرف	—
سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	عبد الملک بن ہشام	مصر	۱۳۴۶ ؍؍
سیرۃ حلبی	علی بن برہان الدین حلبی	؍؍	—
صحیح بخاری	محمد بن اسماعیل بخاری	؍؍	۱۳۱۴ ؍؍
صواعق محرقہ ابن حجر	احمد بن حجر مکی	؍؍	—
عقد الفرید	ابن عبد ربہ اندلسی	؍؍	۱۳۱۶ ؍؍
علی و دو فرزندش علیہم السلام	(طٰہٰ حسین ترجمہ)	تہران	۱۳۳۲ش
فرحۃ الغری	ابن طاؤس	نجف اشرف	۱۳۶۸ ق
کافی (اصول)	محمد بن یعقوب کلینی	تہران	۱۳۷۵ ؍؍
لہوف	سید بن طاؤس	قم	—
مروج الذہب	علی بن حسین مسعودی	مصر	۱۳۴۶ ؍؍
مقاتل الطالبین	ابو الفرج اصفہانی	؍؍	۱۳۶۸ ؍؍
مناقب آل ابی طالب	ابن شہر آشوب	قم	۱۳۷۸ ؍؍
موطاء	مالک ابن انس	کراچی	—

اور حواشی میں مذکور دوسری کتابیں۔

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وصلی اللہ علی محمد و آلہ الطاہرین ۂ

صدیوں سے مسلم و غیر مسلم ادیبوں اور نثر نگاروں کے شعور و فکر اور غور و خوض کا مرکز امام حسین علیہ السلام کا مقدس مشن رہا ہے۔ اس کی تحقیق و تدقیق میں بہت سی کتب و رسائل تصنیف و تالیف کیے گئے۔ ہر مفکر نے اپنی فکر کی گہرائی کے مطابق اس پر اظہار خیال کیا اور ہر لکھنے والے نے اپنے علم کی وسعت سے کام لے کر بیش بہا فن پارے پیش کیے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس عظیم الشان اور عالم انسانیت کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والے معرکے کے دامن میں ایسے ہزاروں اسرار و رموز پنہاں ہیں۔ جن کے ادراک کے لیے غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اور جن کو منظر عام پر لانے کے لیے بہت کچھ کہا اور لکھا جا سکتا ہے۔

یہ امر ہمارے پیش نظر رہنا چاہیے کہ گزشتہ صدیوں کے انقلابات نے اس عظیم مقدس مشن کے حقیقی اسباب کو انسان کی نظروں سے محو کر دیا ہے۔ چنانچہ آج کل اس سلسلے میں جن خیالات و افکار کا اظہار کیا جاتا ہے ان کا اس معرکے سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

اس صورت حال کی وجہ یہ ہے کہ بنو اُمیہ اور بنو عباس کے ادوار حکومت میں تشیع و اہل تشیع مستقل طور پر خلفاء و امراء کی معاندانہ روش کا شکار رہے۔ حاکمانِ وقت

Marfat.com

نے کبھی ان کو ذلیل و کمزور کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ ان کی یہ خصومانہ روش اس سبب سے تھی کہ مذہب جعفریہ کی نشر و اشاعت ان کے مفادات سے متصادم تھی کیونکہ ظلم و استبداد سے ٹکرانا، اس مذہب کے ارکان میں شامل تھا۔ اس کے مطابق ایمان کامل، علم مکمل اور شجاعت کاملہ قیادت کی شرائط تھیں۔ ظالم اور ہوس کار حکام کو رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو پر جو من مانا تصرف حاصل تھا، یہ اس کے خلاف ایک پرزور صدائے احتجاج تھی۔ بہ الفاظ دیگر یہ خلفا اور امرا اُس مذہب کی حمایت و اعانت کرتے تھے جو انہیں اولوالامر منکم کا مصداق قرار دے کر لوگوں کے لیے ان کی اطاعت کو لازمی و ضروری بتاتا تھا۔ اور ان کے احکام کی بے چوں و چرا بجاآوری کو مذہبی فریضہ سمجھتا تھا اس کا قدرتی نتیجہ مذہب حقہ سے ان کی خصومت تھی جو حاکم و راہنما کے لیے امیرالمومنین جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے اتباع میں انصاف پسندی اور اسلامی عدل کی ترویج کو امر لازم شمار کرتا تھا۔

تاریخ شاہد ہے کہ اسی بنا پر اموی و عباسی خلفا و امرا اپنے گھناؤنے عزائم کو پورا کرنے کے لیے مذہب حقہ اور اس کے پیروکاروں کا استیصال ضروری سمجھتے تھے۔ چنانچہ القادر عباسی کے دور حکومت میں مذاہب چہارگانہ مالکی، حنفی، حنبلی اور شافعی کی ترویج و اشاعت تو ہوئی مگر شیعیت کو پھلنے پھولنے کا کوئی موقع نہ دیا گیا۔[۱]

---

[۱] احمد بن اسحٰق ملقب بہ القادر پچیسواں عباسی خلیفہ ہے۔ محدث قمی تتمۃ المنتہیٰ (ج ۲ ص ۲[illegible]) میں رقمطراز ہے۔ القادر عباسی کے زمانے میں مذاہب چہارگانہ یعنی حنفی، حنبلی، مالکی اور شافعی حکومت کو ایک خاص رقم مہیا کرنے کے بعد مروج ہوئے۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ جو اکابرین شیعہ میں سے تھے وہ خلیفہ کو اس بات پر رضامند کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ شیعہ بھی حکومت کو ایک لاکھ دینار فراہم کرنے کے بعد ترویج مذہب میں آزاد ہوں گے۔ چنانچہ خود انہوں نے اپنے طور پر اسی ہزار دینار مہیا کیے اور بقیہ بیس ہزار کے لیے اہل تشیع سے مدد چاہی لیکن انہوں نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ مصنف کے خیال میں اگر سید مرتضیٰ یہ رقم مہیا کرنے میں کامیاب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر)

Marfat.com

بنو امیہ اور بنو عباس کے زوال کے بعد کچھ مدت امید و بیم میں گزر گئی۔ آخر کار صدیوں تک بہت سی کشمکشوں اور نشیب و فراز دیکھنے کے بعد دسویں صدی ہجری کے شروع میں اہل تشیع کو پائیدار حکومت حاصل ہوئی اور مذہب شیعہ جو دست برد زمانہ سے محفوظ رہا تھا اور کسی قسم کے تغیر و تبدل سے پاک تھا، کسی مخالفت کے بغیر ان کا سرکاری مذہب قرار پایا[۱۵]۔

اب اس مذہب اور اس کے پیروں کو حکمرانوں کی طرف سے کوئی خطرہ نہ تھا، بلکہ صاحبان اقتدار خود اس کی حمایت کرنے والے اور اس کی توسیع میں مدد و معاون تھے۔ اور یوں اہل تشیع کو صدیوں کی کشمکش اور گوناگوں مصائب سے نجات ملی۔ اور انھیں اطمینان قلب نصیب ہوا۔ حاکم و محکوم کے درمیان حمایت دین کی بنیاد پر محبت و یگانگت کے روابط قائم ہوئے۔ حکام نے سرپرستانہ رویہ اختیار کیا۔

قومی استحکام اور قلبی و ذہنی آسودگی کے حصول کے بعد قدرتی طور پر ہر مضبوط و مستحکم قوم کی طرح اہل تشیع کے ہاں بھی آہستہ آہستہ حصول عدل کی روح اور ظلم و جور کے مقابلے کا جوہر معدوم ہوتا چلا گیا۔ معاشرتی مظالم اور حاکموں کی بڑھتی ہوئی ناانصافیاں بڑی خاموشی سے ان کے ہاں جگہ پاتی گئیں۔ اجتماعی عدل کے قیام کو انہوں نے یکسر فراموش کر دیا جس کے لیے صدیوں تک سر دھڑ کی جنگ کر چکے تھے۔ معاشرتی مسائل سے لاپروائی اور چشم پوشی نے اجتماعی عدل و انصاف کے قیام کی زبردست خواہش کی جگہ لے لی۔

اس طرح سے گرمی عمل سے بھرپور اور اصلاح احوال کا مطالبہ کرنے والا یہ مذہب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴) بھی ہو جاتے تو بھی خلیفہ کا مذہب شیعہ کو رائج کرنا خارج از امکان تھا جیسا کہ متن کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

[۱۵] اس کا تذکرہ ضروری ہے کہ عباسیوں کے دور حکومت میں چند شیعہ حکومتیں مستحکم ہوئیں ان میں شمالی مغربی افریقہ میں ادریسیوں، ایران میں علویوں اور آل بویہ، حمدانیوں کی حکومت شام میں اور مصر میں فاطمیوں کی حکومت شامل ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "شیعہ کیست و تشیع چیست؟" تالیف محمد جواد مغنیہ مترجمہ علی اکبر کسائی۔

Marfat.com

جو ہمیشہ معاشرتی اور اجتماعی انصاف کی حمایت کرتا تھا اور جس نے امویوں اور عباسیوں کی آنکھوں کو خوابِ راحت سے محروم کردیا تھا، راکھ کا ڈھیر بن گیا اور اس آتش فشاں پہاڑ کی طرح جس کا دہانہ بند ہو گیا ہو، سکوت و خاموشی کا پیکر بن گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ مذہب کی ترویج و اشاعت کا موقع اللہ کی ایک عنایت تھی۔ جو ان تمام مذکورہ مشکلات و مصائب سے دوچار ہونے کے بعد حاصل ہو سکی اور شیعیت کی شہرت و سبب پانے کا سبب بنی۔ لوگ اس مکتب فکر کی حقیقت سے واقف ہو گئے۔ مگر "جائیکہ گل است خارہم باشد" مذہب کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ پیروانِ مذہب میں ظلم و ستم کے مقابلے میں خاموشی اور اسلام کے اجتماعی عدل و انصاف سے چشم پوشی بھی راہ پاتی گئی۔ حالانکہ اسلامی مساوات کا اجرا حکمرانوں کی ذمہ داری تھی جو دیدہ و دانستہ طور پر پوری نہ کی گئی۔

اسلام کے اجتماعی مسائل سے اس لاپروائی اور دانستہ چشم پوشی سے یہ نتائج سامنے آئے:

(۱) لوگوں کے خیالات اور مزاج بتدریج بدلتے گئے اور اعلائے کلمۂ حق، جہاد اور تقیہ سے متعلق قرآنی آیات و ارشاداتِ معصومین علیہم السّلام کا مفہوم اکثر لوگوں نے اپنے خیال کے مطابق اور ہی سمجھا۔

(۲) وہ سہل پسند لوگ جو راہِ خدا اور معاشرے کی اصلاح کے لیے مشکلات برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ حتّٰی کہ مخالفین کا کوئی سخت لفظ سننے کی تاب نہ رکھتے تھے انہوں نے تقیہ کے دامن میں اس کی حقیقت جانے بغیر ہی پناہ لے لی۔ اور "ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ" (پ۲۔ بقرہ) "اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو" کے قرآنی ارشاد کا سہارا لے کر دین کی حمایت اور معاشرے کی اصلاح کا بار اپنے کندھے سے اتار پھینکا اور یوں ظلم کی اعانت کو تقیہ کا نام دے دیا گیا[۱]۔

[۱] علمائے دین میں سے جس کسی نے بھی اصلاح کا ارادہ کیا اس کو سیاسی مولوی کا نام دیدیا گیا (باقی حاشیہ صفحہ۱۷ پر)

(٣) اسلام کے معاشرتی عدل کا اجراء جو حسینی مشن کا اصل محرک تھا۔ ابہام کے پردوں میں اوجھل ہو گیا۔ اور اکثر لوگوں نے یہ سوچا کہ یزید کے ساتھ امام علیہ السّلام کی مخالفت صرف نماز روزہ جیسے فروعِ دینی کے لیے تھی اور امام عالی مقام نے حاکمِ وقت سے فقط اس لیے ٹکر لی تھی کہ لوگ جھوٹ اور بددیانتی سے باز رہیں۔

(۴) اس قسم کے مسائل درمیان میں پیدا ہوئے اور مستقل بحث کا موضوع بن گئے کہ امامؑ کا یہ اقدام تقیہ کے ساتھ کس طرح مطابقت رکھتا ہے؟ کیا تقیہ اجازت نہ دیتا تھا کہ امامؑ دورۂ یزیدی کے مظالم کے سامنے خاموشی اختیار کر لیں۔ حاکم وقت کے خلاف امام کی ساری جدوجہد "ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" کے قرآنی ارشاد سے کیونکر مطابق ہو سکتی ہے[ا]۔

(۵) بہت سے لوگوں نے عیسائیوں کی طرح جو شہادت عیسٰی کو اپنے اور اہل دنیا کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں[۲]۔ شہادت امام حسین علیہ السّلام کو اُمتِ مسلمہ کے گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔ ان کا خیال تھا کہ ہر گناہ اور ہر جرم جس کے وہ مرتکب ہوتے ہیں۔ شہادت امام علیہ السّلام کے طفیل بخشا جائے گا[۳]۔

مسلمان محققین کا یہ فرض ہے کہ امام حسین علیہ السّلام کے اس شاندار اقدام کی تفاصیل

(بقیہ حاشیہ صلا) اور وہ لوگوں کی نظروں میں قابل نفرین ہوا۔

[ا] مؤلف کو پورا یقین ہے کہ اگر حسین علیہ السّلام امام معصوم نہ ہوتے تو ہم ان گمراہ کن خیالات و افکار کے زیر اثر جن کی تبلیغ طرح طرح سے کی گئی اب تک آپ کے عظیم مشن کو نعوذ باللہ غلط اور غیر شرعی سمجھا کرتے۔

[۲] المیزان ج ۳ ص ۳۲۱۔ قرآن مجید میں بیان شدہ تفصیلات کے مطابق یہودیوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو شہید نہ کیا تھا۔ ان کی شہادت اور اس کو امت مسیح کے گناہوں کا کفارہ سمجھنا عیسائیوں کے فضول قسم کے عقائد میں سے ہے۔

[۳] مصائب امام عالی مقام پر گریہ باعث ثواب عظیم ہے۔ یہ کار مستحب، وسیلۂ نجات اور حب اہل بیت علیہم السّلام کی نشانی ہے۔ اس سے انسان میں عدل و انصاف کی حمایت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن امام کا یہ مشن اور شہادت اس لیے نہیں کہ لوگ جان بوجھ کر گناہوں کے مرتکب ہوں اور پھر مصائب پر گریہ کو ان کا کفارہ سمجھ لیں۔

Marfat.com

لکھتے ہوئے ان مسائل کو خصوصی تحقیق کا مرکز بنائیں اور امام عالیمقام کے اصل مقصد شہادت کو جو اسلام کے اجتماعی عدل کو مروج کرنا تھا وہ سب پر واضح اور روشن کریں۔ اس کے علاوہ تقیہ کا حقیقی مفہوم، ہلاکت میں حفظ جان اور اس قسم کے دوسرے معاملات کو پیش کیا جائے۔ تاکہ یہ شاندار اور حیرت انگیز معرکہ تمام شکوک وشبہات سے پاک ہو کر لوگوں کو آزادی اور حریت سے زندگی گزارنے کا ڈھنگ سکھا سکے۔

اس کتاب میں مذکورہ مسائل پر جہاں تک ممکن ہو سکا مصنف نے اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق تحقیق و تدقیق کی ہے۔ ظلم وجور کے مقابلے میں اعلائے کلمۂ حق ہلاکت میں حفظ نفس، تقیہ اور اس سے مشابہ دوسرے امور اس طرح سے پیش کیے گئے ہیں کہ اشتباہ پیدا نہ ہو اور باہم گڈمڈ نہ ہو جائیں۔ امید ہے کہ معرکۂ کربلا کے محرکات کی نشاندہی اور متعلقہ مسائل کی وضاحت قارئین کے لیے باعث استفادہ ہو گی۔

ایسی کتابوں کا سبب تالیف

انسان کو اپنی زندگی میں شخصی آزادی، آزادانہ زندگی گزارنے اور چند حقیقتوں پر ایمان رکھنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر زندگی کو حیات حقیقی نہیں کہا جا سکتا۔ ان حقائق کے ادراک اور ان صفات سے متصف ہونے کے لیے اس مرد حری کی شخصیت اور مقام بلند سے آگاہی، جس نے شہادت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی۔ انسان کو حصول آزادی اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کا ولولہ بخشتی ہے۔

انسان اس دنیا میں زندگی گزار رہا ہے جس نے صدیوں کی مدت مدید کے بعد بھی رنج ومحن، عذاب ومصائب اور افراد و اقوام میں بقا کے لیے کشمکش کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ بے پناہ حرص ولالچ کی بنا پر انسان چاہتا ہے کہ دنیا میں موجود ہر چیز اس کی ملکیت ہو اور تمام انسان اس کے ماتحت ہوں۔ اس دنیا میں وہ گروہ بھی

موجود ہے جو ہوس اقتدار و نفسانی خواہشات کا شکار ہے وہ لوگوں کے دستور زندگی پر اپنی مرضی کے مطابق حکم چلاتے ہیں۔ یہاں وہ خادم و کمتر لوگ بھی ہیں جو انسانی شرافت سے بیخبر اپنے آپ کو ذلت و خواری کے لیے مخصوص کر لیتے ہیں۔ دار المحن دنیا میں ان مظلوموں کی آہیں بھی ہیں جن کی ہڈیوں تک خنجرِ ستم پیوست ہو چکا ہے۔ اور جو زندگی سے بیزار ہو چکے ہیں۔ اپنی عظمت و فضیلت میں فرشتوں سے آگے نکل جانے والا انسان جب دین کی معیّن کردہ حدود و قیود توڑتا ہوا بدعملی و بدکرداری کو اپنا لیتا ہے تو پھر وہ ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جاتا ہے۔ عالم بشریت کو ایسی ذلت اور دوسری ہزاروں قسم کی بدبختیوں نے غم و الم اور مصائب و مشکلات سے دوچار کر کے دہکتا ہوا جہنم بنا دیا ہے۔

درحقیقت اگر اس تمام تاریکی و تیرگی جو ان فرعونوں، یزیدوں، چنگیزوں اور تیموروں کے ہاتھوں دنیا پر چھا گئی ہے اور جس نے چہرۂ انسانیت کو سیاہ کر دیا ہے، کے مقابلے میں جناب ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و علی و حسین و موسٰی و عیسٰی علیہم السلام جیسے مردان حق نہ ہوتے اور اپنے کردار کی خیرہ کرنے والی روشنی سے اس دنیا کو روشن نہ کرتے تو کیا ہمیں حق نہ تھا کہ ہم بھی ملائکہ کے ساتھ مل کر اپنے خدا سے کہتے کہ کیا تو اس کو خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا۔

مردان حق کی جاں نثاری، انسان دوستی اور عظمت و جلال ہی انسان کے قلب و نظر کو روشنی اور اس کی افسردہ و مایوس رُوح کو مسرت و انبساط بخشنے والی ہے۔ انھوں نے اپنی مبارک کوششوں سے انسانیت کی آبرو محفوظ کر دی ہے اور انسان کو اس کی ذات کے اصلی جوہر سے جو تمام فضائل کا سرچشمہ ہے آگاہ کیا۔ حقیقت میں عالم انسانیت ان ہی ہستیوں کے وجود بابرکت سے خداوند عالم کے حضور سرخرو ہے۔

ذرا اس مرد حرّی کا تصور کیجیے جو انگوٹھی میں جڑے ہوئے نگینے کی طرح ہر طرف سے گھیرے میں ہو۔ موت ایک خوفناک اژدہے کی طرح اُسے اور اس کے ساتھیوں کو نگلنے

Marfat.com

کے لیے مُنہ کھولے ہوئے ہو۔ اس کے اہلِ حرم اور معصوم بچّے دنیا کے ظالم و ذلیل ترین انسانوں کی قید میں جانے والے ہوں۔ اس کے خیموں میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود نہ ہو۔ اس کے بے خطا اور معصوم بچّوں کے مُنہ سے صدائے العطش اور طلبِ آب کے سوا اور کوئی آواز نہ نکلتی ہو اور وہ ان تمام اذیت ناک اور دل ہلا دینے والے لمحات میں بھی فولادی پہاڑ کی سی استقامت کے ساتھ سُورج کی جُھلسا دینے والی دُھوپ میں کھڑا ہوا کہہ رہا ہو: "خدا کی قسم! میں اپنے ہاتھ کو تم جیسے ذلیل انسان کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا۔[1] اے بنی اُمیّہ کے منہ بولے بیٹے (ابن زیاد) تو نے مجھے دوراہے پر کھڑا کر رکھا ہے۔ لیکن میں ہرگز اپنے آپ کو ذلیل نہ ہونے دوں گا وائے ہو اگر میں ذلت و خواری اختیار کروں کیونکہ میری ذلت میں خدا راضی ہے اور نہ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نہ مومنین اور نہ وہ پاک دامن ہستیاں جنھوں نے میری تربیت کی ہے اور نہ ہی صاحبانِ عزّت و ضمیر۔

ذلیل لوگوں کی اطاعت پر مردانِ حق شہادت گاہ کو ترجیح دیتے ہیں[2]۔ یہی مردانِ حق جذبۂ انسانیت کو آزادی و حریت کا درس دیتے ہیں اور جو کچھ آج تک انسان نے بصورت حریت، پیامِ حق، حقِ حاکمیت میں سے حاصل کیا ہے۔ یہ سب کچھ ان ہی مردانِ حق پرست کی زبردست کوششوں کا ثمرہ ہے۔

امامِ عالی مقام علیہ السّلام نے کربلا میں صبر و رضا کے جو جوہر دکھائے وہ دنیا کے تمام مردانِ حق کی جاں نثاریوں میں ایک علیحدہ شان رکھتے ہیں اور اپنی آب و تاب سے نگاہوں کو خیرہ کرتے ہیں۔ دُنیا کی اس عظیم ترین ہستی امامِ معصوم علیہ السّلام نے اپنے اور اپنے ستّر سے زائد صاحبانِ ایمان اور پاک طینت ساتھیوں کے خون سے آزادی حریت، انسانیت کی دستاویز

---

[1] ۔ ارشادِ مفید ص ۲۱۸۔

[2] ۔ لہوف ص ۵۷ ، روزِ عاشورا امام حسین علیہ السّلام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس سلسلے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ "انوف حمیہ" جو اس خطبہ امام میں استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ صاحبانِ عزت کیا ہے جس طرح لغتوں میں "حمی انفہ ای عز و غم انفہ ای ذلّ" (المنجد) ہے۔ ظاہر ہے اس سے مراد خود بینی نہیں۔

Marfat.com

پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ اور معرکۂ کربلا کو عالم انسانیت کے سامنے ایک ہمیشہ باقی رہنے والے درس کی صورت میں پیش کیا ہے۔

اس پاکیزہ و مقدس خون کی سُرخی شام کو پھیلی ہوئی شفق کی سُرخی کی طرح دُنیا میں ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اس عظیم الشان معرکے نے ہمیشہ دنیا کے مردانِ حُر اور قلب منور رکھنے والوں کو کامیابی کا راستہ دکھایا ہے۔ یہ انسانوں کو ایثار و قربانی اور جاں نثاری کا درس دیتا رہے گا اور یوں آسمان کے گنبدِ نیلگوں کے نیچے اپنی جاودانی شوکت و عظمت کا تحفظ کرے گا۔

رضائیہ

سیّد علی اکبر قرشی

Marfat.com

Marfat.com

٣٠٠٣٨

ماضی پر ایک نظر

امام حسین علیہ السّلام کا یہ تاریخی مشن اور اس وقت کے اقتصادی و سیاسی نظاموں کی مخالفت ایسا امر نہ تھا جو فوری طور پر وقوع پذیر ہوا ہو اور جس کے اسباب کو ماضی میں تلاش نہ کیا جا سکے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماضی میں ایسے واقعات کافی عرصہ پہلے رونما ہو چکے تھے۔ جو اس معرکۂ عظیم کے لیے زمین ہموار کر چکے تھے۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ روزِ عاشورہ حق و باطل کے درمیان ہونے والے اس معرکے سے چالیس سال پیشتر بلکہ اس سے بھی قبل کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے۔ اس کے بعد ہی ہم دورِ یزید کی ناانصافیوں کو سمجھ سکیں گے۔ اور اس طرح ہی اس مقدس مشن کی اصل حقیقت واضح ہو سکے گی۔ ذیل میں ماضی کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے[۱]۔

طبقاتی کشمکش کا آغاز

جرجی زیدان لکھتا ہے: حضور نبی اکرمؐ کے زمانے میں مسلمانوں کے لیے وظائف مقرر ہوتے تھے۔ بلکہ ہر شخص کو اس مالِ غنیمت میں سے حصّہ ملتا تھا، جو مسلمانوں کو فتوحات سے حاصل ہوتا تھا۔ اس میں سے خمس (پانچواں حصّہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے لیے رکھ لیتے تھے۔

۱۔ معرکہ کربلا کے اسباب واقعہ سقیفہ اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برسرِ اقتدار آنے میں تلاش کیے جا سکتے ہیں۔

Marfat.com

بقیہ تمام کا تمام صحابہ میں بلا لحاظ نسب و خدماتِ دینی مساوی طور پر تقسیم فرما دیتے تھے۔ خلیفہ اوّل کے زمانے میں بھی یہی طریق کار جاری رہا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں اس مقصد کے لیے ایک علیحدہ محکمہ تشکیل دیا اور سابقہ مراعات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قربت کو وجہ امتیاز بنا کر ہر مسلمان کے لیے سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔[1] حضرت عمرؓ کے زمانے میں سپاہیوں، ملازموں اور دوسرے وظیفہ خواروں کے لیے جو رقم بطور وظیفہ مقرر کی گئی اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) رسولِ اکرمؐ کے چچا عباسؓ بن عبد المطلب	۱۲۰۰۰ درہم سالانہ[2]
(۲) ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابو بکرؓ، حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ اور حضرت ام حبیبہؓ بنت ابو سفیان	۱۲۰۰۰ درہم فی کس سالانہ
(۳) دیگر ازواج مطہرات	۶۰۰۰ درہم فی کس سالانہ
(۴) معاویہ، ابو سفیان اور اہلِ مکہ میں سے معروف لوگ	۵۰۰۰ " " "
(۵) مہاجرین میں سے جنگِ بدر میں شرکت کرنیوالے	۵۰۰۰ " " "
(۶) انصار میں سے جنگِ بدر میں شرکت کرنیوالے	۴۰۰۰ " " "[3]
(۷) حکام میں سے ہر ایک چھ سو درہم ماہانہ اور سالانہ	۷۲۰۰ " " "[4]
(۸) قاضی اور ان کی جائیدادوں پر متعین اہل کار	۱۲۰۰ " " "[5]
(۹) اہالیانِ مکہ میں سے ہجرت نہ کرنیوالوں کو	۶۰۰ " " "
(۱۰) اہل یمن میں سے	۴۰۰ " " "

---

[1] تمدن اسلام از جرجی زیدان، ج ۱، ص ۱۹۰ ترجمہ جواہر کلام [2] کامل ابن اثیر - ج ۲، ص ۳۵۱
[3] تاریخ یعقوبی - ج ۲، ص ۱۰۶ طبع بیروت [4] تاریخ جرجی زیدان - ج ۲، ص ۱۹۸
[5] تاریخ جرجی زیدان - ج ۱ ص ۶

Marfat.com

(۱۱) قبیلہ مضر میں سے	۳۰۰ درہم فی کس سالانہ
(۱۲) قبیلہ ربیعہ میں سے	۳۰۰ " " " [1]
(۱۳) دوسرے تمام مسلمان	۲۰۰ سے ۵۰۰ درہم فی کس سالانہ [2]

سپاہیوں کی اُجرتوں کا تعین یوں ہوتا تھا کہ اگر سپاہی عرب ہو اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خاندانی قرابت رکھتا ہو تو دوسروں پر مقدم سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح قحطان قبیلہ کے عرب سپاہی، قبیلۂ عدنان کے عرب پر، بنی مضر کے بنی ربیعہ پر، قریش غیر قریش پر اور بنی ہاشم بنی امیہ پر مقدم سمجھے جاتے تھے۔[3]

ان تفصیلات سے اندازہ ہوتا ہے کہ بطور وظیفہ دی جانے والی رقوم میں غیر معمولی فرق تھا۔ مثال کے طور پر ایک شخص جو سالانہ پانچ ہزار درہم وصول کرتا تھا اس کو چار سو درہم سے زائد ماہوار اور قریباً چودہ درہم روزانہ میسر آتے تھے۔ دوسری طرف جس کو سال میں دو سو درہم ملتے تھے اس کے حصے میں سترہ درہم ماہوار اور آدھا درہم روزانہ آتا تھا۔ ظاہر ہے کہ پانچ ہزار اور دو سو درہم میں ایک اور پچیس کی نسبت ہے۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام عالم اسلام میں طبقاتی تفریق کا اوّلین سنگِ میل ثابت ہوا۔ اور عدل و انصاف پر مبنی معاشرے کو مکمل طور پر غیر منصفانہ اور انتشار سے بھرپور معاشرے میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے نتیجے میں ایک قلیل مدت میں کہ ابھی حضرت عمرؓ بھی بقید حیات تھے، اسلامی معاشرے میں اقتصادی تفریق کی ایسی خلیج پیدا ہوتی جو روز بروز پھیلتی اور گہری ہوتی چلی گئی۔ زر اندوزی، ارتکاز دولت اور محنت کش طبقے کا استحصال شروع ہو گیا۔

ارتکاز دولت اور سرمایہ دارانہ تصورات کی حکمرانی نے معاشرے میں جگہ پائی۔ ان صاحبانِ ثروت میں سے سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص، ابوہریرہ، نعمان بن عدی، نافع بن عمرو یعلی بن

---

[1] یعقوبی۔ ج ۲، ص ۱۰۶۔ [2] تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۱، ص ۱۶۲

[3] تاریخ جرجی زیدان، ج ۱، ص ۱۵۹-۱۶۰۔

امیہ قابل ذکر ہیں[1]۔

خلیفہ کے دولت سمیٹنے پر لوگوں کا اعتراض اور خلیفہ کا اپنی دولت جمع کرنے پر اصرار[2] ایسی چیزیں تھیں جن سے نہ صرف معاشرے سے عدل و مساوات کا تصور ختم ہوا۔ بلکہ نتیجتہً معاشرے میں طبقاتی کشمکش کو بھی فروغ ہوا۔

اس زمانے میں مسلمان اپنی جمع شدہ پونجی اور وظائف میں ملنے والی بھاری رقوم سے غلام خرید لیتے تھے۔ ان میں سے دو چار کو اپنی خدمت کے لیے رکھ لیتے تھے اور باقی غلاموں کو مختلف کاموں پر لگا دیتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک سے معین رقم روزانہ یا ماہوار وصول کرتے تھے۔ اس حالت میں یہ محنت کش غلام مجبور تھے کہ سخت محنت سے اپنے لیے بھی قوت لایموت مہیا کریں اور ان حکام کو مقررہ رقم بھی بہم پہنچائیں۔ حسب ذیل مکالمہ جو فیروز ایرانی اور خلیفۂ ثانی کے درمیان ہوا۔ اس صورتِ حال کا مظہر ہے۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بازار سے گزر رہے تھے۔ فیروز ایرانی جو مغیرہ بن شعبہ کا غلام تھا۔ حاضر ہوا اور کہا:

"اے امیر المومنین! مغیرہ بن شعبہ کی زیادتی و ظلم کے خلاف انصاف چاہتا ہوں۔ وہ مجھ سے روزانہ ایک بڑی رقم وصول کرتا ہے۔"

"تم کتنی رقم ادا کرنے کے پابند ہو؟"

"روزانہ دو درہم۔"

"تم کن فنون سے واقف ہو؟"

"نقاشی، لوہے اور لکڑی کا کام۔"

جو فنون تم جانتے ہو ان کے مقابلے میں تو تم سے دو درہم کی رقم وصول کرنا زیادتی نہیں

---

[1] "تاریخ یعقوبی، جلد دوم، صفحہ ۱۱۱- مذکورہ بالا اصحاب کوفہ، مصر، بحرین، میسان، مکہ اور یمن کے حاکم تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان میں سے ہر ایک کی نصف جائیداد ضبط کر لی تھی۔

[2] "تاریخ جرجی زیدان۔ ج ۲، ص ۱۱

Marfat.com

میں نے سنا ہے کہ تم نے ایسی چکی بنانے کا دعویٰ کیا ہے جو ہوا سے چل سکتی ہے"۔

"جی ہاں، میں بنا سکتا ہوں"۔

"میرے لیے ایسی چکی بنا دو"۔

"اگر زندہ رہا تو ضرور آپ کے لیے ایسی چکی بناؤں گا جو مشرق و مغرب میں زبان زدِ خاص و عام ہو"۔

واپسی پر حضرت عمرؓ نے اپنے ہمراہی سے کہا کہ اس غلام نے مجھے قتل کی دھمکی دی ہے۔[۱]

حضرت عمرؓ جیسے سخت گیر و تند مزاج حاکم کو دی گئی یہ کھلم کھلا دھمکی ظاہر کرتی ہے کہ محنت کش طبقے کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا تھا۔ اور وہ اپنے مصائب کا ذمہ دار خلیفہ کو قرار دے کر اس پر غضب ناک تھے۔

صاحب جنایات تاریخ رقم طراز ہے۔ حضرت عمرؓ نے جب اس اقتصادی نظام کو استوار کیا اس وقت غالباً یہ حقیقت ان کے پیشِ نظر نہیں رہی کہ وہ محنت کش طبقے پر عیش کوش اور آرام طلب طبقے کو مسلّط کر رہے ہیں۔

وہ غالباً نہیں جانتے تھے کہ ان کے اس اقتصادی ڈھانچے کے نتیجے میں معاشرے میں موجودہ معاشی مساوات ختم ہو کر رہ جائے گی۔ ان کا قول تھا کہ جن لوگوں نے زمانۂ کفر میں حضورؐ سے جنگ کی اور ان کے مقابل آئے وہ ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو حضورؐ کے ساتھ غزوات میں شریک ہو کر کفر سے معرکہ آرا ہوئے۔ یہ نکتہ ان کی نگاہ سے پوشیدہ رہا کہ اگر وہ ابتدا میں اسلام لانے والوں کو نو مسلموں پر ترجیح اور امرا و حکام کو عوام کے مقابلے میں زیادہ مراعات دیں گے تو حاکم و محکوم اور مالک و مزدور کے درمیان

---

[۱] کامل ابن اثیر ج ۲، ص ۲۶۔ مروج الذہب ج ۱، ص ۴۲۶۔ حیاۃ الحیوان ج اوّل، ص ۵۱۔ حیاۃ الحیوان میں فیروز سے وصول کرنے کی متعینہ رقم چار درہم درج ہے۔ تاریخ الخلفاء سیوطی، صفحہ ۱۳۴۔ مصنف نے کامل ابن اثیر سے عبارت کا ترجمہ کیا ہے۔

Marfat.com

نفرت و عداوت کی وسیع خلیج حائل ہو جائے گی۔ مسعودی نے "مروّج الذہب" میں دور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ میں مسلمانانِ اوّل کے مال و دولت کی حیرت انگیز تفصیل لکھی ہے جبکہ نو مسلم اور محنت کش اپنی روزانہ ضروریات بھی بمشکل پوری کرتے تھے۔

کیا خلافت کے لیے یہ بہتر نہ تھا کہ قرآن حکیم کی روشنی میں برتری کا معیار تقویٰ اور کوشش و جد و جہد کو قرار دیا جاتا اور خود مراتب متعین کرنے کی بجائے سب کو قانون کی نگاہ میں یکساں قرار دیتی[۵۱]۔

بالآخر طبقاتی اختلافات کے بدترین نتائج ناقابلِ یقین حد تک تکلیف دہ صورت میں ظاہر ہوئے چنانچہ یہ واقعہ اکثر بیان کیا جاتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے موسم سرما کی سرد ترین رات میں ایک عورت کو دیکھا جس کے بچے اس کے گرد بھوک سے رو رہے تھے اور اس نے چولہے پر پتیلی میں پانی ڈال کر رکھا ہوا تھا تاکہ بچوں کو یہ تسلی رہے کہ کھانا پک رہا ہے۔ حضرت عمرؓ کو اس صورت حال سے بہت دکھ ہوا، اور گودام سے اس عورت کے لیے آٹا بھجوا دیا۔

ڈاکٹر علی الوردی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں کہ مؤرخین نے اس واقعہ کو اگرچہ حضرت عمرؓ کی رعایا پر شفقت و مہربانی کا اظہار کرنے کے لیے لکھا ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اس واقعہ کو اس زمانے میں غربا کی حالتِ زار بیان کرنے کے لیے پیش کیا جائے۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بیوگان، یتامیٰ اور غربا کس حد تک محتاج و پریشان حال تھے[۵۲]۔

حضرت عمرؓ کو اواخر حیات میں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا تھا۔ چنانچہ اپنے ایک پیغام میں انھوں نے اس امر کی نشاندہی اس طرح کی ہے کہ میرا مقصد ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے اور مقدم سمجھنے سے تالیف قلوب کے سوا کچھ نہ تھا۔ اگر آئندہ سال میں زندہ رہا تو تمام

---

۵۱ خیاباتِ تاریخ جلد سوم، صفحہ ۷۰۔ بہ نقل از الفاروق صفحہ ۳۴ تالیف بشیر بوٹ۔

۵۲ نقش و حافظ در اسلام صفحہ ۸۴۔

Marfat.com

لوگوں کے درمیان مساوات قائم کردوں گا۔ اور سب امتیازات مٹا کر سرخ و سفید اور عرب و عجم کی تفریق ختم کردوں گا۔ اور حضرت ختمی مرتبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور حضرت ابوبکرؓ کا اتباع کرتے ہوئے سب کو ایک نظر سے دیکھوں گا[1]۔ لیکن افسوس کہ پانی سر سے گزر چکا تھا۔ اس وقت خلیفہ کا اصلاحی پروگرام غیر مؤثر تھا۔ بالآخر ضروریات زندگی سے محروم طبقے کے غیض و غضب اور خنجر انتقام نے خلیفہ کا پیٹ چاک کر دیا۔ اور اصلاح احوال کا پروگرام ہمیشہ کے لیے عملی جامہ پہننے سے محروم ہوگیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ فیروز ایرانی کے خنجر سے جاں بحق ہوئے جو محنت کش اور لوازم حیات سے محروم طبقے کا نمائندہ تھا۔ پھر اس نے وہی خنجر اپنے سینے میں پیوست کر لیا۔ تاکہ وہ بعد میں پیش آنیوالے تکلیف دہ حالات سے چھٹکارا پالے۔

"زندگانی امیر المومنین" کے مصنف عبدالوہاب عبدالمقصود کا کہنا ہے کہ اگر حضرت عمرؓ اس آتش پرست کے خنجر سے جاں بحق نہ بھی ہوتے تو اور بہت سے لوگوں کا نشانہ انتقام بن جاتے۔ کیونکہ فیروز ایرانی جس طبقے کا نمائندہ تھا وہ حضرت عمرؓ کی ذاتی سادہ زندگی کو نہ دیکھتے تھے۔ بلکہ ان کا معاملہ آقا و غلام کا تھا۔ وہ دیکھتے تھے کہ وہ جس قدر بھی محنت و جاں فشانی سے کام کرتے ہیں حاکم یا حکومت وقت اس کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اور نہ ہی ان کی ناگفتہ بہ حالت کی اصلاح کے لیے کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے[2]۔

دوسری طرف نسلی امتیازات کا بدترین رواج جو اسلام کے ظہور سے ختم ہوگیا تھا حضرت عمرؓ کے ہاتھوں دانستہ یا نادانستہ طور پر پھر زندہ ہوگیا۔ قرآن مجید نے "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" کے حکم صریح سے جہالت کے غرور اور فضول قسم کے امتیازات کو ختم کر دیا تھا۔ اور فضیلت و برتری کی کسوٹی تقویٰ و پرہیزگاری کو قرار دیا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے فرمایا تھا کہ تمام

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد دوم صفحہ ۱۰۷ طبع بیروت

[2] جنایات تاریخ جلد ۳ صفحہ ۷۷۔

Marfat.com

مسلمان بھائی بھائی ہیں اور کسی کو کسی پر برتری حاصل نہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں فرماتے ہیں: "اے قریش! تمام انسان اولاد آدم ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے"۔ پھر حجۃ الوداع کے موقع پر خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا خدا ایک ہے تم اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے خلق ہوئے۔ تم میں سے خدا کا مقرب وہ ہو سکتا ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔ عربی کو عجمی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اگر کوئی معزز و برتر ہے تو محض پرہیزگاری کی وجہ سے[۱]

حضورؐ کے ان تمام ارشادات کے باوجود بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمر کے زمانے میں نسل پرستی کے رجحانات دوبارہ فروغ پا گئے۔ عیسائی مؤرخ جرجی زیدان کا عقیدہ ہے کہ اُمّت مسلمہ میں نسلی امتیازات کی بنیاد رکھنے والے حضرت عمرؓ تھے[۲]۔ خلیفہ ثانی کا قول تھا کہ بدترین فعل یہ ہے کہ عرب عربوں کو قیدی بنائیں جبکہ خداوند عالم نے ہمیں ایران کی وسیع و عریض سرزمین لوگوں کو قیدی بنانے کے لیئے دے رکھی ہے۔

حضرت عمرؓ کہا کرتے تھے کہ اولاد کو ان کے بزرگوں کے نسب سے باخبر رکھو۔ تاکہ یہ نبطیوں کی طرح نہ ہو جائیں کہ اگر ان سے یہ پوچھا جائے کہ تم کس کی اولاد ہو؟ تو جواب یہ نہ ہو کہ میں فلاں علاقے کا رہنے والا ہوں[۳]۔

خلیفہ کا فیصلہ تھا کہ عجمی ماؤں کی اولاد اپنے عرب اجداد کی جائیداد کی وارث صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ وہ سرزمین عرب میں پیدا ہو۔ اہل سنت کے ائمہ اربعہ میں سے امام مالک نے یہ فتویٰ نقل کیا ہے[۴]۔ یہ فتویٰ اہل انگلستان کے اس عقیدے سے

---

۱ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم صفحہ ۳۴-۳۵ ترجمہ جواہر کلام

۲ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم، صفحہ ۳۴-۳۵

۳ تاریخ جرجی زیدان جلد چہارم، صفحہ ۳۴-۳۵

۴ موطا مالک فرائض باب میراث الملل، جلد اوّل، صفحہ ۴۹۶۔ اس سلسلے میں مزید تفصیل کے لیے النص والاجتہاد تالیف شرف الدین صفحہ ۱۶۰-۱۶۱ دیکھیے۔

Marfat.com

ملتا جلتا ہے کہ جو شخص انگلستان میں پیدا نہ ہوا ہو وہ دوسروں کی طرح صحیح معنوں میں انگریز نہیں بن سکتا اس لیے انگریز عورت کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے کہ وہ وضع حمل کے موقع پر انگلستان میں موجود ہو تاکہ نومولود میں ملی تفاخر پیدا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایرانیوں کو مدینہ میں مقیم رہنے کی اجازت نہ تھی۔ فیروز ایرانی کو مدینہ میں رہنے کی خصوصی اجازت اس کے مالک مغیرہ بن شعبہ کی درخواست پر دی گئی تھی[1]

مقام حیرت ہے کہ قرآن مجید کے صاف و واضح احکام اور حضور ختمی مرتبت کے قطعی ارشادات کے باوجود حضورؐ کی رحلت کے صرف دس سال بعد ہی عربوں کے مفادات کی خاطر نسلی تفاخر کو رواج دیا گیا۔ اگرچہ خلیفہ اپنے آپ کو اسلامی احکام کے اجرا کا پابند سمجھتے تھے۔ لیکن عرب و غیر عرب کا یہ فرق جو غیر اسلامی تھا، اس حد تک مقبول ہوا کہ عرب غیر عرب کی اقتدا میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھنے لگے۔

نافع بن جبیر شافعی جو مشہور تابعین میں سے تھا جب بھی کوئی جنازہ دیکھتا تو پوچھتا کہ مرنے والا کون تھا؟

اگر مرحوم قریش میں سے ہوتا تو کہتا افسوس میری قوم کا ایک فرد کم ہو گیا۔ اور عرب ہوتا تو کہتا افسوس میرا ہم وطن فوت ہو گیا لیکن اگر غیر عرب ہوتا تو کہتا کہ خدا کا مال ہے۔ چاہے تو لے جائے، چاہے رہنے دے[2]۔

کہا جاتا ہے کہ اگر عرب کسی غیر عرب کو اس کے علم و فضل اور سن و سال کی وجہ سے محترم سمجھتے تو اس کو کھانے پر مدعو کرتے، لیکن اس کو سر راہ بٹھاتے تاکہ لوگ جان لیں کہ مہمان عرب نہیں[3]۔ یہ سب اسی درخت کا ثمرہ تھا جو خلیفہ کے ہاتھوں پروان چڑھا تھا۔ اگر خلیفہ احکام قرآنی کے مطابق تقوی و فضیلت کو ہی برتری کا معیار قرار دیتے تو عالم اسلام

---

[1] مروج الذہب جلد اوّل، صفحہ ۴۲۶

[2] تاریخ جرجی زیدان۔ جلد ۴ صفحہ ۴۷، ۴۲ [3] ایضاً

Marfat.com

کو ان تمام بدنصیبیوں سے سابقہ نہ پڑتا۔ اگر خلیفہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرتے اور نسل پرستی کی رسم قبیح نہ ڈالتے تو کیا اس میں دین اسلام اور پیروانِ اسلام کی فلاح مضمر نہ تھی؟

یہاں پر حضرت علیؑ ابن ابی طالب کی نظر میں اسلامی مساوات کی قدر و قیمت واضح کی جائے تو قارئین اندازہ کر سکیں گے کہ مولائے کائنات احکام اسلامی کے احترام اور ان کے تحفظ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔ مشہور عرب مصنف طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ دو عورتیں حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے پاس آئیں اور اپنی حالتِ زار بیان کرنے کے بعد آپ سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے ان کے لیے بازار سے لباس اور خوراک منگوائی۔ جب آپ تقسیم فرمانے لگے تو ایک عورت نے دوسری کے مقابلے میں زیادہ حصہ کا مطالبہ کیا اور وجہ یہ بتائی کہ وہ عرب ہے اور دوسری موالی[1]

مولائے مومنین علی علیہ السّلام نے مٹھی بھر خاک اٹھائی۔ اس پر ایک نظر ڈالی اور پھر کہا جس حد تک مجھے علم ہے خدا نے کسی کو کسی پر فضیلت و برتری نہیں دی۔ مگر اس کی پرہیزگاری اور تقویٰ کے اعتبار سے[2]۔ قارئین خود ہی ان بزرگوں کے اس فرق کو دیکھ سکیں گے۔ ع

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا"

خلیفہ کا معاویہ کے ساتھ خصوصی نرم رویّہ

خلیفہ کی اس حکمتِ عملی سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی جو انھوں نے حاکم شام معاویہ کے معاملہ میں اختیار کی۔ انھوں نے شام کی وسیع سلطنت میں اسے ایک آزاد اور مطلق العنان

---

[1] موالی اس غلام اور کنیز کو کہتے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونے کے بعد اسلام لائے ہوں۔ بنی امیہ غیر عرب مسلمانوں کو موالی کہتے تھے۔ تاریخ جرجی زیدان۔ جلد ۴، صفحہ ۵۸۔

[2] علی و دو فرزندش، ص ۱۶۰ مترجمہ احمد آرام۔

Marfat.com

حاکم کی طرح پنپنے دیا۔ اور وہ جس استبدادی اور موروثی سلطنت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا اس کو مستحکم ہونے کا موقع دیا۔ حاکم شام کے ساتھ خلیفۂ ثانی کا حسن سلوک اور خصوصی نرم رویہ حیرت انگیز امر ہے۔ تاریخ کا بہ نظر غور مطالعہ کرنیوالے اور اس کا محققانہ جائزہ لینے والے کے سامنے یہ حقیقت ایک مجسم سوال بن کر ابھرتی ہے کہ خلیفہ جو اپنے عمّال اور حاکموں کے ساتھ کسی قسم کی رعایت برتنے اور چشم پوشی کرنے کے روادار نہ ہوں[۱]۔ انھوں نے کس سبب سے معاویہ کے ساتھ یہ خصوصی مراعات روا رکھیں اور اس کی ہوسِ اقتدار سے دانستہ چشم پوشی کی۔

حضرت عمر نے ابوہریرہ جیسے ضعیف و کمزور شخص کی پشت تازیانوں سے لہولہان کر دی اور اس نے ناجائز طریقے سے جو دولت جمع کی تھی اسے بیت المال میں جمع کر دیا پھر یہ کہ کر اس کی انتہائی تذلیل کی کہ تیری ماں امیمہ نے تجھے گدھے چرانے کے لیے جنم دیا[۲]۔

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت عمر نے اپنے بہت سے عمال کا مال و دولت ضبط کر لیا تھا اور سب کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی سخت تھا۔ خالد بن ولید جو خلیفۂ اوّل سے شمشیر خدا کا لقب پا چکا تھا۔ اس کو لشکر کی سپہ سالاری سے معزول کر دیا۔ مسعودی کا بیان ہے کہ خلیفہ نے سفر حج میں سولہ دینار صرف کیے اور واپسی پر اپنے بیٹے سے کہا ہم نے اسراف کیا[۳]۔ اپنے بیٹے عبداللہ کو شراب نوشی پر سخت سزا دی اور اتنے کوڑے لگائے کہ وہ تکلیف سے چیخ اٹھا[۴]۔

عمرو بن عاص خلیفہ کا ایک مطیع و فرمانبردار عامل تھا۔ وہ خلیفہ کے احکام کے نفوذ میں معمولی تاخیر بھی روا نہ رکھتا تھا۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفہ کی طرف سے جب محمد بن مسلمہ انصاری مصر گیا تو اس نے اپنے تیار شدہ کھانے کو چھوا تک نہیں اور عمرو کی

---

[۱] اگرچہ چند دوسرے مطیع و فرماں بردار حکام سے بھی چشم پوشی اختیار کی گئی۔ جیسا کہ محققین جانتے ہیں۔ مغیرہ بن شعبہ سے ام جمیل کے ساتھ زنا پر کوئی باز پرس نہیں کی گئی۔

[۲] عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۴۔ اصل عربی عبارت یوں ہے: وما نجعتك اميمة الالرعية الحمير۔ [۳] مروج الذہب جلد اول ص ۴۴۴۔ [۴] نقش و نگار دوامیہ لام؟ ص ۱۶۴

کی نصف دولت لے کر مدینہ آ گیا۔[۱]

عمرو بن عاص کے بیٹے نے ایک مصری کے ساتھ گھوڑ دوڑ میں شرط لگائی اور ہار گیا۔ مصری نے رقم کا مطالبہ کیا۔ لیکن عمرو کے بیٹے نے جسے اس گستاخی کی امید نہ تھی غیض و غضب کے عالم میں اس کے سر پر کوڑا مارا۔ اور کہا دو حاکموں کے بیٹے سے اب شرط کی رقم لے لے۔ مظلوم مصری نے اپنے چند ہم وطنوں کو ساتھ لیا یہ وہ لوگ تھے جو اس حقیقت کو جانتے تھے کہ اگر امراء، حکام اور ان کے بیٹوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند نہ کی گئی تو یہ رسم چل نکلے گی۔ اور ان کے مظالم کی کوئی حد نہ رہے گی۔ عوام حکام کی زیادتیوں کو جتنا برداشت کریں گے ان کا دائرہ اور وسیع ہو گا۔ چنانچہ یہ لوگ مدینہ گئے اور خلیفہ کے سامنے شکایت کی۔ حضرت عمر نے عمرو اور اس کے بیٹے کو فوراً طلب کیا۔ اور جس شخص کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی اس کے ہاتھ میں تازیانہ دے کر کہا کہ اس سے قصاص لو۔ وہ شخص تذبذب کے عالم میں تازیانہ دیکھتا تھا اور حضرت عمر کہتے تھے دو حاکموں کے بیٹے کو مارو۔ اس کے بعد اس شخص سے کہا عمرو بن عاص کی حمایت اور شہ سے اس کے بیٹے کو تمہیں کوڑے مارنے کی جرأت ہوئی لہٰذا اس کو بھی سزا ملنی چاہیئے۔[۲]

تعجب انگیز امر ہے کہ خلیفہ نے اس قدر تند خو اور سخت گیر ہونے کے باوجود بھی معاویہ کی بدعتوں اور غلط قسم کے کاموں کو کیسے برداشت کیا۔ اپنی عادت کے برخلاف کسی قسم کی کارروائی نہ کرنا پڑھنے والے کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ معاویہ کے اعمال زشت بھی اُن کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امیر معاویہ آہستہ آہستہ خلافت کو ملوکیت سے بدل رہا ہے۔ وہ خود معاویہ کو عرب کا کسریٰ کہا کرتے تھے۔[۳] اس کے شاہانہ یا ملوکانہ انداز دیکھنے کے باوجود بھی حضرت عمر نے چشم پوشی

---

[۱] شرح ابن ابی الحدید جلد اول، صفحہ ۵۰ طبع بیروت۔ [۲] ملاحظہ ہو مردِ ناتمناہی صفحہ ۴۷، جو ہم عصر عالم حسن صدر کی تالیف ہے۔ [۳] الاصابہ جلد ششم صفحہ ۱۱۲، احوالِ معاویہ (شرح ابن ابی الحدید، جلد اول، صفحہ ۹۱)۔

کی۔ حالانکہ اس کو حکومت شام سے علیحدہ کرنا اور اس کی جگہ کسی اور مناسب شخص کا تعین ان کے لیے بہت زیادہ آسان تھا۔

"وعاظ السلاطین" میں ڈاکٹر وردی عراقی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ شام گئے تو انھوں نے دیکھا کہ معاویہ نے رومی اور ایرانی شہنشاہوں کی طرح دربار آراستہ کر رکھا ہے اور محافظوں و درباریوں کی جلو میں شاہانہ انداز میں رہتا ہے۔ اسلام کے پاکیزہ نظام حکومت کو آہستہ آہستہ نیست و نابود کر رہا ہے تو وہ غضب ناک ہوئے اور کہا اے معاویہ! تو شاہانہ انداز میں رہتا ہے۔ معاویہ نے فوراً توجیہہ پیش کی۔ دراصل میں اس سرزمین میں رہتا ہوں جو دشمن کی سلطنت سے قریب تر ہے۔ مجھے مجبوراً وہی انداز اختیار کرنا پڑتے ہیں جو ان کے ہیں اور تزک و احتشام میں اپنا رویہ ان کے برابر رکھنا ہوتا ہے۔[1]

ڈاکٹر صاحب موصوف اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت عمر معاویہ کے جواب سے مطمئن ہو گئے۔ اگرچہ وہ یقیناً اس کے نتائج محسوس کر رہے تھے لیکن انھوں نے خاموشی اختیار کر لی۔[2]

Note please

کہتے ہیں ایک دفعہ امیر معاویہ کا باپ ابوسفیان اپنے بیٹے سے ملنے شام گیا۔ واپسی پر حضرت عمر سے ملاقات ہو گئی۔ حضرت عمر نے کہا اے ابوسفیان! میرا حصہ بھی تو دو۔ اس نے کہا مجھے تو خود کچھ نہیں ملا، تمھیں کہاں سے دوں۔ اس پر حضرت عمر نے زبردستی اس کی انگلی سے انگوٹھی اتار کر خادم کو دی کہ جاؤ اس کی بیوی ہندہ سے وہ تھیلا لے آؤ جو وہ شام سے لایا ہے۔ خادم گیا اور جلد ہی وہ تھیلا لے آیا جس میں دس ہزار درہم تھے۔ حضرت عمر نے یہ تمام رقم بیت المال میں شامل کر دی۔[3]

حضرت عمر جانتے تھے کہ معاویہ نے یہ تمام رقم بیت المال سے اپنے باپ کو دی ہے۔

---

[1] نقش وعاظ در اسلام صفحہ ۱۱۴ [2] ایضاً [3] الغدیر جلد ششم صفحہ ۲۷۲۔

Marfat.com

لیکن اس کھلی ہوئی خیانت سے انہوں نے چشم پوشی کی اور معاویہ سے جواب طلبی نہیں کی۔

تمام تاریخ کا مطالعہ کیا جائے اور معاویہ کے ساتھ خلیفہ کے رویہ کا جائزہ لیا جائے تو ایک واقعہ بھی نہ مل سکے گا جس سے ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ نے کسی غلط کاری پر معاویہ سے باز پرس کی ہو اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے جو کچھ وہ سیاہ و سفید کرتا رہا۔ اس کو اس سے باز رکھا

سب سے حیرت انگیز واقعہ وہ ہے جو ابن حجر نے الاصابہ میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں درج کیا ہے کہ وقت نزع جب حضرت عمر شدّتِ تکلیف سے تڑپ رہے تھے تو حاضرین سے کہا "میرے بعد باہم جھگڑا نہ کرنا اور تفرقہ بازی سے پرہیز کرنا ورنہ جان رکھو کہ معاویہ نے شام میں اتنی طاقت حاصل کر لی ہے کہ وہ حکومت تم سے چھین سکتا ہے[۵]"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ معاویہ کے اصل مقصد کو جانتے تھے۔ ان تمام واقعات کے مطالعہ سے چند باتیں مجسم سوال بن کر ذہن میں اُبھرتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ خلیفہ کا اس شخص کو بغیر کسی گرفت اور جواب طلبی کے پنپنے کا موقع دینے کا کیا مقصد تھا؟ معاویہ کو آزاد اور مطلق العنان حکومت قائم کرنے کی اجازت دینا کیا اسلام اور مسلمانوں کے لیے مفید تھا؟ وقتِ آخر خلیفہ نے جو پیش گوئی کی کہ جھگڑے کی صورت میں معاویہ مرکزی حکومت بھی حاصل کر لے گا۔ کیا صرف لوگوں کو باہمی نفاق اور تفرقے سے باز رکھنے کے لیے تھی یا حقیقت پر مبنی تھی؟ معاویہ کو فتح شام کے بعد ابتداہی سے ایک مضبوط شاہانہ حکومت استوار کرنے کا جو موقع دیا گیا۔ کیا اس کا مقصد بنی ہاشم کے مقابلے میں بنو امیہ کو مضبوط بنانا نہ تھا؟ تاکہ ان کے متوقع تصادم میں بنی ہاشم کو سخت نقصان پہنچے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا ہو کہ جناب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ہر طرح سے اقتدار سے محروم رکھا جائے۔ ان تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ حاکم شام کے ساتھان تمام رعایات اور نرم رویے میں کونسی مصلحت پوشیدہ تھی۔ دمشق میں فتنہ و فساد کے اس مرکز کی ترویج سے حق تعالیٰ کی رضا جوئی

---

۵ الاصابہ جلد ششم، صفحہ ۱۱۴، شرح ابن ابی الحدید جلد اول، صفحہ ۹۱۔ طبع بیروت۔

Marfat.com

مقصود تھی یا اسلام اور مسلمانوں کی فلاح منظور تھی۔ حالانکہ یہی حکومت اسلامی نظامِ سلطنت اور نظامِ معیشت کی تباہی اور خاتمہ کا باعث بنی۔

عبدالرحمن اور حق تنسیخ

حضرت عمرؓ نے زخمی ہو کر اپنی زندگی سے مایوس ہونے کے بعد چھ ارکان پر مشتمل ایک مجلسِ شوریٰ[1] اس طرح تشکیل دی کہ حضرت علیؑ کے برسر اقتدار آنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ پھر قریش کے معروف سرمایہ دار عبدالرحمٰن بن عوف کو حق تنسیخ دے کر عثمانؓ بن عفّان اور بنو امیہ کے لیے خلافت کو اور یقینی بنا دیا۔ عصرِ حاضر کے مفکر حسن صدر اپنی کتاب "مرد نا ملنا ہی" میں لکھتے ہیں کہ اگر حضرت ابوبکرؓ کی پیروی کرتے ہوئے حضرت عمرؓ بھی جناب علیؑ کو اپنا جانشین نامزد کر دیتے اور مجلس شوریٰ کو اس انداز سے تشکیل نہ دیتے کہ حضرت علیؑ کے مسند خلافت پر آنے کی تمام راہیں مسدود ہو جائیں تو کیا قیامت آجاتی بلکہ اس سے یہ فائدہ ہوتا کہ بنی امیہ میں سے معاویہ سے لے کر مروان تک کسی کو سرکشی اور بغاوت کی جرأت نہ ہوتی۔ اور ملّتِ اسلامیہ پر بیت المال کے ناجائز استعمال، نسلی امتیازات، آداب و رسومِ جاہلیت کی ترویج اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے جو تباہی آئی، اس سے مصؤن ہو جاتی۔ امامؑ کی زبردست ذہنی، جسمانی اور اخلاقی صلاحیتیں، اُن کی بے پناہ جرأت و بہادری اٹھارہ سال تک دوستوں کے باہمی نفاق کی نظر ہو گئیں۔ اگر اُن کے دورِ خلافت میں خوارج کا فتنہ سر نہ اٹھاتا، تو آئندہ ایک طویل مدت تک بلکہ روزِ محشر تک اسلام کے انسانیت کے اصولوں کو جو دُنیا کی تمام تر اقوام و ملل کے لیے بہ صورتِ جمہوریت اور اسلامی سوشلزم قابل

---

[1] مجلسِ شوریٰ کے چھ ارکان میں جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے علاوہ زبیر، طلحہ، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور عثمان بن عفان بھی شامل تھے

Marfat.com

قبول ہوتے، رائج ہونے کا موقع ملتا۔ اور انسانیت اس دور میں بھی اور اپنے مستقبل میں بھی ایک تابناک اور امید افزا نظامِ حیات سے متعارف ہوتی[۱۰]۔

افسوس کہ حضرت عمر نے ایسا نہ کیا اور عبدالرحمٰن بن عوف کو جسے وہ قریش کے مالدار ترین آدمی کی حیثیت سے اچھی طرح جانتے تھے، حقِ تنسیخ دیا۔ ابن قطیبہ اُسے فرعونِ اُمت کہا کرتا تھا[۱۱]۔ حضرت عمر یہ بھی جانتے تھے کہ عبدالرحمٰن بن عوف، عثمان بن عفان کا ہم زلف ہے۔ اور وہ یقیناً انھی کی حمایت کرے گا۔ اگرچہ حضرت عمرؓ مدینہ کے اُمرا اور سرمایہ داروں کے عوام پر مظالم سے بخوبی واقف تھے۔ پھر بھی انھوں نے ایک سرمایہ دار عبدالرحمٰن بن عوف کو حقِ تنسیخ دیتے ہوئے کہا۔ اُمیدواروں میں سے جو کوئی بھی اکثریت کی رائے سے اختلاف کرے۔ اسے بلاجھجک قتل کر دیا جائے۔ اگر ارکان کی نصف تعداد ایک امیدوار کے حق میں ووٹ دینے اور نصف دوسرے کے حق میں تو میرے بیٹے عبداللہ کو انتخاب کا حق حاصل ہے۔

اگر عبداللہ اس کا فیصلہ نہ کر سکے تو خلیفہ وہ ہو سکے گا جسے عبدالرحمٰن بن عوف کی حمایت حاصل ہو[۱۲]۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ امام حسن علیہ السلام اور عبداللہ بن عباس اعزازاً مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شریک ہوں گے۔ لیکن وہ خلافت کے لیے امیدوار نہ ہو سکیں گے۔ میرا بیٹا مشیر کی حیثیت سے اجلاس میں شریک ہو گا۔ لیکن ارکان اس کی خلافت کے لیے ووٹ نہ دیں گے۔ کیونکہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر بھی اپنے پاس رکھ لیتا ہے۔ اس کے علاوہ آلِ خطاب میں سے ایک شخص کا ہی مسندِ خلافت پر فائز ہونا کافی ہے۔

حضرت علیؑ کے مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے تمام امکانات اس طرح معدوم کر دیے گئے کہ پہاڑ کا جگہ سے ہل جانا ممکن ہو سکتا تھا، لیکن حضرت علیؑ کا برسرِ خلافت آنا ممکن نہ تھا۔

---

۱۰ مردِ نامتناہی۔ صفحہ ۱۴۴۔

۱۱ الامامہ والسیاسۃ جلد ۱ صفحہ ۲۴

۱۲ تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۳۵، تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ مصدر دوم میں مشورت عبداللہ نقل ہوا ہے۔

کیا عبدالرحمٰن بن عوف کے حق تنفیح، مجلس شوریٰ میں عبداللہ بن عمر کی بہ حیثیت مشیر شرکت اور سعد بن ابی وقاص کے مولائے متقیان کے ساتھ بغض و عداوت کے بعد بھی آپ کی کامیابی کی کوئی امید باقی رہ سکتی تھی؟ یہی وجہ ہے کہ مولائے کائنات نے مجلسِ شوریٰ سے کے قیام اور اس کی شرائط سننے کے بعد اپنے چچا عباسؓ سے کہا کہ ہمارا کام نہ بن سکے گا۔ عبداللہ بن عباس نے آہستہ سے کہا کہ عثمان خلیفہ بن جائے گا۔

الختصر یہ کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عثمان کے مسندِ خلافت پر فائز ہونے کی راہ ہموار کرنے کے لیے عبدالرحمٰن بن عوف (فرعونِ اُمت) کو حق تنفیح دیا۔ دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلامی معاشرے میں طبقاتی کشمکش کو جنم دیا، معاویہ کو بالکل آزاد چھوڑ دیا اور اس کی بدعتوں سے چشم پوشی کی، کسی بدعنوانی پر اس سے بازپرس نہ کی اور اس طرح اسلامی معاشرے کو تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا اور آخر میں دنیائے اسلام کو بنی امیہ کے قبضۂ اقتدار میں دیدیا۔

یہ حقیقت نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔ کہ اگرچہ ایک شخص کی بددیانتی اس کی ذات تک ہی محدود ہوتی ہے۔ لیکن بعض دفعہ صاحب اقتدار کی خودغرضی اور بددیانتی کسی قوم کو صدیوں تک مفلوج کر دیتی ہے۔ اور بدبختیوں کا شکار بنا دیتی ہے۔ ایک شخص جو غلطی سے یا جان بوجھ کر بددیانتی سے کسی خرمن کو آگ لگا دیتا ہے۔ اُس صاحب حکومت سے قطعاً مختلف ہے۔ جو معاہدۂ "ترکمانچائی"[1] پر راضی ہو کر قوم کو ذلیل و خوار کر دے یا پھر اپنی بزدلی و نااہلی سے خود اپنے ہاتھوں محمود افغان جیسے دشمن کے سر پر اپنا تاج رکھ کر حکومت سے علیحدہ ہو جائے۔[2]

---

[1] معاہدہ ترکمانچای ۱۲۴۴ھ/ ۱۸۲۸ء میں روسیوں اور ایرانیوں کے درمیان طے پایا۔ اس کی رُو سے ایران کے شاداب خطوں ایروان اور نخچوان وغیرہ علاقوں پر روس کا حق تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے ساتھ دس کروڑ تومان تاوانِ جنگ ادا کیا گیا۔ یہ معاہدہ ایران کے لیے مصیبتوں کا پیش خیمہ تھا۔ کیونکہ اس سے ایران کی آزادی کی بنیاد متزلزل ہوئی اور داخلی معاملات میں روسیوں کی مداخلت شروع ہو گئی۔ (مترجم)

[2] ۱۱۳۵ھ/ ۱۷۲۲ء میں جب افغانوں کو اصفہان کا محاصرہ کیے ہوئے سات ماہ ہو گئے تو سلطان حسین صفوی نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور ماتمی لباس پہن کر امرا کی معیت میں شہر سے باہر نکلا اور امیر لشکر
باقی حاشیہ دیکھیے ص ۴۰۔

اسی بنا پر ہم خلیفۂ ثانی کی کارگزاریوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مسلّمہ طور پر اپنے متذکرہ کاموں سے اسلام اور دنیائے اسلام کے مستقبل کو خطرہ سے دوچار کر دیا اور غلط کار و بدکار لوگوں کے برسر اقتدار آنے کی راہ ہموار کر دی۔

طبقاتی کشمکش میں اور اضافہ

مجلس شوریٰ کے محدود دائرہ کار میں حضرت عمر کی عائد کردہ پابندیوں اور عبد الرحمٰن بن عوف کے حق تنسیخ نے اپنا کام کیا اور نتیجتاً عثمان بن عفان مسند خلافت پر متمکن ہو گئے۔ ان کے برسر اقتدار آتے ہی بنو امیہ، وقت کے سرمایہ داروں اور غلط کاروں نے چین کا سانس لیا۔ اور انھیں کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ خلیفۂ ثانی کی سخت گیری جو بدعنوانیوں اور نادار طبقہ پر ظلم و زیادتی کی راہ میں رکاوٹ تھی وہ بھی مکمل طور پر ختم ہو گئی۔ کتب تاریخ میں ہے کہ خلافت سوم کے قیام کے بعد اسلام کا سب سے بڑا دشمن ابو سفیان مدینہ سے چار میل دور کوہِ اُحد پر گیا۔ اسلام کی معزز ہستی حضرت رسولؐ کے چچا جناب حمزہ جو جنگِ اُحد میں عروس شہادت سے ہمکنار ہوئے تھے کی قبر مطہر پر پیر رکھ کر کہا: "اے ابا یعلیٰ! اٹھو اور دیکھو کہ تم جس چیز کے لیے ہم سے برسر پیکار رہتے تھے، آج ہمارے ہاتھوں میں ہے"[۱]

یہی ابو سفیان تھا جس نے خلیفۂ سوم سے کہا کہ اے عثمانؓ! اب جبکہ ابو بکرؓ و عمرؓ کے بعد خلافت تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے تو ایسا انتظام کرو کہ یہ ہمیشہ ہی ہمارے خاندان میں ایک کے بعد دوسرے کو ملتی رہے۔ عمال کا تعین بھی بنی امیہ میں سے کرو، کیونکہ خلافت صرف دنیاوی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵) محمود افغان کو فرزند کہہ کر صفوی تاج اس کے سر پر رکھ دیا۔ اور حکومت اس کے سپرد کر دی۔ اور یوں ایرانیوں کو افغانوں کی غلامی میں دے دیا۔ (مترجم)

[۱] نقش حفاظ در اسلام صفحہ ۱۵۰ تالیف ڈاکٹر وردی۔

Marfat.com

بادشاہی اور امور سلطنت سے متعلق ہے۔ اس میں بہشت و دوزخ کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے[1]۔

مقام حیرت ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر بھی ابو سفیان نے یہی بات حضرت عباسؓ عم رسولِ[2] مکرم سے کہی تھی اور جناب عباس نے یہ جواب دیا تھا کہ یہ نبوت ہے بادشاہی نہیں[3]۔

ذیل میں خلافت سوئم میں بیت المال کے ناجائز صرف، سرمایہ داروں کو کھل کھیلنے کی آزادی، آوازِ حق بلند کرنے والوں پر توڑے جانے والے مظالم، بدعملیوں اور برائیوں کے فروغ، امورِ حکومت میں بے قاعدگیوں اور رعایا و محنت کش طبقے کی زبوں حالی و معاشی بدحالی کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت عثمانؓ نے اپنی ایک بیٹی کی شادی عبداللہ بن اسید سے کی اور حاکم بصرہ کو اپنے داماد عبداللہ کو چھ لاکھ درہم دینے کے لیے لکھا[4]۔ افریقہ سے حاصل ہونے والے مال غنیمت کا پانچواں حصہ جو پانچ لاکھ دینار تھا۔ بلاتکلف اپنے چچیرے بھائی اور سرپرست مروان بن حکم کو دے دیا[5]۔ اپنی ہر بیٹی کے لیے علیحدہ محل تعمیر کروایا۔ ان محلات کی تعداد سات تھی[6]۔ جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کے جائز شرعی حق فدک کے آباد گاؤں اور زرخیز زمین کو جو خلافتِ اول میں ضبط کر لیا گیا تھا۔ مروان اور اس کے خاندان کی جاگیر بنا دیا گیا۔ جو عمر بن عبدالعزیز کے زمانے تک ان کے پاس رہا[7]۔ اپنی چار بیٹیوں کی شادی قبیلۂ قریش میں کی اور ہر ایک کو ایک ایک لاکھ دینار دیئے[8]۔

---

[1] الغدیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۸۔ بہ نقل از الاستیعاب جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ و مروج الذہب و تاریخ طبری و تاریخ ابن عساکر۔

[2] سیرۃ ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۲۶۸ — [3] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔

[4 و 5] الامامۃ والسیاسۃ جلد ۱ صفحہ ۳۲

[6] اہل سنت اور شیعہ مورخین نے نقل کیا ہے کہ رسولِ خدا نے فدک جناب فاطمہ زہرا کو دے دیا تھا، جسے حضرت ابوبکر نے ضبط کر لیا۔ تفصیلات کے لیے النص والاجتہاد از شرف الدین صفحہ ۲۵ اور الغدیر صفحہ ۱۹۰۔ [8] شرح ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۲۸۸

اپنے چچا حکم بن ابی العاص کو قبیلۂ قضاعہ سے صدقات جمع کرنے پر مامور کیا اور تین لاکھ کی رقم اسے ہی بخش دی[1]۔ یہ حکم بن العاص وہی شخص ہے جسے حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ سے نکال دیا تھا اور اس نے دور جناب عمر کے اواخر تک اسی شہر بدری میں زندگی گزاری لیکن عثمان اسے خود مدینے لے کر آئے اور قوم کے سرمائے میں سے یہ خطیر رقم اس کے حوالے کر دی[1]۔

وادی القریٰ اور حنین میں حضرت عثمانؓ نے ایک لاکھ دینار کی جائیداد اپنے پیچھے چھوڑی اونٹوں اور گھوڑوں کا تو کوئی شمار نہ تھا[2]۔ خلیفہ ثالث نے متذکرہ جائداد کے علاوہ اپنے خزانچی کے پاس دس لاکھ درہم اور ڈیڑھ لاکھ دینار کی رقم جمع کر رکھی تھی۔

اسی طرح زبیر نے ہزار گھوڑوں اور ہزار کنیزوں کے علاوہ وسیع جائیداد چھوڑی۔ اس کی صرف ایک جائداد کی قیمت ہی پچاس ہزار دینار تھی۔ عراق میں طلحہ کی روزانہ آمدنی ایک ہزار دینار تھی۔ اور سراۃ کے علاقے سے اس سے بھی زیادہ حاصل کرتا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف کے اصطبل میں دس ہزار بھیڑوں، بکریوں کے علاوہ ایک ہزار گھوڑے اور ایک ہزار اونٹ بھی موجود تھے۔ اس کی موت کے بعد اس کی جائیداد کا چوتھا حصہ چوراسی ہزار دینار تھا۔ زید بن ثابت نے اپنے پیچھے اس قدر سونے اور چاندی کے ڈھیر چھوڑے کہ ان کے مرنے کے بعد ان کو کلہاڑی سے ٹکڑے کر کے قابل استعمال بنایا گیا۔ اس کی ایک لاکھ دینار مالیت کی جائداد اور زرعی زمینیں اس کے علاوہ تھیں۔ زبیر نے بصرہ، مصر اور اسکندریہ میں عالی شان مکان تعمیر کر رکھے تھے[2]۔ اتنی بڑی تعداد میں مال و دولت جمع کرنے کے لیے غیر شرعی و ناجائز طریقے اور ذرائع اختیار کیے گئے۔ چنانچہ خلافت سوم میں سرمایہ داروں اور زر مالکوں کے محنت کشوں اور غلاموں پر مظالم، ملکی قوانین کے نفاذ میں عدم مساوات، اصلاح

---

[1] مروج الذہب جلد ا صفحہ ۴۳۳-۴۳۴۔

[2] تاریخ جرجی زیدان جلد ا صفحہ ۸۰، ترجمہ جواہر کلام۔

Marfat.com

احوال کا مطالبہ کرنیوالوں کے خلاف سخت کارروائی اور کمزور رعایا کے مال و دولت کی حاکموں کے ہاتھوں ضبطی اسلامی سلطنت میں بہت عام ہوگئی۔

دمیری نے "حیواۃ الحیوان" میں صرف حضرت عثمانؓ کے غلاموں کی تعداد ایک ہزار لکھی ہے[1] زبیرؓ کی ایک ہزار کنیزیں تھیں، سوال یہ ہے کہ کیا حضرت عثمان اور زبیر ان مجبور و محکوم انسانوں کو ضروریاتِ زندگی بہم پہنچاتے تھے؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے لباس و خوراک اور اپنے مالکوں کو روزانہ متعینہ رقم فراہم کرنے کے لیے امراء مدینے کے گھروں اور کھیتوں میں کام کرنے پر مجبور تھے۔

کیا یہ غلام ان حالات میں سکون و اطمینان محسوس کرتے ہوں گے۔ کیا اسلام کا معاشی عدل اس کا متقاضی تھا کہ محنت کش مزدوروں کے خون پسینے کی کمائی تن آسان اور عیش کوش امرا کی نذر ہو جایا کرے۔

ناانصافی ہوگی اگر ہم اس جگہ مندرجہ ذیل واقعہ کا ذکر نہ کریں جس سے اندازہ ہو کہ معاملات کی خرابی نے کیا صورت اختیار کر لی تھی۔ حق تعالیٰ کلام پاک میں سورۂ توبہ آیت ۳۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

"اے ایماندارو! اس میں شک نہیں کہ یہود و نصاریٰ کے بہت سے عالم لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے ہیں۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے جاتے ہیں اور اس کو راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے تو ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔"

بہ ظاہر اس میں علمائے اہل کتاب کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور ان کے طرزِ عمل پر تنقید کی گئی ہے۔ لیکن "والذین یکنزون الذھب والفضۃ" کا اطلاق ہر مالدار اور زراندوز پر بلا لحاظ مذہب ہوتا ہے۔ اگر "والذین" میں سے واؤ حذف کر دی جائے تو آیت خالصتاً

---

[1] حیاۃ الحیوان جلد ا صفحہ ۵۳

Marfat.com

اہل کتاب کے لیے مخصوص بو جاتی ہے۔

جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطی تفسیر الدر المنثور میں لکھتے ہیں کہ خلافت سوم میں قرآن پاک کی تدوین و تحریر کے دوران "والذین یکنزون" میں سے "واؤ" حذف کرنے کی کوشش کی گئی۔ ابی بن کعب جو صحابہ کبار میں سے تھے آڑے آ گئے اور کہا اگر واؤ حذف کی گئی تو میری تلوار نیام سے نکل آئے گی۔[۵] پس مجبور ہو کر ویسے ہی لکھنا پڑا جیسا کہ حق تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رسوا کن دست درازیاں کس حد تک پہنچ گئی تھیں کہ اس استحصال پسند اور سرمایہ دارانہ نظام کی تائید کے لیے قرآن پاک میں بھی تغیر و تبدل کرنے پر لوگ دلیر ہو گئے تھے۔ اگرچہ ابی بن کعب کے اصرار پر یہ آیت درست لکھ دی گئی لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے مقرب خاص سرمایہ داروں کے رویے میں کوئی فرق نہ پڑا۔

صحیح بخاری میں بخاری نے اور واحدی نے "اسباب النزول" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ابوذر غفاری نے جو ایک راست گو اور صالح صحابی تھے۔ اس آیت کے حوالے سے معاویہ کو سونا چاندی اور دولت جمع کرنے سے منع فرمایا تو اس نے جواباً کہا کہ یہ آیت تو اہل کتاب کے بارے میں ہے نہ کہ مسلمانوں کے لیے۔ اس پر جناب ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہے اس کے مخاطب تو تمام انسان ہیں۔[۶]

آوازِ حق بلند کرنیوالوں کے خلاف کارروائیاں

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے تمام ملازمین کا انتخاب بنی امیہ سے کیا تھا۔ ان کی لیاقت و قابلیت کا اندازہ کیے بغیر انہیں مقرر کر کے تمام امور حکومت انھیں سونپ دیے

۵۔ الدر المنثور ج ۱ ص ۲۳۲ سطر ۲۲ ۶۔ صحیح بخاری کتاب ۶۵ تفسیر سورۂ توبہ۔ اسباب النزول واحدی ص ۱۴۰

تھے۔ ان لوگوں کی موجودگی کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اصلاح احوال کا مطالبہ کرنیوالے اور اسلامی اصولوں کے نفوذ کی خواہش رکھنے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی گئی۔ چنانچہ بزرگ صحابی جناب ابوذر غفاری کو حکومت کی غلط پالیسیوں پر تنقید کرنے کے جرم میں شام بھیج دیا گیا۔ شام میں انھوں نے امیر شام پر زور و شور سے تنقید کی کیونکہ وہ اپنی موروثی اور مطلق العنان حکومت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا۔

امیر شام نے اس کے بعد دربار مدینہ کی اجازت سے انھیں اذیت ناک حالت میں مدینہ بھیج دیا۔ ان کی مستقل نکتہ چینی اور تنقید سے تنگ آکر انھیں ربذہ کے بے آب و گیاہ میدان میں جلاوطن کر دیا گیا۔ جہاں آپ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں راہی ملک عدم ہوئے۔

عبداللہ بن مسعود نے کوفہ میں ان کی جلاوطنی اور ان پر ہونے والے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو حاکم کوفہ کی شکایت پر عبداللہ کو مدینے لے جایا گیا اور مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خلیفہ کے سیاہ فام غلام نے ان کو اس طرح زدوکوب کیا کہ ان کی پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ پھر ان کے گھر میں ان کو مقید کر دیا گیا۔ تاآنکہ وہ جاں بحق ہو گئے[۱]

اسی طرح کوفہ سے مالک اشتر، زید، صعصعہ، جُندب۔ کمیل بن زیاد وغیرہ بہت سے بزرگوں کو شہر بدر کر دیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حکم سے امیر شام نے انھیں حمص میں حاکم شہر عبدالرحمٰن بن خالد ولید کے حوالے کر دیا[۲]۔ اس ظالم نے ان بزرگوں کے ساتھ رسواکن رویہ اختیار کیا۔ وہ بے عزت کرنے کے لیے روزانہ انھیں ایک فرسخ گھوڑے کے آگے دوڑاتا تھا[۳] تاکہ وہ ان سختیوں سے ایک نہ ایک دن جان دے دیں۔ عامر بن عبدقیس کو شام[۴] اور عبدالرحمٰن بن حنبل صحابی کو شہر بدر کر کے قموص خیبر بھیج دیا گیا[۵]

---

۱ الغدیر، جلد ۹ صفحہ ۳ - بہ بعد ۲ الغدیر، جلد ۲ صفحہ ۳۱ بہ بعد

۳ گفتار ماہ شمارہ ۱ صفحہ ۱۲۲ - سال اول ۴ الغدیر جلد ۹ صفحہ ۵۴ عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۱۸۴

۵ تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۲

Marfat.com

حضرت عمار یاسر جو صحابہ کبار میں سے تھے ان کے ساتھ بھی یہی ظالمانہ اور توہین آمیز رویہ روا رکھا گیا۔ عمارؓ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے راہ خدا میں شکنجہ میں کسے جانے کی تکالیف برداشت کیں۔ ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہؓ ابوجہل کے خنجر ستم سے عالم باقی کو سدھارے۔ خود عمارؓ کے جسم کو مشرکین نے کئی جگہ سے داغدار کر رکھا تھا۔ انھیں مسلسل کئی روز تک شکنجہ میں کسا گیا تھا۔ ان مصائب کو برداشت کر کے وہ ملت مسلمہ کی ایک معزز ہستی بن گئے۔ کئی صحابہ نے خلیفہ کے نام خطوط میں ان کے بعض اقدامات پر اظہار ناپسندیدگی کیا اور جناب عمار سے ان کو خلیفہ تک پہنچانے کی استدعا کی۔ جناب عمار نے کئی ساتھیوں کے ہمراہ قصر خلافت کا رخ کیا۔ دق الباب کیا۔ اس مختصر وقفے میں یہ لوگ خوفزدہ ہو کر ایک ایک کر کے چلے گئے۔ عمار یاسر تن تنہا اندر داخل ہوئے اور خطوط خلیفہ کے حوالے کیے۔ اس موقع پر مروان بن حکم اور بنی امیہ کے چند اور لوگ بھی موجود تھے۔ چند سطور پڑھنے کے بعد وہ بہت برہم ہوئے اور کہا:

یہ سب تمھاری کارستانی ہے خود ہی خط لکھ کر لے آئے ہو۔

جی ہاں، میں نے ہی لکھے ہیں۔

تمھارے ساتھ کون کون تھا؟

میرے ساتھ ایک جمعیت تھی لیکن وہ لوگ ہمت و جرأت سے عاری تھے۔

ان کے نام بتاؤ؟

نہیں، میں ان کے نام نہیں بتا سکتا۔

تم نے اتنے لوگوں میں اکیلے ہی یہ جرأت کیوں کی؟

ابھی بات یہیں تک پہنچی تھی کہ مروان نے کہا: اے امیرالمومنین! اس سیاہ فام غلام نے لوگوں کو آپ کے خلاف اکسایا ہے۔ اگر آپ اس کو قتل کروا دیں تو دوسروں کو بھی عبرت ہوگی۔ خلیفہ نے کہا: اسے مارو۔ پھر کیا تھا، خلیفہ کے رشتہ دار اور

Marfat.com

طرف دار سب ہی جناب عمار کی جان کے درپے ہو گئے۔ خلیفہ نے بھی عصا سنبھال لیا۔ یہاں تک کہ اس پاک دل مومن کو اتنا مارا گیا کہ ان کا پیٹ پھٹ گیا۔ وہ فتق میں مبتلا ہو گئے۔ اور غش کر گئے۔ پھر انھیں اسی حالت میں دروازے سے باہر پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد جناب ام المومنین امّ سلمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور انھیں اپنے گھر لے گئیں[1]

حضرت عثمانؓ کو ابوسفیان نے یہ نصیحت کی تھی کہ ایسا انتظام کرو کہ خلافت یکے بعد دیگرے ہمارے ہی خاندان میں باقی رہے۔ اپنے عمّال بھی بنی امیہ سے متعین کرو۔ کیونکہ یہ کارِ سلطنت ہے۔ اس میں جزا و سزا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا[2]۔ مؤلف کے خیال میں اس نصیحت نے گہرا اثر چھوڑا۔ کیونکہ ابوسفیان بزرگِ خاندان سمجھے جاتے تھے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ بیت المال بنی امیہ کے لیے وقف تھا۔ عمّال بھی یہی مقرر ہوتے تھے۔ امورِ حکومت بھی ان کے ہاتھوں میں تھے۔ آیندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ معاویہؓ اذان میں رسالتِ محمدیؐ کی گواہی سے رنجیدہ ہوتا تھا۔ کیا یہ ابوسفیان کی نصیحتوں کا اثر نہ تھا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حاکموں کی زیادتیاں اور دست درازیاں بڑھتی گئیں۔ خلیفہ کا مادر زاد بھائی ولید بن عقبہ جو حاکم کوفہ تھا۔ ایک دفعہ شراب کے نشے میں مسجد میں آیا اور بدمستی کے عالم میں اس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھا دی پھر لوگوں سے پوچھا۔ اگر کہو تو اور پڑھا دوں؟ اسی حالت میں اسے قے ہوئی اور جو کچھ معدے میں تھا محراب مسجد میں اگل دیا[3]۔

ایک شخص نے دربار خلافت میں شکایت کی کہ میری بیٹی جو اپنے چچا کے بیٹے سے منسوب ہے حاکم کوفہ اسے مانگتا تھا۔ میں نے جس قدر بھی منت سماجت کی اس نے

---

[1] الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ صفحہ ۳۲-۳۳ و شرح ابن الحدید جلد ۱ صفحہ ۲۹۱

[2] الغدیر جلد ۸ صفحہ ۲۷۸ بہ نقل از تاریخ ابن عساکر

[3] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۱۵ و الامامۃ والسیاستہ جلد ۱ ص ۳۲

Marfat.com

کوئی پرواہ نہ کی اور مجھے سخت سزا دی۔ ایک شخص نے فریاد کی کہ میں نے حاکم بصرہ کی اپنے ہاں دعوت کی۔ اس نے واپس جانے کے بعد اپنے خادم کو بھیجا کہ تمام برتن اور خادم حاکم کو بھیج دوں۔ ہر چند میں نے فریاد کی، آہ و بکا کی کہ یہ چیزیں میری نہیں۔ میں نے ہمسائے سے لی تھیں، اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ اور بالآخر مجھے قید کر دیا گیا۔ اور قتل کی دھمکی دی گئی۔ اب میں جیل سے فرار ہو کر آیا ہوں تاکہ آپ سے انصاف چاہوں۔ ایک اور شخص نے یہ شکایت کی کہ میری سالانہ آمدنی صرف ایکہزار دینار ہے جبکہ حاکم مصر مجھ سے پچاس ہزار دینار مانگتا ہے اب یہ صورت باقی رہ گئی ہے کہ میں اسلامی حکومت سے فرار اختیار کروں اور دامن کفر میں پناہ لے لوں[۱]۔

اہالیان مصر نے اپنے حاکم عبداللہ بن سرح کے ظلم و زیادتی کے خلاف خلیفہ سے شکایت کی۔ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے خلیفہ کی طرف سے ان لوگوں سے وعدہ کیا کہ ان کے مطالبے کو پورا کیا جائے گا۔ یہ ستم رسیدہ لوگ خوشی خوشی نئے نامزد گورنر محمد بن ابی بکر کے ساتھ عازم مصر ہوئے۔ راستے میں ایک شتر سوار کو دیکھا۔ یہ خلیفہ کا غلام خاص ورش تھا اور مصر جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے اسے روک کر تلاشی لی تو اس کے پاس سے خلیفہ کا ایک فرمان برآمد ہوا۔ جس میں عبداللہ ابن ابی سرح کی برقراری کے احکام تھے اور یہ حکم دیا گیا تھا کہ جب یہ لوگ مصر پہنچیں تو ان میں سے فلاں کو قتل کر دیا جائے اور فلاں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور فلاں فلاں کے ساتھ اس قسم کا سلوک کیا جائے۔ لوگوں نے یہ فرمان پڑھا تو وہیں سے واپس مدینے چلے آئے[۲]۔

کوفہ اور بصرہ سے بھی ستم دیدگان فریاد کرنے کے لیے آ گئے۔ وسیع پیمانے پر بلوے کا آغاز ہو گیا۔ مدینے سے بھی وہ لوگ شامل ہو گئے جو مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔

---

[۱] تیرو۔ ہای سیاسی صفحہ ۷ - ۸ از سید حسین یکرنگیان

[۲] مروج الذہب جلد ۱ صفحہ ۴۴۱۔

اس موقع پر امّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضورِ ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیراہن مُبارک اپنے ہاتھوں میں تھام کر ان لوگوں سے کہا :

"اے مسلمانو! دیکھو تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا پیراہن بھی ابھی بوسیدہ نہیں ہوا کہ خلیفہ نے اس کے دین کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس کو تباہی کے قریب پہنچا دیا ہے۔"[1]

معاشی عدل کا مطالبہ کرنے والے ان انقلابیوں نے چالیس دن تک خلیفہ کے گھر کا محاصرہ کیے رکھا۔[1] اپنے ہتھیاروں کو لہراتے تھے اور خلیفہ سے استعفا کا مُطالبہ یوں کرتے تھے : "اخلع نفسک من ھذہ الامر کما خلعک اللہ منه"[2] ہم تمہیں اس اختیار سے ہٹاتے ہیں جیسے اللہ نے تجھے ہٹا دیا ہے۔ وہ خلیفہ کے دستِ راست مروان بن حکم کے خلاف سخت کارروائی کا مُطالبہ بھی کر رہے تھے۔ مدت محاصرہ میں خلیفہ ان کے مطالبات تسلیم کرنے سے انکار کرتے رہے اور حسنین شریفین علیہم السّلام مہاجرین کے کچھ لڑکوں کے ساتھ ان کے گھر کی حفاظت کرتے رہے تاکہ معاملہ کسی سمجھوتے پر ختم ہو جائے لیکن بالآخران بلوائیوں نے شنوائی نہ ہوتے دیکھ کر عقبی دیوار پھاندلی اور خلیفہ کو قتل کر دیا۔[3]

اصلاحِ احوال کا مطالبہ کرنے والوں کے دو گروہ تھے۔ ایک گروہ خلیفہ کے مقرر کردہ عمّال وحکام کے ظلم وستم اور زیادتیوں سے جاں بلب لوگوں پر مشتمل تھا۔[4] ان میں بنی زہرہ، ہذیل، بنی مخذوم، غفار اور ان کے ساتھی قبائل شامل تھے۔[5] دوسرا گروہ اصحابِ رسولِ خدا اور ان پاک دل مومنین کا تھا جو خلافت کے مایوس کن نتائج اور حکومتِ اسلامی میں ان تغیرات سے پریشان تھے۔

۱و۲ه تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۲۳-۱۲۴

۳ه الغدیر جلد ۹ صفحہ ۱۸۳ بہ نقل از واقدی

۴و۵ه مروج الذہب جلد ۱، صفحہ ۴۴۱ - شورش کرنیوالوں کے بارے میں مزید معلومات کے لیے مروج الذہب ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

غالباً یہی وجہ تھی کہ جنگ صفین میں امیر شام کے خلاف ایک ہزار ایک سو ستر (۱۱۷۰) صحابیوں نے حضرت علی علیہ السّلام کا ساتھ دیا۔ جبکہ امیر شام کے ساتھ صرف دو صحابی تھے [۱۵]

ہمیں اس سے بحث نہیں کہ بنوامیہ اپنے آئندہ مفادات کے لیے خلیفہ کی ہلاکت پر راضی تھے اور خود مروان بن حکم اس آگ کو بھڑکا رہا تھا اور اس سلسلے میں شاید اس نے امیر شام سے سازش کر رکھی تھی۔ کیونکہ خلیفہ کا خون آلود لباس ہر چیز سے پہلے شام پہنچا دیا گیا۔ ہمیں اس سے بھی سروکار نہیں کہ حاکم شام نے جو لشکر خلیفہ کی امداد کے لیے بھیجا تھا اسے سرزمین شام سے باہر جانے کی اجازت کیوں نہ دی گئی۔ اور خود وہ شام میں بیٹھ کر حالات کا رُخ دیکھتا رہا تاکہ خونِ عثمان کی قصاص طلبی کا تاریخی بہانہ ہاتھ لگ جائے۔

ہم ان تمام باتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ خلیفہ کے خلاف عوام کی جدو جہد ایک قدرتی اور لازمی بات تھی۔ جس معاشرے کی اکثریت محروم و مظلوم ہو۔ قوانین بے کار اور تن آسان اقلیت کے مفاد میں جاری ہوں۔ حاکم کے اقربا و عزیز اور اولاد ہی لوازماتِ حیات سے بہرہ ور ہوں اور قوم کا خزانہ ان کے لیے وقف ہو۔ ایسے معاشرے سے انقلاب و انتشار کے علاوہ اور کس چیز کی توقع رکھی جا سکتی ہے؟

اُمید کی کرن

قتلِ عثمانؓ کے بعد مسلمانوں نے بے حد اصرار کر کے جناب علی ابن ابی طالبؑ کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ کیونکہ گزشتہ پچیس سال میں وہ واحد ہستی تھے جو اسلام کی اعلیٰ تعلیمات کو خلوص نیت سے اپنائے ہوئے تھے۔ صحابہ کبار کی اُمنگوں اور معاشی نظام میں اصلاح کا مطالبہ کرنے والوں کی خواہشات کو ان کے سوا اور کوئی عملی جامہ نہ پہنا سکتا تھا۔

طلحہ، زبیر اور سعد بن ابی وقاص کے برسرِ خلافت آنے کا اس وقت کوئی امکان نہ

---

[۱۵] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

تھا کیونکہ دولت پرستی اور زر اندوزی وہ بھی کرتے رہتے تھے۔ لوگ جیسا انقلاب چاہتے تھے وہ مولائے مومنین کے علاوہ اور کسی کے ہاتھوں برپا نہ ہو سکتا تھا۔ اگر آپ تختِ خلافت پر متمکن نہ ہوتے تو آپ کا حیات بخش پیغام ملت تک نہ پہنچتا۔

حضرت علی علیہ السلام کے خلیفہ ہونے سے بنو امیہ اور گزشتہ خلافت کے حاشیہ برداروں کو تشویش اور پریشانی ہوئی کیونکہ وہ ان کے افکار عالیہ اور اخلاص عمل سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ ان کا مشن مکمل انصاف اور محنت کش اور لوازم حیات سے محروم لوگوں کو امراء کے مساوی مراعات دینا ہے۔ انھیں معلوم تھا کہ وہ کمزور و طاقت ور اور حاکم و محکوم کو ایک ہی نظر سے دیکھیں گے اور سب کے ساتھ پورا انصاف کریں گے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ بددیانت اور بیت المال سے جائداد بنانے والے اب عوام کے مفاد کی خاطر جھاگ کی طرح نابود کر دیے جائیں گے۔

بیعت کے دوسرے دن ہی مولائے کائنات نے اپنے آئندہ پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: جو کچھ بھی عثمانؓ نے سرکاری املاک سے مختلف لوگوں کو بخش رکھا ہے اور مالِ خدا میں سے جو کچھ دوسروں کو دے دیا ہے میں سب کچھ دوبارہ بیت المال میں شامل کرتا ہوں۔ حق کو کوئی طاقت باطل میں نہیں بدل سکتی اور نہ ہی اس کو ختم کر سکتی ہے۔ اگر یہ مال و دولت عورتوں کی شادیوں اور کنیزوں کی خرید میں صرف کیا گیا ہو تو بھی میں واپس لاؤں گا۔ کیونکہ عدل امور دین و دنیا میں لوگوں کو زیادہ وسعت و گنجائش بہم پہنچاتا ہے اور اگر عدل کے دروازے لوگوں پر بند کر دیے جائیں تو ظلم و جور ان پر عرصۂ حیات کو تنگ کر دیں گے۔[۱]

آپ کا یہ کلام اس کا مظہر ہے کہ اب دورِ عثمانؓ کی بخششوں کا وقت ختم ہو چکا ہے مساوات و یکسانیت کا دور شروع ہو گیا ہے۔ اب اسلام کے حیات آفرین قوانین اپنے

---

[۱] نہج البلاغہ محمد عبدہ خطبہ ۱۵ و شرح آن

Marfat.com

غریب اور ظالم و مظلوم پر یکساں لاگو ہوں گے۔

حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی حکومت کی اساس اس اکثریت پر تھی جو انقلاب پسندوں اور صحابہ کبار پر مشتمل تھی۔ یہ اس برگزیدہ صحابی کے ہاتھوں اسلام کے صحیح اصولوں کے اجراء کو مصائب اور دین کی تباہی سے نجات سمجھتے تھے۔

مشہور تاریخ کی کتاب "تاریخ یعقوبی" کے مؤلف احمد بن ابی یعقوب نے اس کا زندہ ثبوت فراہم کیا ہے۔ وہ تیسری صدی ہجری میں اپنی تاریخ میں نقل کرتا ہے کہ جنگِ بدر میں شریک صحابیوں میں سے ستّر معرکۂ صفین میں شریک ہوئے۔ بیعتِ رضوان کے شرکا ساتؔ سو اور دوسرے تمام مہاجرین و انصار سے چارؔ سو افراد لشکر امیرالمومنین ؑ میں شامل ہوئے اور دادِ شجاعت دی۔ اس کے برخلاف امیر شام کے ساتھ صرف دو صحابی نعمان بن بشیر اور مسلمہ بن مخلد تھے[۱]

محمدؔ بن ابی حذیفہ نے امیر معاویہؓ سے کہا: "تلومونني على حبي عليا خرج مع علي كل صوام وقوام مهاجري وانصاري ـــ مجھے حبِ علیؑ پر ملامت کرتے ہو حالانکہ ان کے ساتھ وہ انصار و مہاجرین بھی شامل ہیں، جو رات محرابِ عبادت میں اور دن حالتِ روزہ میں بسر کرتے تھے۔ جبکہ تمہارے ساتھی منافق اور منافقین کی اولاد ہیں۔"

غلط نظام کی اصلاح کے خواہش مند اس خلافت کے پشت پناہ تھے۔ اور اپنی خواہشات کی تکمیل انھیں جناب علی مرتضیٰؑ کے اقتدار میں ہوتی نظر آتی تھی ان لوگوں میں اسلام کے برگزیدہ فرزند مالک اشتر، محمدؔ بن ابی بکر، حکیم بن جبلہ، عبدالرحمٰن بن عدیس وغیرہ اصحابِ بیعتِ رضوان سے اور عمرو بن جموح اور مروان بن احمد وغیرہ نام قابلِ ذکر ہیں۔

دوسری طرف [redacted] لوگ موجود تھے جو ہمہ وقت حکومت کو ناکام بنانے کی کوششوں میں مصروف تھے۔

۱؎ منتہی الامال ج ۱ ص ۱۵۹

اگرچہ امام عالی مقام کی حکومت ان دو مضبوط ستونوں پر استوار تھی لیکن پھر بھی اجتماعی عدل کا قیام اور گوناں گوں مسائل کا حل کوئی آسان بات نہ تھی۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے کیے جانے والے اقدامات بنی امیہ، بڑے بڑے قبائل اور جاہ پسندوں کے مفاد میں نہ تھے۔ وہ ایک مدت سے محنت کش اور محروم طبقے کا خون چوسنے کے عادی ہو چکے تھے اور گزشتہ پچیس سال میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ، حق پرستی اور زہد و تقویٰ کو بطور کلی فراموش کر چکے تھے۔ وسیع پیمانے پر عدل و انصاف کے قیام کے لیے معاشرے کو ان لوگوں کے شر اور زیادتیوں سے پاک کرنا ضروری تھا۔ فتنہ و فساد برپا کرنے والے مخالفین کھلم کھلا اور درپردہ سازشیں کرتے رہے تاکہ اس خلافت کا تختہ الٹ دیا جائے۔

طلحہ اور زبیر نے جب نئی حکومت کے رویّے کو گزشتہ حکومت سے مختلف پایا تو سب کے سامنے واضح طور پر بیعت کرنے کے باوجود انھوں نے بیعت کو توڑ دیا۔ اور مخالفت پر کمربستہ ہو کر فتنہ و فساد کرنے والے مٹھی بھر لوگوں کی قیادت سنبھال لی۔ انھوں نے مکہ میں اپنا لائحہ عمل تیار کیا اور اُمّ المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعاون حاصل کرلیا۔ ان دونوں بزرگوں کے لیے اُمّ المومنینؓ کا اثر و نفوذ بہت اہمیت رکھتا تھا کیونکہ وہ عوام کو دکھانا چاہتے تھے کہ وہ ذاتی طور پر حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لیے میدان میں آگئی ہیں۔ چنانچہ اس طرح انھوں نے بہت سے فوائد حاصل کیے۔

جنگ کے پہلے مرحلے ہی میں یہ دونوں بزرگ لقمۂ اجل بن گئے[1]۔ حضرت عائشہ رضی ایک آہنی ہودج میں بیٹھ کر میدانِ جنگ میں آئیں اور پوری طاقت سے سپاہ بصرہ کو امیرالمومنینؑ اور ان کے ساتھیوں کے قتل پر اکساتی رہیں۔ لیکن اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کرسکیں۔ اور لشکر مدینہ کے گھیرے میں آنے کے بعد انھیں لوگوں کی نگرانی و حفاظت میں باعزت طریقے سے واپس مدینہ بھیج دیا گیا۔

---

[1] طلحہ جنگ جمل کے دوران اور زبیر جنگ سے واپس آتے ہوئے مارے گئے۔

حضرت علی علیہ السلام اور جناب عائشہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ کی حضرت علیؑ کے ساتھ پرخاش ایک نفسیاتی امر تھا۔ وہ زوجۂ رسولؐ ہونے کے باوجود نعمتِ اولاد سے محروم تھیں جبکہ علی دخترِ رسولؐ جناب فاطمہؑ کے بطن سے متعدد اولادیں رکھتے تھے۔ دوسری طرف حضرت علی نے واقعہ اِفک میں حضرت عائشہ کو طلاق دینے کا مشورہ اس شرط پر دیا تھا کہ ان کی کنیز بریرہ سے صحیح صورتِ حال معلوم کی جائے[1]

اس کے علاوہ حضور اکرمؐ اپنی بیٹی جناب فاطمہؑ اور داماد حضرت علیؑ اور ان کے صاحبزادوں حسنین شریفین کا بے حد احترام کرتے تھے اور ان کو دوسروں پر مقدم گردانتے تھے۔ آیتِ تطہیر بھی ان کی شان میں نازل ہوئی تھی۔ اس قسم کے تمام امور اس پرخاش کو اور بڑھاتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی نے جنگ جمل کے خاتمے پر گفتگو فرماتے ہوئے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:

اس خاتون کو نسوانی کم اندیشی نے ہماری عداوت اور کینہ میں مبتلا کر دیا ہے۔ ان کا سینہ دیگِ آہن گر کی طرح ہمارے بغض میں کھول رہا ہے۔ انھوں نے میرے ساتھ جو رویّہ اختیار کیا وہ کسی دوسرے کے خلاف نہیں کر سکتی تھیں۔ چاہے انھیں اس کے لیے کتنا ہی کہا جاتا۔ اس کے باوجود میں اُن کا پہلے کی طرح ہی احترام کرتا ہوں۔ انھوں نے جو کچھ میرے ساتھ کیا اس پر باز پرس خدا کرے گا[2]

---

[1] مجمع البیان ج ۷ ص ۱۳۰ تفسیر آیت اِفک، اسباب النزول واحدی صفحہ ۱۸۳
[2] نہج البلاغۃ عبدہ خطبہ ۱۵۴

Marfat.com

مکہ سے مدینہ واپس آتے ہوئے جب حضرت عائشہ کو خبر ملی کہ حضرت علی کو خلیفہ بنا لیا گیا ہے تو آزردہ دل ہو کر انہوں نے کہا:

"میرے نزدیک یہ زیادہ پسندیدہ تھا کہ آسمان پھٹ پڑتا اور زمین اندر کو دھنس جاتی، لیکن علی کو مسلمانوں کا خلیفہ نہ بنایا جاتا، پھر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ مجھے واپس لے چلو! پس تمام لوگ واپس مکہ کی طرف روانہ ہو گئے[1]۔"

جنگ جمل کے خاتمہ پر جب حضرت علی نے حالات پر قابو پایا تو حضرت عائشہ کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کو دوسرے تیس افراد اور بیس پرہیزگار و پاکدامن عورتوں کو حضرت عائشہؓ کی حفاظت و نگہداشت پر مامور کر کے مدینے روانہ کر دیا۔

رواج کے مطابق ان خواتین نے مردانہ لباس پہنے اور تلواریں بھی آویزاں کیں۔ حضرت عائشہ رضہ کی دیکھ بھال ان کو اونٹ سے اتارنا اور سوار کرانا وغیرہ خدمات تمام راستے ان کے ذمے تھیں۔ جب انہیں مدینہ پہنچا دیا گیا تو ان سے پوچھا گیا:

"علیؑ نے تمہارے ساتھ کیسا سلوک کیا؟"

کہنے لگیں: "سفر بخیر و خوبی آرام سے طے ہو گیا۔ خدا کی قسم! علی نے غیر معمولی عظمت و بزرگی کا ثبوت دیا ہے لیکن مجھے مردوں کے ساتھ مدینہ بھیجا ہے۔"

تب عورتوں نے اپنی پہچان انہیں کروائی۔ اس پر حضرت عائشہ سجدہ ریز ہو گئیں اور کہا: "اے علی تمہاری عظمت و بزرگی میں اضافہ ہو اور مراتب بلند ہوں، کاش میں تمہارے خلاف بغاوت نہ کرتی[2]۔"

قرآن پاک امہات المومنین کے بارے میں کہتا ہے: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیت الاولی[3] ـــــ (اے ازواج رسولؐ) تم اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت

[1] علی و دو فرزندش صفحہ ۲۷ طہٰ حسین

[2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۱۴ یہ واقعہ ابن قتیبہ، ابن ابی الحدید اور یعقوبی کے علاوہ اوروں نے بھی لکھا ہے۔

[3] سورۂ احزاب آیت ۳۳

Marfat.com

کی طرح اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو۔"

ازواج نبیؐ کے بارے میں یہ حکم شاید اس لیے تھا کہ دنیا پرست اور مفسد اُن کے مرتبے و مقام سے غلط و ناجائز مقاصد حاصل نہ کر سکیں وہ اپنے گھروں میں مقیم رہیں امت سے اپنا اور حضور پاکؐ کا احترام کروائیں اور حقیقتاً امت کی مائیں بن کر دکھائیں۔

حضرت عائشہ نے ان احکامات سے آگاہی کے باوجود بھی ان کو پس پشت ڈال دیا اور مسلمانوں کے عادل و منصف امام کے خلاف بغاوت برپا کر دی۔ اس کے باوجود بھی امامؑ نے جو رویہ اختیار کیا وہ عزت و احترام پر مبنی تھا اور وہ شہادت امیرالمومنین علیہ السلام تک مدینے میں سکون سے آبرومندانہ زندگی گزارتی رہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ کی شہادت کی خبر مدینے پہنچی تو اس کو سُن کر سجدہ ریز ہوئیں اور جب سجدے سے سر اٹھایا تو کہا:

فالقت عصاها واستقرت بها النوی[1]

کما قرعیناً بالایاب المسافر

یعنی اس نے اپنی چھڑی کو ڈال دیا اور اس کے ساتھ انتظار میں کھڑا ہو گیا۔ یہاں تک کہ مسافر نے واپس آکر اس کی آنکھوں کو روشن کر دیا۔ کچھ دیر تامل کرنے کے بعد کہا:

کس نے انھیں شہید کیا؟

بتایا گیا کہ قبیلۂ مراد کے ایک شخص نے۔

پھر اپنے دل کی تسلی کے لیے کہا:

فان یک نائیا فلقد نعاه غلام لیس فی فیه التراب

اگرچہ جہاں یہ واقع رونما ہوا میں وہاں سے دور ہوں لیکن جو بھی خبر لایا ہے اس کا دہن خاک آلودہ نہ ہو۔ اس پر ام سلمہ کی بیٹی زینب نے معترضانہ انداز میں کہا: آپ علیؑ کے بارے میں اس طرح کہتی ہیں تو گویا ہوئیں میں کسی وقت لاشعوری طور پر بغیر سوچے سمجھے ہی ایسی باتیں کہ جاتی ہوں۔ جب میں ایسا کیا کروں تو یاد دہانی کروا دیا کرو۔[1]

[1] حاشیہ دیکھیے اگلے صفحہ پر

Marfat.com

طٰہٰ حسین اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں یوں لگتا ہے جیسے عائشہ رضؓ یہ کہنا چاہتی تھیں کہ علیؑ کو سکون نصیب ہو گیا اور ان کی شہادت سے دوسروں کو بھی سکون مل گیا۔ اس میں شک نہیں کہ علی علیہ السلام شہادت کے بعد دنیا کی مشکلات و مصائب سے رہائی پا گئے۔ لیکن یہ امر مشکوک ہے کہ ان کی شہادت سے دوسرے بھی آسودہ حال ہو گئے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ان کی شہادت سے کسی کو بھی آسائش میسر نہیں آئی[1]

وقت گزرتا گیا اور جب شہادت حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بعد بنی ہاشم نے ان کو روضۂ رسولِ اکرمؐ میں دفن کرنے کی خواہش ظاہر کی تو حضرت عائشہ رضؓ نے اس سے منع کر دیا اور کامل بہائی کے بقول اس وقت کہا: "میرے دشمن کے فرزند کو میرے گھر سے باہر ہی رکھو"[2] حضرت عائشہ رضؓ جب تک بقید حیات تھیں حسنین علیہما السلام سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا کرتی تھیں۔ اگرچہ ابن عباس رضؓ نے کہا تھا کہ حسنینؑ تمہارے لیے محرم نہیں اور وہ تمہارے گھر آنے کا حق رکھتے ہیں[3]

بلند پایہ محقق مرتضیٰ العسکری اپنی کتاب "احادیث عائشہؓ" میں اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ عائشہ رضؓ بخوبی جانتی تھیں کہ حسنین شریفین محرم ہیں لیکن چہرہ ڈھانپنے سے ان کا اور ہی مقصد تھا۔[4]

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضؓ اپنے ان غیر شایاں اعمال سے جناب علیؑ اور ان کے خاندان کے ساتھ پرخاش کا اظہار کرتی تھیں۔ وقت گزرنے اور علیؑ کی جواں مردی و شجاعت

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) [1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۱۹۸۔ مقاتل الطالبین صفحہ ۴۲ طبع مصر۔ تاریخ کامل میں اس شعر میں "غلام" کی بجائے "فتی" اور تذکرہ سبط میں "ناشیا" کی بجائے "ہالکا" درج ہے۔

[1] علی و دو فرزندش ص ۱۸۴

[2] کامل بہائی ۲ ص ۲۹۹۔ جناب عائشہ کی اس ممانعت کو فریقین کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

[3] احادیث عائشہ۔ تالیف مرتضیٰ العسکری قسم اول ص ۲۰۴ بہ نقل از طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۸۲

[4] احادیث عائشہ تالیف مرتضیٰ العسکری

Marfat.com

سے اس میں کوئی فرق نہ آیا اور یہ کیفیت یونہی باقی رہی۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں امام عالیمقام جنگ جمل سے غالب اور فاتح کی حیثیت سے واپس لوٹے۔ عبداللہ ابن عباس کو بصرہ میں چھوڑا اور خود کوفہ آ گئے۔ اسلامی دارالخلافہ کوفہ میں منتقل کر دیا گیا، حضرت نے کچھ وقت کوفے میں آرام کیا اور اس مدت میں امیر شام کے ساتھ پُرامن طریقے سے مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہے۔ لیکن جب کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو مجبوراً اس کے خلاف کارروائی کا ارادہ کرنا پڑا اور لشکر کے ہمراہ شام کی طرف روانہ ہو گئے۔

امیر معاویہ (یعنی) نے مدتوں سے اپنا دفاع کر رکھا تھا اس نے اہل شام کی سادہ لوحی سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا اس نے لوگوں کو یہ تاثر دیا کہ وہ خونِ عثمان رضہ کا قصاص لینا چاہتا ہے۔ یہ بہانہ سب سے بڑا تاریخی حیلہ تھا، جو اس نے استعمال کیا۔ اس بہانے سے اور سونے چاندی کی تھیلیوں کی بخشش سے جو ہر دور میں لوگوں کو ساتھ ملانے کا مؤثر ترین ذریعہ رہا ہے۔ تمام اہل شام کو مسلمانوں کے منتخب کردہ خلیفہ کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر رکھا تھا۔ چنانچہ اُن کو میدان میں لایا گیا اور چالیس دن تک صفین میں خوں ریز اور خوفناک جنگ جاری رہی اور وسیع پیمانے پر قتل و غارت کا سبب بنی۔

اس معرکہ میں امیر شام شکست سے بہت قریب ہو گیا اور بنی امیہ کا جادو ہمیشہ کے لیے ٹوٹنے والا تھا، اہل شام تند و تیز ہوا کی زد میں آنے والے تنکوں کی مانند تھے کہ معاویہ کے دست راست عمرو بن عاص نے (؟) انتہائی چالاکی سے قرآن پاک کے صفحات کو میدانِ جنگ میں نیزوں پر بلند کر دیا اور کہا:

"دونوں فریق کس لیے ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں آؤ ہم کتاب خدا سے اپنا فیصلہ کروا لیتے ہیں۔"

اس چال سے لشکر امیر المومنینؑ میں جنگ جاری رکھنے یا اسے ختم کر دینے کے بارے

Marfat.com

میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اہلِ کوفہ میں اشعث بن قیس منافق جس کے بارے میں قوی گمان ہے کہ وہ عمرو بن عاص کی اس سازش میں شریک تھا، سب سے پہلے جنگ سے دست کش ہوا۔

امام عالی مقام نے اشعث کے ساتھیوں کو ابن عاص اور حاکم شام معاویہ کی اس چال سے آگاہ کرنے کی بہت کوشش کی اور انھیں سمجھایا کہ یہ سب کچھ شکست سے بچنے کے لیے کیا گیا ہے ان لوگوں میں قرآن کو سمجھنے کی صلاحیت تک نہیں۔ یہ سب دھوکہ بازی ہے۔ وہ قرآن کے احکام کا کوئی احترام نہیں کرتے۔ آپ نے جس قدر بھی سمجھایا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اگرچہ امیرالمومنین کے بہت سے سپاہی اہل شام کی اس تجویز سے متفق نہ تھے۔ لیکن صورت حال یہ ہوئی کہ اہلِ کوفہ دو گروہوں میں بٹ گئے اور یوں حضرت علیؑ کے لیے جنگ جاری رکھنا ناممکن ہو گیا۔

بالآخر بہت سی بحث وتمحیص کے بعد جنگ کی آگ سرد ہوئی اور اہل شام قطعی شکست سے بچ گئے۔ معاملہ دو افراد کے بطور حکم متعین ہونے پر ختم ہوا۔ یعنی ابو موسیٰ اشعری کو اہل کوفہ اور عمرو عاص کو اہل شام کا حکم بنایا گیا[1]۔ اور دونوں لشکر کوفہ و شام کو واپس لوٹ گئے۔

کچھ عرصہ بعد دومۃ الجندل[2] میں عمرو بن عاص نے ابو موسےٰ سے طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے خلافت معاویہ کا اعلان کر دیا اور یوں امیر شام اور عمرو کی چالاکی اور جھوٹ کا پردہ چاک ہو گیا۔ اہل کوفہ اب اس حقیقت سے واقف ہوئے۔ لیکن وقت گزر چکا تھا اور شرمندگی و ندامت کا کوئی فائدہ نہ تھا۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں کہ امامؑ نے دومۃ الجندل کی تمام کارروائی ملاحظہ فرمانے کے بعد کہا:

---

[1] ابو موسیٰ اشعری جو اہل کوفہ کی طرف سے حکم تھے وہ ایک کم عقل بزرگ تھے۔ حضرت علیؑ نے اس کے ساتھ کس طرح نباہ کیا۔ یہ ایک طویل داستان ہے۔

[2] نجد کے شمال مغربی علاقے میں ایک مقام ہے جو تحکیم کے لیے مقرر ہوا تھا۔ بعضوں نے (اذرح) کا نام بھی لکھا ہے۔

"میں نے تو ان دونوں (عمرو عاص اور ابو موسیٰ) اور اس ثالثی کے بارے میں تم لوگوں پر حقیقت حال واضح کر دی تھی لیکن تم نے میری بات نہ مانی — تمھارے ساتھ میری مثال ایسے ہی ہے جیسے قبیلہ ہوازن کا آدمی کہتا ہے:

میں نے فلاں مقام پر اپنے اصول بیان کر دیے لیکن تم نے میری نصیحت کا نتیجہ اگلے دن بوقت نہار پا لیا۔"[1]

جنگِ صفین کے خاتمے اور ثالثی کے اس ڈھونگ کے بعد خوارج کے فتنے نے سر اُٹھایا اور امیر المومنین کی مشکلات میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔ آپ نے اس فتنے کو گفت و شنید اور قتال کے ذریعے کافی حد تک ختم کر دیا۔ اس کے بعد دوبارہ شام کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے سپہ سالاروں کا تقرر فرمایا اور آپ کی فوج چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ کر دریائے فرات کے کنارے کنارے شہر سے باہر نکلی اور آپ کی کوفے سے تشریف آوری کا انتظار کرنے لگی۔

اسی دوران میں سن چالیس ہجری کا آغاز ہو گیا اور یہ پیکر عدل و انصاف دنیا کے بدترین وشقی ترین انسان کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرما کر بے پایاں ابدی سکون اور عافیت سے ہم کنار ہو گئے۔ اور دنیا کو دنیا پرستوں کے لیے چھوڑ گئے۔

یہ تمام خوں ریزیاں، قتل و غارت، ملت اسلامیہ کے باہمی اختلافات اور کشمکش و آویزش تمام کی تمام اس طبقاتی تفریق و آویزش کا نتیجہ تھی۔ جو خلافت دوئم میں پیدا ہوئی تھیں۔ امت مسلمہ جس افسوسناک صورتِ حال سے دوچار ہوئی وہ اس کی انتہائی بدبختی تھی۔ اگر حضرت عمرؓ اپنی حکومت کی ابتدا ہی سے تقویٰ و جد و جہد کو برتری کا معیار قرار دیتے اگر وہ اور حضرت ابوبکرؓ حکومتِ شام کو معاویہ کی جاگیر نہ بنا دیتے اور مسلمانوں کو اس ملوکیت کے شر سے بچا لیتے اور پھر اگر عبدالرحمٰن بن عوف کو جسے خود "فرعونِ امت" کہا کرتے تھے،

---

[1] علی و دو فرزندش صفحہ ۱۱۱

حق تبلیغ نہ دیتے اور مجلس شوریٰ کو اس طرح ترتیب نہ دیتے کہ حضرت عثمانؓ کی خلافت یقینی ہو جاتی اور ان تمام باتوں کے نتیجے میں حضرت علی کی گوشہ نشینی وقوع پذیر نہ ہو جاتی جو عالم اسلام کے لیے زبردست نقصان تھا۔ تو آج دُنیا اور عالم اسلام کی کیفیت اور حالت بالکل مختلف ہوتی اور امت کا دامن اختلافات سے پاک ہوتا۔

پچیس سال کے بعد جب مسلمانوں نے خلافت کو مولائے کائنات علی عا کی تحویل میں دیا تو وہ جاں بلب اور نیم جاں تھی۔ اور حضرت علی کی تمام تر قوت، صلاحیتیں ان کی جفاکشی و محنت سب کی سب ملّت اسلامیہ کے داخلی خلفشار کو دور کرنے میں صرف ہو گئیں۔ محقق معاصر حسن صدر کے بقول " یہ حضرت علیؑ کی بے مثال شخصیت کا کمال تھا کہ انھوں نے خلافت کے نیم جان اور جاں بلب پیکر کو پانچ سال تک زندہ رکھا[1]۔ ورنہ متجمل و موروثی شہنشاہیت جس کی داغ بیل امیر معاویہ نے ڈالی تھی، شہادت عثمانؓ کے بعد فوراً ہی خلافت کی جگہ لے لیتی۔

صلح امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام

امیرالمؤمنین حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد مسلمانوں نے آپ کے فرزند اکبر حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دست مُبارک پر بیعت کرلی۔ شام و مصر کی حکومتوں کے علاوہ تمام اسلامی ریاستوں نے آپ کی حاکمیت اعلیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ یہ حکومت جو سلسلۂ خلافت اسلامی کی آخری کڑی تھی۔ چھ ماہ سے زیادہ قائم نہ رہ سکی اور بنی اُمیّہ کی مضبوط و مستحکم حکومت نے اس کی جگہ لے لی۔

---

[1] مرد نامتناہی صفحہ ۱۰۷، طبع چہارم

Marfat.com

امام حسنؑ کے معاویہ کے ساتھ معاہدہ صلح پر راضی ہو جانے کے اسباب کا ادراک اور یہ اندازہ لگانا کہ اس دور میں جنگ جاری رکھنا ایک بیکار اور بے سود کام تھا۔ بہت آسان ہے۔
حضرت علیؑ کی شہادت کے وقت اسلامی معاشرہ تین گروہوں میں منقسم تھا۔ پہلا گروہ بنی امیہ کے طرف داروں کا تھا۔ ان کا دعویٰ تھا کہ مسند خلافت پر بنی امیہ کا حق ہے اور ان میں سے اس وقت معاویہ اس منصب کے لیے سب سے زیادہ مناسب و بہتر آدمی ہے۔ اس گروہ میں اہلِ شام اہلِ مصر کے علاوہ بہت سے دوسرے علاقوں کے رہنے والے بھی شامل تھے۔ امیر شام کی زیر قیادت یہ گروہ، مال و دولت دنیاوی آسائشوں اور اپنے افکار کی تبلیغ کے وسائل سے ہر ممکنہ حد تک بہرہ ور تھا۔ یہ لوگ اپنے مقاصد کے حصول کی سعی میں شرعی احکام یا انسانیت کے اصولوں کی پروا نہ کرتے تھے اور ان کو بلا خوف و خطر پامال کر دیتے تھے۔

دوسرا گروہ خوارج کا تھا۔ یہ اپنے سوا ہر شخص اور ہر گروہ کے دشمن تھے۔ خوارج کے سوا دوسروں کا خون بہانا حلال اور باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔ وہ تعصب، تنگ نظری اور انسان دشمنی کا شکار تھے۔ انھیں کسی دلیل سے قائل بھی نہ کیا جا سکتا تھا۔ ناسور کی طرح ان کی جڑیں تمام معاشرے میں پھیلی ہوئی تھیں۔ صاحبان علم و دانش پر ان کی فتنہ پردازی اور شر پسندی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔

very good Point

تیسرا گروہ شیعوں کا تھا جس میں عراق، حجاز اور یمن کے اکثر لوگ شامل تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ حضور ختمی مرتبت کے واضح ارشاد کے مطابق خلافت حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کے لیے مخصوص ہے۔ نہج البلاغہ کے خطبات اور قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ [redacted] ابتری کا شکار تھے۔ جہاد میں شمولیت سے لیت و لعل سے کام لیتے تھے۔ یہاں تک کہ حضرت علی ان کے رویے سے تنگ آکر اس دنیائے فانی سے رخصت کر جانے کی آرزو کیا کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ اپنے افراد خاندانؑ کے ساتھ بلکہ خود تن تنہا ہی امیر شام معاویہ سے نبرد آزما ہو جائیں۔[1]

---

[1] علی و دو فرزندش، ص، [redacted]

Marfat.com

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان حالات میں جب کہ اہل کوفہ کا تعاون بھی حاصل نہ تھا۔ معاویہ کے ساتھ جنگ جاری رکھنا بے مقصد خونریزی کے سوا کچھ نہ تھا۔ ان حوصلہ شکن، اور مایوس کن حالات میں بھی امام حسنؑ نے درستی احوال کی بہت کوشش کی لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔

اگرچہ حضور اکرمؐ نے اپنے دور کے مسلمانوں کی تربیت اس طرح کی تھی کہ انھوں نے نفسانی خواہشات پر تقویٰ و پرہیزگاری سے غلبہ پالیا تھا۔ دورِ جہالت کے بیہودہ فخر و مباہات کی جگہ زہد و پاکیزگی اور انسان دوستی نے لے لی تھی۔ لیکن ایک طویل عرصے تک جنابِ علیؑ کی گوشہ نشینی، طبقاتی کشمکش، اسلامی معاشرے میں جگہ پا جانے والے گوناں گوں اختلافات اور عیوب معاشرہ، ملّتِ اسلامیہ کے مقدر پر بنی اُمیّہ جیسے فاجر و فاسق اور فتنہ پرور لوگوں کے اختیار نے مسلمانوں کو دنیاداری، جاہ پسندی اور آن بان سکھادی تھی۔ اور تعلیماتِ اسلامی سے دور کر دیا تھا اس کے علاوہ خلافتِ سوم میں امورِ خلافت میں بنی اُمیّہ کے بڑھتے ہوئے اثر و نفوذ نے آرام طلبی، عیش کوشی اور شان و شوکت سے زندگی گزارنے کو اس طرح رواج دیا کہ لوگ اس کے دلدادہ ہو گئے۔ اور دینی تعلیم و تربیت کے راستے مسدود ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کا دورِ خلافت پھر خلافت جناب علیؑ کا زمانہ جس کا اختتام آپ کی شہادت پر ہوا، کا بغور اور مفصل مطالعہ کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت اسلامی خلافت قریب المرگ تھی۔ عوام الناس کی توجہ بنی امیہ کی زرخیز، مضبوط اور پرشکوہ حکومت کی طرف لگی ہوئی تھی۔ دین کی اساس پر اُستوار ہونے والی حکومت انھیں عجیب اور بیگانہ معلوم ہوتی تھی۔ انھیں دینی حکومت کی طرف متوجہ کرنے اور اس کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے ضروری تھا کہ وہ کئی سال تک بنی امیہ کے مظالم کا مزہ چکھتے رہیں اور ان کے انسانیت سے گرے ہوئے اعمال کو دیکھتے رہیں۔

اس وقت کے غیر موافق ماحول اور حالات نے امام حسن علیہ السلام کو معاویہ کے ساتھ مصالحت پر مجبور کر دیا اور آپ کا یہ فیصلہ نہایت دانشمندانہ اور بالغ نظری کا ثبوت تھا۔

پچیس سال سے عالمِ اسلام جس انتشار کا شکار تھا اس کے نتیجے میں رائے عامہ نے اساسِ دین پر قائم ہونے والی حکومت کا ساتھ نہ دیا۔ اور یہی تکلیف دہ صورتِ حال حکومتِ شام کی ترقی واستحکام اور امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالب اور امام حسن علیہما السلام کی سیاسی ناکامی کا باعث بنی۔

اسلام کے جمہوری نظام
کی جگہ مطلق العنانیت کا فروغ

صلح امام حسن علیہ السلام کے بعد معاویہ نے تمام اسلامی سلطنت کا اقتدار سنبھال لیا۔ عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن ابیہ جیسے زر اندوز اور دنیا پرستوں کو جاہ و منصب اور دولت کا لالچ دے کر اپنے ارد گرد جمع کر لیا۔ بہت سے آزاد منش حریت پسندوں اور اصلاح احوال امت کے خواہش مندوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور متعدد کو جیلوں میں ٹھونس دیا گیا۔ بنی اُمیہ کو عوام کا استحصال کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا۔ اور انھیں وہ سب کچھ کرنے اور کہنے کی اجازت دے دی گئی جو وہ چاہتے تھے۔ یوں لوگوں کی قسمت ان کے ہاتھوں میں دے دی گئی۔ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ سراسر تبدیل ہو گیا۔ اور نتیجتاً ایک ظالم اور مطلق العنان حکومت وجود میں آ گئی۔ پورے بیس سال تک معاویہ نے یہی ظالمانہ طور طریقے اختیار کیے رکھے اور ان کے لیے انتہائی چالاکی سے راہ ہموار کی پھر اپنے ذرائع ابلاغ کو انھیں جائز و پسندیدہ قرار دینے کے لیے استعمال کیا۔

دورِ معاویہ میں دو انتہائی خطرناک امور پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے جن کی داغ بیل اس کے پیشرو ڈال چکے تھے۔ ان سے اسلامی معاشرہ زوال پذیر ہو گیا۔ اور انھی کی وجہ سے امام حسینؑ

اعلائے کلمۂ حق کے لیے کارزارِ کربلا میں تشریف لے گئے۔ ان میں سے ایک امر یہ تھا کہ

Marfat.com

اہلِ بیت پیغمبر علیہم السّلام جو دین کے مددگار اور قرآن پاک کے محافظ اور اس کا نفسِ مضمون تھے، اوراقِ دین سے کلی طور پر حذف کر دیے گئے۔ اور دوسرا امر یہ تھا جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کو کلی طور پر بدل کر مطلق العنان اور ظالمانہ و جابرانہ طرزِ حکومت بنا دیا گیا۔ اب ان دونوں امور کا مفصل جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اہلِ بیتِ رسولؐ علیہم السّلام

کو اسلام سے محو کر دیا گیا

اہلِ بیتِ اطہار کو نظر انداز کرنے اور ان کی قدر و منزلت گھٹانے کی مہم کا آغاز حضرت ابوبکرؓ کے زمانے سے ہو چکا تھا۔ مسلمانوں کے دلوں میں ان کے لیے جو بے پناہ عزت و احترام تھا، اس کو آہستہ آہستہ کم کر دیا گیا۔ خلفاء کی یہ ہمیشہ کوشش رہی کہ حضرت علیؑ اور ان کے اہلِ خاندان کو امورِ خلافت سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ ان کی بجائے ان منافقین کو امورِ خلافت میں مشیر بنایا گیا، اہم عہدے دیے گئے جو ماضی میں رسولِ اکرمؐ سے اسلام اور قرآن کو مٹانے کے لیے برسرِ پیکار رہے تھے اور اب اسلام کے روز افزوں اثر و نفوذ کے خوف سے مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کے متعلق وضعی حدیثوں کو رواج دیا گیا جیسے: "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے، نجات پاؤ گے۔" حضور پاکؐ سے اس قسم کی حدیثوں کو نسبت دے کر یہ فائدہ حاصل کیا گیا کہ معاویہ اور اس قبیل کے دوسرے لوگوں کا احترام لوگوں کے دلوں میں بڑھتا گیا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ جنگ صفین میں کئی نامور مسلمان بھی اس وہم کا شکار ہو گئے کہ علیؑ حق پر ہیں یا معاویہ۔

نصر بن مزاحم کتاب صفین میں لکھتے ہیں کہ میدان صفین میں عبداللہ بن مسعود کے

چار سو ساتھی جن میں ربیع بن خثیم بھی شامل تھا، جناب امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: اگرچہ ہم آپ کی فضیلت و برتری اور مقام و منزلت سے آگاہ ہیں۔ لیکن اس جنگ میں آپ کے حق پر ہونے کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں ہمیں کسی سرحد پر بھیج دیجئے۔ یہ واقعہ اس طرح بھی منقول ہے کہ عبداللہ بن مسعود کے ساتھیوں کا ایک گروہ خدمت جناب امیرالمومنین میں حاضر ہوا اور کہا: ہم آپ کے ساتھ چلیں گے لیکن آپ کے لشکر میں شامل نہیں ہوں گے بلکہ علیحدہ پڑاؤ ڈالیں گے۔ اور دیکھیں گے کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے؟ پھر جس کو بھی راہِ خدا و رسولؐ سے دور پائیں گے اس سے جنگ کریں گے[1]

خزیمہ بن ثابت انصاری جو آنحضورؐ سے "صاحب دو شہادت" کا لقب پا چکے تھے، جنگِ صفین کے موقع پر موجود تھے لیکن جنگ میں حصہ نہ لے رہے تھے۔ کیونکہ معاویہ کے حق و باطل پر ہونے کے بارے میں شک میں پڑ گئے تھے۔ جب اہل شام نے جناب عمارؓ یاسر کو شہید کیا تو خزیمہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا: "میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے سنا تھا کہ عمارؓ ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔" یعنی اب ثابت ہو گیا کہ معاویہؓ اور اس کے ساتھی گمراہ اور اہل باطل ہیں۔ پھر اپنے خیمے میں گئے اور غسل سے فارغ ہو کر میدانِ جنگ میں آ گئے اور قتال کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرما گئے۔

اسماء بن حکم فزاری سے روایت ہے کہ ہم جنگِ صفین میں حضرت عمارؓ یاسر کے پرچم تلے جمع تھے۔ دوپہر کے وقت ایک سُرخ سائبان کے نیچے سستا رہے تھے کہ اچانک ایک شخص کو صفیں چیرتے ہوئے اپنی طرف آتا دیکھا۔ اس نے قریب آ کر پوچھا کہ تم میں سے عمارؓ یاسر کون ہے؟ عمار نے اپنا تعارف کروایا تو کہا: مجھے کچھ کہنا ہے سب کے سامنے کہوں یا علیحدگی میں؟ انھوں نے کہا جیسے تمہاری مرضی ہو! وہ بولا سب کے سامنے ہی بہتر ہے اور کہنے لگا کہ جب گھر سے روانہ ہوا تھا تو اپنے برحق ہونے اور اہل شام کی گمراہی میں مجھے کوئی شک نہ تھا، لیکن کل رات تک میں نے یہی دیکھا کہ دونوں

---

[1] کتاب صفین، ص ۱۰۲ طبع ایران۔

طرف سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے، فریقین ایک ہی طرح نماز پڑھتے ہیں۔ ایک ہی انداز میں دعا کرتے ہیں۔ ہماری کتاب اور رسولؐ ایک ہیں۔ ان حالات سے میں شک میں مبتلا ہوں اور رات اس قدر تذبذب و اضطراب میں گزاری ہے کہ خدا ہی جانتا ہے۔

صبح جب امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہوا اور تمام ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ کیا تم عمار یاسرؓ سے ملے ہو۔ میں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس سے ملو اور جو کچھ کہے غور سے سنو۔ میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کچھ فرمائیں۔ جناب عمارؓ نے کہا: کیا تم اس سیاہ پرچم والے کو جانتے ہو جو ہم سے برسرِ جنگ ہے۔ یہ عمرو بن عاص کا پرچم ہے۔ میں عمار یاسرؓ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ اس پرچم کے حامل لشکر سے تین مرتبہ جنگ کر چکا ہوں یہ چوتھی بار ہے کہ اس طاغوتی لشکر سے برسرِ پیکار ہوں اور صورت حال پہلے سے بھی بدتر ہے۔ تم نے یا تمھارے والد نے بدر، اُحد یا حنین میں سے کسی جنگ میں شرکت کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں! تب جناب عمارؓ نے کہا: جان لو کہ ہمارے پرچم کا مقام آج بھی وہی ہے جو رسولِ خدا کے زمانے میں بدر، اُحد اور حنین میں تھا اور ان کا پرچم آج اس جگہ پر ہے جہاں مشرکین کا ہوا کرتا تھا۔ کیا تم اس شامی لشکر کو دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم! میرے لیے یہ بہت پسندیدہ ہے کہ ان سب کو جو معاویہ کے ساتھ ہم سے جنگ کرنے آئے ہیں ایک فرد واحد کی طرح ایک ہی وار سے ختم کر دوں۔ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی کہ ان کا خون ایک چڑیا کے خون سے بھی زیادہ حلال ہے۔

اس کے بعد جناب عمار یاسر نے فرمایا کہ اچھی طرح جان لو کہ یہ ہمارے خلاف تلواریں سنبھال کر اس لیے میدانِ جنگ میں نکل آئے ہیں تاکہ تم جیسے لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا کر دیں اور پھر تم کہو کہ اگر یہ گمراہ اور اہلِ باطل ہیں تو پھر ہم پر کیوں غلبہ پا گئے۔ لیکن بخدا! ان میں رتی بھر حقانیت بھی نہیں۔[1]

---

[1] کتاب صفین، صفحہ ۱۹۶-۱۹۷ طبع ایران۔

Marfat.com

یہ تمام واقعات دلالت کرتے ہیں کہ اہلِ بیت علیہم السلام کی قدر و منزلت اور ان کا مقام جو جزوِ ایمان رہا تھا، صفین کے موقع تک مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو چکا تھا۔ اور اس لیے ہی لوگ حضرت علیؑ کے برحق ہونے اور فریقِ مخالف کے اہلِ باطل ہونے کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا تھے۔

جیسے ہی معاہدہ صلح کے بعد معاویہ کو مملکتِ اسلامیہ پر مکمل تسلط حاصل ہوا تو اس نے اہلِ بیت علیہم السّلام کی مخالفت اور ان کے فضائل کو مٹانے کی جدوجہد کو اپنا معمول بنا لیا۔ اس سلسلے میں عمّال اور حکّام کو جو حکم نامہ بھیجا اسے ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے جو حسبِ ذیل ہے:

"اس شخص کو پناہ نہ دی جائے جو ابو ترابؑ اور ان کے افرادِ خاندان کے فضائل بیان کرے[۱]۔"

اس نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ اس دور کے خطیب ہر جگہ منبروں پر حضرت علیؑ کو بُرے الفاظ سے یاد کرتے اور ان سے بیزاری کا اظہار کرتے تھے۔ ان کے خاندان اور ان سے ناروا باتیں منسوب کرتے تھے۔ امیر شام نے جب زیاد بن ابیہ کو کوفہ اور بصرہ کا حاکم بنایا تو اس نے شیعانِ علی کو چُن چُن کر ٹھکانے لگایا[۲]۔ اس نے ان کے ہاتھ پیر کٹوائے، ان کی آنکھوں میں سلائی پھروائی اور انھیں تختۂ دار پر کھچوا دیا۔ غرض یہ ظالمانہ کارروائیاں اس طرح سے کی گئیں کہ کوئی بھی معروف ہستی باقی نہ رہی۔ امیرِ شام نے اپنے تمام عمّال کو یہ فرمان بھیجا کہ جس شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ علیؑ اور ان کے اہلِ بیت علیہم السّلام کا محب ہے تو کسی معاملے میں بھی اس کی گواہی قبول

---

[۱] شرح ابن ابی الحدید، خطبہ ۲۰۰

[۲] امیر معاویہ کے دور میں قتل ہونے والے شیعوں کی تعداد چالیس ہزار ہے۔ صرف عراق میں ہی دس ہزار شیعہ قتل کیے گئے۔ یہ تعداد بحار کی جلد فتن و محن کے مطابق ہے۔

Marfat.com

نہ کی جائے اور جو کوئی بھی علیؑ مرتضیٰ کی کوئی فضیلت بیان کرے اس کی فوراً تردید کی جائے۔

ایک اور شاہی فرمان میں امیرشام نے لکھا:

"انظروا الی من قامت البیّنۃ انّہ یحب علیّاً واھل بیتہ فامحوہ

من الدیوان واسقطوا عطائہ ورزقہ۔"[1]

یہ بات ہمیشہ مدنظر رکھو کہ جب ایک شخص کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ وہ شیعانِ علیؑ یا ان کی اولاد میں سے ہے تو فوراً دیوان میں سے اس کا نام کاٹ دیا جائے اور اس کو جو کچھ بطور بخشش اور وظیفہ دیا جاتا ہو، ختم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور حکم میں لکھا کہ جس کے بارے میں شک ہو کہ وہ محبان اہلِ بیت علیہم السّلام میں سے ہے تو اس کو شکنجے میں کس دو اور اس کا گھر بار لوٹ کر تباہ کر دو۔[2]

اس مستقل مہم کا یہ اثر ہوا کہ لوگ حضرت علیؑ کو ناشائستہ اور برے الفاظ سے یاد کرنے کو عبادت سمجھنے لگے اور حالت یہ تھی کہ اگر کسی دن اس فریضے کو بھول جاتے تو اس کی قضا واجب سمجھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کا سب سے بڑا مقصد علی اور ان کے مکتب فکر کو سرے سے ختم کرنا اور اسلام کے دامن کو ان سے خالی کرنا تھا تاکہ لوگ ان کو اسلام سے بالکل الگ سمجھیں۔ اس کے اِن مضرت رساں اور نقصان دہ اقدامات کے نتائج وسیع پیمانے پر ظاہر ہو گئے۔ چنانچہ علامہ سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "فرحۃ الغری" میں جو درج ذیل واقعہ بیان فرمایا ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ بنی اود کا ایک شخص حجاج بن یوسف کے پاس آیا یہ قبیلہ اپنی اولاد اور خادموں کو حضرت علیؑ پر تبرّا کرنے کی تعلیم دیتا تھا۔ حجّاج بن یوسف اس سے درشتی سے پیش آیا تو اس نے کہا: اے امیر مجھ سے سختی سے مت پیش آؤ۔ ہمارا قبیلہ تو کئی فضائل کا حامل ہے۔ حجاج کے استفسار پر اس نے کہا ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ

۱و۲۔ شرح ابن ابی الحدید، ج ۳، ص ۴۴، طبع بیروت۔

Marfat.com

اگر ہم کسی عورت سے شادی کرنا چاہیں تو اس سے پہلے یہ پوچھا جاتا ہے کہ وہ ابو تراب کو اچھے نام سے یاد تو نہیں کرتی اور ان کی محبت تو نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہو تو شادی نہیں ہو سکتی۔

حجاج نے کہا تم میں اور کیا خوبی ہے؟ وہ کہنے لگا: ہمارے قبیلہ میں کسی لڑکے کے نام کا جزو علی، حسن یا حسین (علیہم السلام) نہیں اور کسی لڑکی کا نام فاطمہ نہیں۔ جب حسین (علیہ السلام) وارد عراق ہوئے تو ہمارے قبیلہ کی ایک عورت نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدائے تعالیٰ حسینؑ کو قتل کر دے تو وہ بطور شکرانہ دس اونٹوں کی قربانی دے گی اور جب وہ شہید ہو گئے تو اس عورت نے اپنی منت بڑھا دی۔ اگر آپ ہمارے قبیلہ کے کسی فرد سے کہیں کہ علی (علیہ السّلام) سے بیزاری کا اظہار کرو تو کہے گا کہ نہ صرف علی (علیہ السّلام) بلکہ اس کی اولاد سے بھی بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔[1]

اگرچہ یہ واقعہ عبدالملک بن مروان کے زمانے کا ہے لیکن اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاویہ کی مذکورہ مہم کے اثرات کتنے دور رس اور وسیع تھے۔ اور اگر امام حسین علیہ السّلام ان کی راہ میں چٹان نہ بن جاتے اور اپنی اور اپنے اصحاب کی شہادتِ عظمیٰ سے بنی امیہ کو قیامت تک کے لیے روسیاہ نہ کر دیتے تو خدا ہی جانتا ہے کہ دینِ اسلام اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا کیا حشر ہوتا اور اسلام کی تاریخ سے اہل بیت علیہم السّلام کا نام بالکل مٹ جاتا۔

بقائے اسلام کیلیے دوسرا خطرہ

امیر معاویہ کے زمانے میں اسلامی حکومت ایک مطلق العنان استبدادی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔ اقتصادی نظام کلی طور پر تبدیل ہو گیا اور بقائے اسلام کے لیے یہ ایک

---

[1] فرحتہ الغری صفحہ ۱۳ و ۱۴، طبع نجف اشرف

Marfat.com

ایسا۔ بردست خطرہ تھا کہ امام حسین علیہ السلام نے حکومت معاویہ میں اس کے جاسوسوں کی موجودگی میں مکہ کی ایک محفل میں اس اندیشہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"مجھے ڈر ہے کہ معاویہ کے اقدامات سے دین اسلام فرسودہ اور بیکار ہو کر بالآخر سرے سے ختم ہو جائے گا"[1]

اس کی مزید تفصیل آگے آئے گی۔

اس دور حکومت میں ظالموں کی طاقت بڑھتی گئی اور مظلوموں کے لیے انصاف معدوم ہوتا گیا۔ عالم انسانیت کی آزادی کے پرستاروں اور متقی و پرہیزگاروں کا خون بے گناہ صرف حب علی اور انھیں برحق قرار دینے کے جرم میں انتہائی بیدردی سے بہا دیا گیا۔

امیر معاویہ نے شریعت اسلامی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زیاد بن سمیّہ کو اپنا بھائی بنا لیا اور دمشق میں بر سر منبر کہا کہ یہ میرے باپ ابوسفیان کا بیٹا ہے۔ اس پر یونس بن عبید اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: رسول خدا کا حکم ہے کہ بیٹے پر حق پدری کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جس کے عقد میں اس کی ماں ہو۔ زناں کاروں کا اولاد پر کوئی حق نہیں اور تو اس حکم کے برخلاف زنا کار کو اس کا باپ قرار دے رہا ہے۔ اس پر امیر معاویہ نے عالم غضب میں کہا: خدا کی قسم! اگر تم خاموش نہ ہوئے تو تمہارے خلاف سخت کارروائی کروں گا۔[2]

امیر معاویہ نے جناب امام حسنؑ کو خلافت سے دست کش ہونے کے باوجود بھی سکون سے زندگی نہ گزارنے دی اور بالآخر جعدہ بنت اشعث کے ذریعے ان کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔ حجر بن عدی، عمرو بن حمق، صیفی بن فیل جیسے پاکبازوں اور حق گوؤں کو تہ تیغ ستم کرا دیا اور اس طرح لوگوں کو آزادی سے محروم کر دیا گیا۔ درج ذیل واقعہ پر غور کرنے سے معاویہ کے وہ دلی احساسات معلوم ہوتے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔

---

[1] احتجاج طبرسی ص ۵۰۔ فصل احتجاجات امام حسین علیہ السلام۔

[2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱۔ مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۵۰۔ شرح ابن ابی الحدید ج۴ ص ۶۹۔

Marfat.com

مروج الذہب میں مسعودی نے مامون عباسی کے حالات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے کہ ۲۱۲ ہجری میں مامون عباسی نے یہ عام منادی کروائی کہ "اس شخص کو پناہ نہ دی جائے گی جو معاویہ کو اچھے الفاظ سے یاد کرے گا۔ اور اس کو کسی بھی صحابی سے افضل سمجھے گا۔" لوگ اس اعلان کے اسباب معلوم کرنے کے لیے باہم بحث ومباحثہ کرنے لگے۔ بالآخر معلوم ہوا کہ اس کا سبب مغیرہ بن شعبہ کے بیٹے مطرف کا بیان کردہ یہ واقعہ ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ میں اپنے والد مغیرہ بن شعبہ کے ہمراہ امیر معاویہ کا مہمان تھا وہ روزانہ ان کے دربار میں جاتے تھے اور واپسی پر معاویہ کی زیرکی ودانش مندی کی تعریف کرتے تھے۔

ایک رات خلافِ معمول وہ دربار سے غمگین وافسردہ واپس آئے تو مجھے تشویش ہوئی کہ شاید کوئی حادثہ پیش آگیا ہے۔ افسردگی کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: بیٹے! میں زمانے کے بدترین اور ناپاک ترین انسان کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے عرض کیا۔ کیوں کیا وجہ ہوئی؟ کہنے لگے: میں نے تنہائی میں معاویہ سے کہا کہ اب جبکہ تو نے ہماری مدد سے اپنے مقاصد کو پالیا ہے اپنی عمر کے آخری حصے میں عدل وانصاف سے کام لینا تمھارے لیے بہتر ہے۔ بنی ہاشم کے ساتھ اب اس قدر درشت اور ظالمانہ رویہ ترک کردو۔ آخر وہ تمھارے قرابت دار ہیں۔ خدا کی قسم! اب ان میں اتنی طاقت نہیں رہی جو تمھارے لیے خطرہ کا باعث ہو۔ جانتے ہو، معاویہ نے میرے جواب میں کیا کہا؟ بولا: افسوس صد افسوس اے مغیرہ! غور سے میری بات سنو، جب حضرت ابوبکرؓ خلافت پر فائز ہوئے اور انھوں نے عدل کو بھی اختیار کیا۔ لیکن انھیں کیا حاصل ہوا۔ یہی نا کہ وہ مرگئے اور ان کا نام بھی مٹ گیا۔ کبھی کوئی ان کا نام لے کر یاد کرلے تو کرلے، ورنہ کچھ نہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ تخت خلافت پر دس سال تک متمکن رہے پھر اسی طرح حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہوا جو اپنے نسب کے اعتبار سے بے مثال تھے۔ دونوں کے ناموں کے علاوہ اور کچھ باقی نہیں۔ لیکن کیا تم نے سوچا کہ ہاشمی بھائی (جناب رسولِ

Marfat.com

خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام سے ہر روز پانچ دفعہ دنیائے اسلام میں منادی کی جاتی ہے اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً رَّسُوْلُ اللہ کہا جاتا ہے۔ اے فرزندِ بے مادر مغیرہ جب ان تینوں خلفا کے بعد بھی محمدؐ (مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا نام زندہ ہے تو کسی اور کا کون سا عمل یاد رہ جائے گا۔ سوائے اس کے کہ یہ نام بھی صفحۂ ہستی سے مٹ کر پیوندِ خاک ہو جائے۔" فای عمل یبقیٰ مع ھٰذا الا ام لک واللہ الا دفنا دفنا۔"

جب مامون الرشید عباسی نے یہ واقعہ سنا تو اس نے منادی کو حکم دیا کہ وہ پہلے اعلان کے ساتھ یہ حکم بھی سنا دے کہ منبروں پر سے معاویہ پر لعنت کی جائے[1]

اس سارے واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ امیر معاویہ اور آلِ ابوسفیان اسلام اور بقائے اسمِ احمدؐ مختار سے کس قدر خصومت رکھتے تھے۔ اگر امام حسین علیہ السلام اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہ کرتے، اسیرانِ اہلِ بیت کی اسیری اور ان کے مؤثر ترین خطبات، بنی امیہؔ کو ذلیل و رسوا نہ کرتے اور ان کو دنیا کے سامنے بے نقاب نہ کر دیتے اور یوں بنی امیہؔ کے خلاف آئندہ تحریکوں کی قیادت نہ کرتے تو خدا ہی جانتا ہے دین اسلام کی کیا حالت ہوتی؟

یزید کی بالجبر بیعت

پیکرِ اسلام پر امیر معاویہ کی آخری اور مؤثر ترین ضرب یزید کی بالجبر بیعت تھی۔ اس نے اپنے ذلیل اور نالائق بیٹے یزید کو خلیفہ بنانے کے لیے مسلمانوں سے زبردستی بیعت لی اور خلافت کو اپنی خاندانی ملکیت بنایا۔ وہ واقف تھا کہ اس کے بعد مسلمان یزید کی بیعت نہ کریں گے۔ دوسری طرف اس کی زبردست خواہش تھی کہ اس کا بیٹا یزید

---

[1] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۳۴۱ طبع مصر سال ۱۳۴۶۔ قرمانی نے اخبار الدول میں اس منادی کو نقل کیا ہے، مگر اس کا سبب نہیں لکھا۔

Marfat.com

اس کی جگہ پر قابض ہو۔ چنانچہ اس نے اپنی زندگی ختم ہونے سے قبل ہی اس کے لیے بیعت لینا شروع کردی اور دشواریاں دور کرنے کے لیے امام حسن بن علی علیہما السلام اور سعد بن ابی وقاص کو زہر دلوا کر شہید کر دیا۔[۱]

عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید کو بھی اسی راہِ حق میں قربان کر دیا گیا۔[۲]

مغیرہ بن شعبہ نے اپنی گورنری قائم رکھنے کے لیے معاویہ کو مسلمانوں سے یزید کی بیعت لینے کا مشورہ دیا تو وہ اپنی دیرینہ آرزو کو پورا ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بولا: سبحان اللہ! یزید تمہارا بھتیجا ہے اور تم جیسے باعزم لوگ جب کسی کام کو شروع کرتے ہیں تو تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ برائے خدا کوفہ جاؤ اور اس کام کو پورا کرو۔ اس کے بعد حاکم بصرہ زیاد کو خط لکھا کہ مغیرہ بن شعبہ نے اہلِ کوفہ کو یزید کی بیعت کرنے کی دعوت دی ہے۔ تمہارے لیے مناسب ہے کہ تم بھی اپنے بھتیجے کے لیے اس کام کو انجام دو۔ جب میرا خط تمہیں ملے تو تم اہلِ بصرہ کو جمع کر کے ان سے یزید کے لیے بیعت لے لو۔

زیاد نے اپنے معتمد ساتھی کو امیر معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ اے امیر! یزید جو ہر وقت شراب کے نشے میں دُھت رہتا ہے جسے کتّے اور بندر پالنے کے علاوہ اور کچھ کام نہیں، زرق برق لباس پہن کر تمام دن ناچ گانے میں مصروف رہتا ہے۔ اگر ہم اس کے لیے لوگوں سے بیعت کا مطالبہ کریں گے تو حسین بن علی (علیہما السّلام) عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمر جیسے لوگوں کی موجودگی میں وہ ہمیں کیا جواب دیں گے۔ آپ یزید سے کہیں کہ سال دو سال کے لیے وہ ان بزرگواروں کے طور طریقے اختیار کرے تاکہ ہم آپ کے بعد لوگوں کو اس کی بیعت پر راضی کر سکیں۔

امیر معاویہ نے جب یہ بات سنی تو بہت برہم ہوا۔ اس نے زور سے چیخ کر کہا: مجھ

۱؎ مقاتل الطالبین صفحہ ۲۹

۲؎ الغدیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۳

Marfat.com

پرتُف ہو کر میں نے عبید کے بیٹے سے اس قسم کی بات سُنی ہے۔ غالباً اسے لوگوں نے کہا ہے کہ میرے بعد خلافت اس کو مل جائے گی تو خدا کی قسم! میں اسے اپنا بھائی نہیں بناتا اور اس کے نسب کو اس کی ماں سُمیّہ اور باپ عبید کی طرف لوٹا دوں گا۔

مال و دولت جو ہر زمانے کا سب سے بڑا اور موثر جادو ہے اور مخالفت کو ختم کر دیتا ہے اس سے کام لیتے ہوئے عبداللہ بن عمر رضا کو حق السکوت کے طور پر ایک لاکھ درہم کی خطیر رقم بھیج دی گئی جو انہوں نے وصول کر لی، لیکن اس کے باوجود بھی انھوں نے یزید کی بیعت کی مخالفت کی[1]

امیر معاویہ نے ابتدا میں مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں میں بیعت لینے کا کام مکمل کر لیا تو مدینہ کی اہمیت کے پیشِ نظر مروان بن حکم کو اہلِ مدینہ سے یزید کے لیے بیعت لینے کا حکم دے دیا۔ مروان نے وہاں جا کر جب لوگوں سے یہ مطالبہ کیا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ عبدالرحمٰن بن ابوبکر نے کہا: مروان تم غلط کہتے ہو، معاویہ بھی غلطی و گمراہی پر ہے۔ تم امت محمدیؐ کے بہی خواہ نہیں۔ اس لیے ہی تم خلافت کو رُوم کی شہنشاہی کی طرح موروثی بنانا چاہتے ہو کہ ایک بادشاہ کے بعد دوسرا بادشاہ تخت نشین ہو جائے۔ امام حسین علیہ السّلام اور عبداللہ بن زبیر نے بھی اس کی مخالفت کی[2]

اس کے بعد معاویہ حج کے ارادے سے شام سے روانہ ہوا اور مدینہ آیا حضرت امام حسین علیہ السّلام، عبداللہ بن زبیرؓ، عبداللہ بن عمرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابوبکرؓ سے سختی سے پیش آیا اور ان پر غیض و غضب کا اظہار کیا۔ اس کے بعد اس نے لوگوں کو مسجد نبوی میں جمع کیا اور یزید کی قابلیت ولیاقت کے گُن گائے اور کہا: تمام مسلمانوں نے تمھارے سوا یزید کی بیعت کر لی ہے۔ مدینہ کی اہمیت کے پیشِ نظر اس کو اب تک نظر انداز کر دیا تھا۔ اب تم سب یزید کی بیعت کر لو۔ امام حسینؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور امیر معاویہ کی بات کاٹتے ہوئے فرمایا: خدا کی قسم اس شخص کو نظر انداز

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰

[2] عقد الفرید جلد ۲ صفحہ ۲۱۵

Marfat.com

کر رہے ہو جو بذاتِ خود یزید سے بدرجہا بہتر ہے اور جس کے ماں باپ یزید کے ماں باپ سے کہیں برتر ہیں۔ اس پر معاویہ نے کہا: یہ سب کچھ تم اپنے بارے میں کہہ رہے ہو نا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! وہ بولا! تم نے یہ درست کہا ہے کہ تمھاری ماں فاطمہؑ بنتِ رسولؐ خدا یزید کی ماں سے بہتر تھیں اور ان کی شاندار اور پاک و پاکیزہ زندگی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خدا کی قسم! یزید کی ماں سے تمھاری ماں فاطمہؑ بنتِ رسولؐ خدا بدرجہا بہتر ہیں لیکن تمھارا یہ کہنا کہ تمھارا باپ یزید کے باپ سے بہتر ہے درست نہیں کیونکہ خدا نے تمھارے باپ پر مجھے برتری دی ہے۔

امام حسین علیہ السّلام نے فرمایا: تم بھول گئے ہو کہ تم نے اس ناپائیدار اور جلد ختم ہونے والی دنیا کو ہمیشہ باقی رہنے والی دنیا پر ترجیح دی ہے اور لذائذ دنیا کو اُخروی آسائشوں پر مقدم جانا ہے۔ اس کے بعد معاویہ بولا! تم کہتے ہو کہ تم یزید سے بہتر ہو تو خدا کی قسم! اُمّتِ مسلمہ کے لیے یزید تم سے بہت بہتر اور مناسب ہے۔ حسینؑ نے ارشاد فرمایا: یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔ کیا عیش پسند، آوارہ منش اور بے حد شراب پینے والا یزید مجھ سے بہتر ہو سکتا ہے؟ یہ تمام گفتگو معاویہ نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ مسلمانانِ مدینہ کے سامنے کی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے نزدیک حق یا حقیقت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اس گفتگو کے بعد بھی اس نے یزید کی بیعت کے سلسلے میں اپنی بات جاری رکھی۔[1]

معاویہ نے کچھ دن مدینے میں قیام کیا۔ اور یزید کی بیعت لینے کے لیے ابتدائی انتظامات مکمل کر لیے۔ جب اس نے دیکھا کہ مذکورہ بالا چار افراد کسی صورت بھی بیعت کرنے پر تیار نہیں ہوتے تو اس نے اور ترکیب سوچی کہ ایک جگہ ان سب کو اور لوگوں کے ہمراہ جمع کیا۔ اور ہر ایک پر دو مسلح سپاہی مامور کر دیے اور ان سے کہا کہ اگر ان

---

[1] الامامۃ والسیاست جلد ا صفحہ ۱۸۰

Marfat.com

کے منہ سے میری تصدیق یا تکذیب میں کوئی بھی حرف نکلے تو تم ان کا سر گردن سے جدا کر دینا۔ اس کے بعد منبر پر چڑھ بیٹھا اور کہا کہ قوم کی یہ مقتدر ہستیاں بھی یزید کی بیعت پر راضی ہیں۔ لہٰذا تم سب بھی بیعت کر لو۔ چنانچہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ اور اس کا مقصد پورا ہو گیا۔[1]

انسان کے رُوپ میں حیوان

تمام مؤرخین اس پر متفق ہیں کہ یزید ہرگز حکومت و سلطنت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے قابل نہ تھا۔ اس کی زندگی عیش و عشرت اور میخواری میں گزرتی تھی۔ اس کی رات شراب کی مستی میں اور دن حالتِ خمار میں گزرتا تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد مے و معشوق کے سوا کچھ نہ تھا۔ طٰہٰ حسین لکھتے ہیں: "وہ کبھی لہو و لعب اور فسق و فجور سے نہ اکتاتا تھا۔"[2]

علی بن حسین مسعودی نے مروج الذہب میں یہ واقعہ نقل کیا ہے: یزید عیش و عشرت کا دلدادہ اور ہوا و ہوس کا شکار تھا۔ وہ کتّے، بندر اور چیتے پالتا، ان سے لطف اندوز ہوتا اور محافلِ عیش و طرب آراستہ کرتا تھا۔ چنانچہ شہادت امام حسین علیہ السّلام سے صرف ایک دن قبل یزید اپنی محفلِ شراب نوشی میں ابن زیاد کے ہمراہ بیٹھا ہوا ساقی سے کہہ رہا تھا ؎

اسقنی شربة تروی مشاشی ثم صل فاسق مثلها بن زیاد
صاحب السر والامانة عندی ولتسدید مغنمی وجهادی

اے ساقی! مجھے وہ جام شراب پلا جو میری نرم ہڈیوں کو سیراب کر دے۔ اس کی لذت ہڈیوں تک پہنچے۔ پھر ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام پیش کر کیونکہ وہ میرا ہمراز و ہم نشین ہے۔ میری خلافت کی بنیادیں اس نے استوار کی ہیں۔ میرا جہاد بھی اس کے دم سے ہے۔

---

[1] الامامة والسیاسة ج ۱ ص ۱۹۰۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۵۲ کامل میں نقل کیا گیا کہ یہ کام مکہ میں ہوا ہے۔
[2] علی و دو فرزندش صفحہ ۲۶۲

اس کے بعد رقاصاؤں کو رقص و سرود شروع کرنے کا حکم دیا۔ یزید کی عیاشیاں آہستہ آہستہ اس کے عمّال اور اس کے دربار کے ہر کہ دمہ میں بھی سرایت کر گئیں اور وہ بھی ان اعمالِ بد کے عادی ہو گئے۔ پھر یہ مرض اور بڑھا اور اس نے امت مسلمہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور لوگ دین سے بے پروائی برتنے لگے۔ چنانچہ اس زمانے میں مکے و مدینے جیسے مراکز اسلامی میں بھی رقص و سرود گانا بجانا اور شراب خوری جیسی برائیاں پھیل گئیں۔ لوگوں نے ظاہرہ اور پوشیدہ دونوں طرح سے شراب پینا شروع کر دی۔ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے عیوب بھی لوگوں میں پیدا ہو گئے۔ یزید نے ابو قیس نامی ایک بندر پال رکھا تھا جو دربار میں بھی اس کے ساتھ ایک مسند پر بیٹھا کرتا تھا۔ یہ ایک انتہائی مکروہ و غلیظ بندر تھا۔ اس بندر کو ایک گدھی پر سوار کیا جاتا جس پر زین کسی ہوتی تھی اور اس کی لگام بندر کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ یوں یہ گھوڑ دوڑ میں حصہ لیتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے یہ دوڑ جیت بھی لی۔ اس وقت اس نے رنگین ریشمی ٹوپی اور حریر کا لباس پہن رکھا تھا۔ یزید امت مسلمہ کا فرعون تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اپنی امت کے لیے فرعون اس سے زیادہ بہتر انسان اور منصف حکمران تھا۔[۱]

یزید کے بارے میں صاحب مروج الذہب کی رائے درج ہو چکی۔ مقام غور ہے کہ معاویہ نے ملتِ اسلامیہ کو یزید جیسا حکمران دیا جو کسی طرح بھی اس منصب کا اہل نہ تھا۔ لیکن معاویہ اس کو انتہائی ڈھٹائی سے خلافت کے لیے مناسب ترین شخص کہتا تھا جیسا کہ اس نے امام حسین علیہ السلام کو مسجد نبوی میں کہا کہ خدا کی قسم! یزید خلافت کے لیے تم سے زیادہ مناسب و بہتر ہے۔

یعقوبی لکھتا ہے: جب عبداللہ بن عمر سے یزید کی بیعت کے لیے کہا گیا تو انھوں نے کہا: کیا ہم اس شخص کی بیعت کریں جسے کتوں اور بندروں سے کھیلنے اور فسق و فجور کے

---

[۱] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۹۴

Marfat.com

ارتکاب کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔ اس کی بیعت کا جواز ہم بارگاہِ خداوندی میں کیا پیش کریں گے[1]

معاویہ نے یزید کو رُوم کی فتح کے لیے سفیان بن عوف کی سرکردگی میں جانے والے لشکر کے ہمراہ اس خیال سے بھیجا تھا کہ اس طرح مجاہدین کی صف میں شمار ہو کر اسے کوئی مقام حاصل ہو جائے گا۔ جب یہ لشکر غذقذونہ پہنچا تو اہل لشکر بخار اور چیچک میں مبتلا ہو گئے۔ وہاں ایک کلیسا تھا جو کلیسائے مران کے نام سے معروف تھا۔ یزید اس میں اپنی بیوی ام کلثوم کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا تھا۔ جب اس کو یہ اطلاع دی گئی کہ لشکر پر یہ مصیبت آئی ہے تو عیش ونشاط سے کبھی نہ اکتانے والے اس انسان نے بڑی شانِ بے نیازی سے یہ اشعار پڑھے ؎

ما ان ابالی بما لاقت جموعهم ۔۔۔ بالغذقذونة من حمی ومن موم

اذا اتکأت علی الانماط فی غرف ۔۔۔ بدیر مران عندی ام کلثوم

یعنی مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں کہ غذقذونہ میں بخار اور چیچک کی وجہ سے لشکر پر کیا مصیبت آئی ہے۔ اس وقت میں کلیسائے مران میں تکیوں سے ٹیک لگائے بیٹھا ہوں اور ام کلثوم میرے پہلو میں ہے۔ اس اسیرِ شہوت کے یہ چند اشعار شراب کی تعریف میں ہیں جسے زندگی میں مے ومعشوق اور عیش وعشرت کے سوا اور کچھ درکار نہ تھا، کہتا ہے: ؎

شمسیة کرم برجها قعر دنها ۔۔۔ ومشرقها الساقی ومغربها فی

فان نزلت من دنها فی زجاجة ۔۔۔ حکت نفرًا بین الحطیم و زمزم

فان حرمت یومًا علی دین احمد ۔۔۔ فخذها علی دین المسیح بن مریمؑ

---

[1] تتمۃ المنتہیٰ جلد ا صفحہ ۴۵۔ دوسرا شعر آقائے غفاری کی کتاب "بررسی وقایع عاشورا" کے مقدمے سے نقل کیا گیا ہے۔ [2] تاریخ یعقوبی ج ۲، ص ۱۹۵

اس نے شراب کو خورشید سے تشبیہ دیتے ہوئے کہا کہ میرا آفتاب انگور سے بنا ہے اس کا مشرق ساقی کا ہاتھ ہے اور اس کا مغرب میرا منہ ہے۔ جب جام میں انڈیلی جاتی ہے تو قلقل بلبا اور سطح شراب پر تیرتے ہوئے بلبلے ان حاجیوں کی یاد دلاتے ہیں جو دیوارِ کعبہ اور چاہِ زمزم کے درمیان تیزی سے اِدھر اُدھر آتے ہیں۔ اگر یہ شراب دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حرام کر دی گئی ہے تو دین عیسیٰ کی رو سے اسے تیار کر اور اس سے لطف اندوز ہو۔

یزید اپنے میخوار ساتھیوں کو مے نوشی کی ترغیب دلانے کے لیے کہتا ہے : ۵

معشر الندمان قوموا واسمعوا صوت الاغانی

واشربو کاس مدام واترکوا ذکر المعانی

شغلتنی نغمۃ العیدان عن صوت الاذان،

وتعوضت عن الحور عجوزاً فی الدنان[1]

اے ہم جلیسو اٹھو اور اربابِ نغمہ کے کیف آور نغمات سے لطفِ سماعت اٹھاؤ، کام و دہن کو مے ناب کے پے در پے جاموں سے لذت بخشو، دقیق علمی بحثوں کو ختم کر دو۔ ان سازوں سے جو دلفریب نغمات نکلتے ہیں وہ مجھے صدائے اللہ اکبر سے غافل کر دیتے ہیں میں تلچھٹ کے موتیوں کو حورانِ بہشت کا نعم البدل سمجھتا ہوں۔ قلبِ انسان کو متلاطم کرنیوالے یہ نغمات و موسیقی، یہ دل لبھانے والا رقص اور ان مہوش رقاصاؤں کے متناسب بدن خواہشات نفسانی کو مہمیز کرتے ہیں۔ مجھے نہ حورانِ جنت کی ضرورت ہے نہ کسی اور چیز کی، میرے لیے تو اس سرخ شراب کے پیالے ہی کافی ہیں۔

ابن اثیر رقم طراز ہے کہ "حاکم مدینہ نے اہلِ مدینہ میں سے چند لوگوں کو دربارِ یزید میں بھیجا۔ یزید بہت گرمجوشی سے پیش آیا۔ اور ان لوگوں کو خطیر رقوم عطا کیں۔ اس کے

---

[1] تذکرہ سبط ابن جوزی، صفحہ ۱۶۴، باب ۹۔

Marfat.com

باوجود بھی واپس آنے کے بعد انھوں نے اس کی عیب جوئی شروع کر دی اور کہنے لگے ! ہم اس شخص کے پاس سے ہو کر آئے ہیں جس کا کوئی دین نہیں ہے۔ اسے رقص و سرود اور شراب نوشی سے سروکار ہے۔ وہ کتّے پالنے کا عادی ہے چور اُچکے اس کے ہاں صاحبِ عزّت ہیں۔ لوگو! جان لو کہ ہم نے اسے خلافت سے خارج کر دیا ہے[1]۔

سیّدالشّہدا علیہ السّلام کی شہادت کے بعد جب اہلِ مدینہ نے یزید کے خلاف شورش کر دی اور حاکم مدینہ کو شہر سے نکال دیا، تو ان کے قائد عبداللہ بن حنظلہ نے کہا: خدا کی قسم! ہم یزید کے خلاف بغاوت نہ کرتے اگر ہم یہ محسوس نہ کرتے کہ ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش ہو گی۔ کیونکہ یزید وہ شخص ہے کہ جس کی دستبرد سے اس کی ماں، بہن اور بیٹی بھی محفوظ نہیں۔ وہ ہمیشہ شراب کے نشے میں دُھت رہتا ہے اور اس نے اولاد پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے جرم وخطا تہ تیغ کیا ہے[2]۔ اگلے صفحات میں ان کفر آمیز اشعار کا جائزہ پیش کیا جائے گا جو یزید نے اسیرانِ اہلِ بیت علیہم السّلام کے شام میں داخل ہونے کے موقع پر پڑھے تھے۔ یہ اس انسان نما حیوان کا اصل رُوپ ہے جسے زبردستی مسلمانوں پر حاکم بنا کر مسلط کر دیا گیا۔ جس کے ناپاک وجود میں تمام خباثتیں مجتمع تھیں۔ شیطان مردود اس کے آستانے پر اظہارِ عقیدت کرتا تھا اور وہ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین اور عالم اسلام کا مالک و حاکم بنا بیٹھا تھا۔ یہ ذلیل ترین انسان جس کے اعصاب کثرتِ شراب نوشی سے مفلوج ہو چکے تھے۔ عظیم ترین شریعت اسلامی کو نظر حقارت سے دیکھتا تھا اور اس کی تعلیمات کا مذاق اڑاتا تھا۔

اگر ان حالات میں امام حسین علیہ السّلام خاموشی اختیار کر لیتے یا یزید کی بیعت کر کے اس کے معاونِ کار بن جاتے تو اسلام نیست و نابود ہو جاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

---

[1] کامل جلد ۴، صفحہ ۴۷

[2] تذکرہ سبط صفحہ ۱۶۳ باب [illegible]

وسلم کی برداشت کردہ تمام تر تکالیف ومصائب کا یہ ثمرہ برباد ہو جاتا۔

امام عالی مقام علیہ السلام کی شہادت عظمیٰ نے تاریخ کے دھارے کو کس طرح موڑا اور بنو امیہ کا حساب کتاب اسلام سے کیسے یکسر جدا کر دیا۔ اس کا بخوبی اندازہ اس وقت ہوگا جب ہم آئندہ ابواب میں امام حسین علیہ السلام کے تاریخی مشن کے نتائج پر بحث کریں گے۔

اب تک ہم حضرت عمرؓ کے دور سے لے کر یزید کے مطالبۂ بیعت تک رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ ہو چکے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے ان حالات سے نمٹنے کے لیے کیا اقدامات کیے۔

معاویہ کے دورِ حکومت میں امام حسینؑ کا موقف

امام حسین علیہ السلام کے حالات پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معاویہ کے زمانے میں آپ ہمیشہ اولاد ابو سفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف اقدام کرنے پر غور و فکر فرماتے رہے۔ آپ اس کے خلاف شریعت کے کاموں پر برابر تنقید فرمایا کرتے تھے۔ لیکن اپنے برادر بزرگ جناب امام حسن علیہ السلام کے معاہدہ صلح اور معاویہ کے وجود کو وہ عملی اقدام کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے اور اس کے لیے مناسب موقع کی تلاش میں تھے۔ یہ تینوں حقائق چونکہ مستقل اور طویل بحث کے متقاضی ہیں۔ اس لیے اگلے صفحات میں زیر بحث مطالب میں بھی یہ اہم موضوع ہوں گے۔ ابن قتیبہ نے اپنی کتاب "الامامۃ والسیاسۃ" میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

"معاویہ کے ساتھ امام حسن علیہ السلام کی صلح کے موقع پر شیعہ عمائدین میں سلیمان بن صرد کوفے میں موجود نہ تھے۔ واپسی پر انھیں معاہدۂ صلح کا علم ہوا اس وقت تک امام حسن علیہ السلام اہل حرم کے ساتھ مدینے منتقل ہو چکے تھے

Marfat.com

چنانچہ سلیمان بھی مدینے روانہ ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر امام علیہ السّلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ سے درخواست کی کہ اس معاہدے کو توڑ دیا جائے اور معاویہ کے ساتھ جنگ کی تیاری نئے سرے سے کی جائے۔ لیکن امام عالیمقام نے اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا: "جب تک معاویہ بقیدِ حیات ہے یہ کام قرینِ مصلحت نہیں۔" ان سے مایوس ہو کر وہ امام حسین علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہی بات ان کی خدمت میں عرض کی۔ امام علیہ السّلام نے جواب میں فرمایا: "لیکن کل رجال منکم حلسا من احلاس بیتہ مادام معاویۃ حیا فانہا بیعۃ کنت واللّٰہ لہا کارہا فان ہلک معاویۃ نظرنا ونظرتم ورأینا ورأیتم"[1]

"جب تک معاویہ زندہ ہے۔ خاموشی اختیار کرو اور کوئی اقدام نہ کرو۔ معاویہ کے ساتھ جو صلح ہوئی ہے خدا کی قسم! میں اس کو پسند نہیں کرتا۔ جب معاویہ کا انتقال ہو جائے گا تو ہم اور تم حالات کا جائزہ لے کر اپنے عزائم کی تکمیل کریں گے۔"

اس گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ معاویہ کے خلاف مسلح اقدام کو کسی طرح بھی مفید اور سود مند نہ سمجھتے تھے۔ پھر اس کے ساتھ ہونے والے معاہدہ صلح کو بھی ناپسند فرماتے تھے۔ ہمیں پہلے تو اس امر پر غور کرنا ہے کہ معاویہ کی زندگی میں اس کے خلاف کارروائی کیوں قرین مصلحت نہ تھی۔ پھر اس کا جائزہ لینا ہے کہ آپ نے اپنے بھائی کے ہاتھوں ہونے والے معاہدہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کیوں کیا؟

امیر شام کی زندگی میں کوئی قدم نہ اٹھانے کی ایک وجہ یہ تھی کہ حالات ابھی اس مقصد کے لیے سازگار نہ تھے۔ محبین اہل بیت علیہم السّلام کے سوا اکثریت خون حضرت عثمانؓ کی قصاص طلبی کو عین حق تصور کرتی تھی اور اس سے ناواقف تھی کہ معاویہ نے یہ ڈھونگ محض سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے رچا رکھا تھا۔ معاویہ کے پاس تبلیغ کے اتنے مضبوط اور وسیع

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۶۵۔

ذرائع تھے کہ اس نے اولاد علی علیہ السلام کو فتنہ و فساد اور ہنگامہ برپا کرنیوالے اور بنوامیہ خصوصاً اپنے آپ کو صلح پسند اور امن و آشتی کا دلدادہ مشہور کر رکھا تھا۔

صلح امام حسن علیہ السلام کا دوسرا سبب جو بیان ہو چکا ہے یہ تھا کہ لوگ اس ظالم اور مطلق العنان حکومت کے ظلم و ستم کا مزہ ایک عرصے تک چکھ لیں تاکہ امام حسین علیہ السلام جیسے طیب و طاہر اور عظیم انسان کا ساتھ دے سکیں اور ان کے مشن کی روشنی میں بنوامیہ کی اس ظالمانہ حکومت کے خلاف جدوجہد جاری رکھ سکیں۔

یہ ایک بین حقیقت ہے کہ معاویہ کے زمانے میں حالات معرکۂ کربلا جیسے معرکے کے لیے سازگار نہ تھے۔ چنانچہ ایک محقق کی رائے ہے کہ اگر امام حسین علیہ السلام امام حسن علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو وہ بھی معاویہ سے صلح کر لیتے اور اگر امام حسن علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کی جگہ ہوتے تو یقیناً وہ بھی کربلا میں یزیدیت کے خلاف اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جانیں نثار کر دیتے[1]۔

اگر امام حسین علیہ السلام دور معاویہ میں ہی اپنے مشن کا آغاز کر دیتے تو معاویہ اپنی عیّارانہ تدبیروں سے انھیں شہید کروا سکتا تھا اور پھر ان کے خون ناحق پر پردہ بھی ڈال سکتا تھا۔

امام دیکھ رہے تھے کہ حالات آہستہ آہستہ ان کے مشن کی کامیابی کے لیے سازگار ہو رہے ہیں۔ بنوامیہ کو اقتدار حاصل ہوا اور حالات ان کے لیے سازگار ہوتے گئے۔ انھیں عوام کی آزادی سلب کرنے، انھیں ذہنی کرب میں مبتلا کرنے، بیت المال کو اپنے لیے خرچ کرنے اور حکومت کو اپنی موروثی سلطنت بنانے کے مواقع ملتے تھے۔ عوام کی اکثریت نے اس حکومت باطلہ کے مظالم کا مزہ چکھا تو انھوں نے دل میں بنوامیہ کی اس ظالم حکومت اور ان ستمگر دشمنان انسانیت کو نیست و نابود کرنے کا ارادہ کر لیا۔ بہت سے لوگ دل ہی دل میں ناجائز طریقے سے قائم ہونے والی اس حکومت کے زوال اور خاتمے کی آرزو کرتے تھے۔ یوں

---

[1] سید ہبۃ اللہ شہرستانی نے مجلّہ "نور دانش" میں اس خیال کا اظہار فرمایا ہے۔

Marfat.com

معرکۂ حق و باطل کے لیے زمین ہموار ہوتی گئی۔ اور دورِ یزید تک حالات مکمل طور پر اس کے لیے استوار ہو گئے۔ اور انھوں نے کربلا کے خونیں معرکے کو جنم دیا۔ اور اس نے اولادِ ابوسفیان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔

معاویہ کو سنگِ راہ قرار دینے کی ایک وجہ امام حسن علیہ السّلام اور معاویہ کے درمیان طے پانے والا معاہدہ صلح بھی تھا۔ اور امام حسین علیہ السلام نے اپنے برادرِ بزرگ کی پیروی فرماتے ہوئے وقت کی مصلحتوں کو پیشِ نظر رکھ کر اس سے اتفاق کیا تھا۔ اگرچہ امام عالی مقام اس سے خوش نہ تھے۔ لیکن اسے قابلِ احترام سمجھتے تھے[1]۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری کے شیعہ عالم جید شیخ مفید علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

> "جب امام حسن علیہ السلام نے دارِ فانی سے کوچ کیا تو شیعانِ عراق معاویہ کے خلاف تحریک چلانے کی فکر کرنے لگے۔ اور انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو خط لکھا کہ ہم معاویہ کو خلافت سے خارج سمجھتے ہیں اور آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کرنا چاہتے ہیں۔ امام عالیمقام نے اس سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا: کہ میرے اور معاویہ کے درمیان معاہدہ طے پا چکا ہے اور اس کی مدت ختم ہونے سے قبل اس کی خلاف ورزی جائز نہیں۔ جب معاویہ کا انتقال ہو جائے گا تو پھر ہم اس سلسلے میں اپنا پروگرام مرتب کریں گے"[2]

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ خداوند عالم کے مقرب خاص بندے ہمیشہ انسانیت کے اصولوں کا احترام کرتے ہیں اور انسانی عقل و شعور کے تقاضوں کے ہمیشہ پابند ہوتے ہیں۔ ان کی

---

[1] آپ کا معاہدہ صلح سے اختلاف کس سبب سے تھا، اس پر آئندہ بحث ہوگی۔
[2] ارشاد مفید صفحہ ۱۸۲، اعلام الوریٰ صفحہ ۲۲۰

Marfat.com

شخصیتیں اوصافِ حمیدہ، اخلاقِ پسندیدہ اور تمام انسانی صفات کا مرقع ہوتی ہیں۔ خلاف انسانیت اصولوں اور اخلاقِ ناپسندیدہ کو ان کے ہاں کوئی عمل دخل حاصل نہیں ہوتا۔ مثلاً پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ عادت تھی کہ اگر وہ رات کو دشمن کے پڑاؤ پر پہنچتے تھے تو اس پر حملہ نہ کرتے تھے۔ آپ کا حکم تھا کہ صبح تک دشمن پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس شخص پر حملہ کرنا آپ کی عالی صفات اور اعلیٰ عادات میں شامل نہ تھا جو اپنے دفاع سے غافل محو استراحت ہو[1]۔ معاویہ نے جنگ صفین میں لشکر امیر المومنین علیہ السلام پر پانی بند کر دیا اگرچہ عمرو بن عاص نے اس غیر انسانی حرکت سے منع کیا تھا لیکن وہ اسے ایک طرح کی فتح سمجھتا تھا۔ آپ کے ساتھیوں نے معمولی سی جنگ کے بعد ہی پانی پر قبضہ کر لیا۔ معاویہ اس صورت حال سے سخت پریشان ہوا، کیونکہ ممکن تھا حضرت علی علیہ السلام بھی اپنے غلبے اور فتح کے اظہار کے طور پر لشکر شام کا پانی بند کر دیتے۔ عمرو بن عاص جو عرب قوم کا عیار و چالاک ترین فرد تھا اور جس نے صفین میں ثالثی کا ڈھونگ رچایا تھا اور جو حضرت علی علیہ السّلام کو اچھی طرح جانتا تھا اس نے معاویہ کو تسلی دی اور کہا: حضرت علی علیہ السّلام تمہارے ساتھ وہ رویہ اختیار نہ کریں گے جو تو نے ان کے ساتھ روا رکھا ہے[2]۔

عمرو بن عاص کی یہ پیشگوئی درست ثابت ہوئی۔ امام عالی مقام کے ساتھیوں نے گزارش کی کہ پانی کے معاملے میں جواباً وہی رویہ اختیار کیا جاوے لیکن معراج انسانیت پر فائز اس انسانِ کامل نے ان کے جواب میں جو کلمہ ارشاد فرمایا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے: لا لست امنع عنھم ماءً احلہ اللہ علیھم[3] — میں اس پانی کو ان پر ہرگز بند نہیں کر سکتا جو خدا نے ان کے لیے حلال کیا ہے۔

---

[1] جنایات تاریخ جلد ۱ صفحہ ۸

[2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

[3] نہضۃ الحسین تالیف شہرستانی صفحہ ۱۰۷۔

Marfat.com

اسی طرح صفین کے خوفناک و خونیں معرکے میں جب عمرو بن عاص حضرت علی علیہ السلام کا مقابلہ کرتا ہوا زمین پر گر گیا اور اُسے یہ معلوم ہوا کہ اس کے مدمقابل فاتح خیبر ہیں تو وہ انتہائی خوف زدہ ہوا اور اس نے اپنی جان بچانے کی واحد صورت یہی دیکھی کہ اوندھا لیٹ جائے اور اپنے ستر کو عُریاں کر دے تاکہ حضرت علیؑ اپنی مبارک آنکھوں کو ڈھانپ لیں اور وہ اس سے فائدہ اٹھا کر بھاگ جائے۔ چنانچہ اس نے یہی کیا اور جان بچا لی[۱]۔ کیونکہ مولائے کائنات علیہ السلام نے اس کو جب اس بدترین حالت بیچارگی میں دیکھا تو اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔ مؤلف کے خیال میں جو انسان اس بدترین اور شرمناک طریقے سے جو انسانوں کا قاعدہ نہیں، اپنی جان بچاتا ہو تو اسے قتل کرنا بہادری اور جرأت کے شایانِ شان نہیں۔

خدا کے برگزیدہ بندوں کی یہ چند صفات کا تذکرہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امام حسین علیہ السلام نے شیعانِ کوفہ کے خط کے جواب میں معاویہ کے ساتھ طے شدہ معاہدہ کا ذکر کیا اور فرمایا:

"میرے اور معاویہ کے درمیان جو عہد و پیمان ہو چکا ہے میں اس کو توڑ نہیں سکتا"

اپنے عہد کو پورا کرنا فضائل اخلاقی اور انسانیت کے اصولوں میں سے ہے اور امامؑ کے لیے بحیثیت انسان کامل اس کا پابند ہونا ضروری امر تھا۔

امام حسین اور صلح امام حسن علیہما السلام

اگرچہ معاویہ کے ساتھ معاہدۂ صلح امام حسن علیہ السلام کے توسط سے طے پایا تھا۔ لیکن امام حسین علیہ السلام نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، یہاں ہم اس بات پر غور کریں گے کہ حضرت نے کس وجہ سے سلیمان سے فرمایا کہ میں اس عہد و پیمان سے خوش نہ تھا؟ کیا آپ اپنے برادر بزرگوار امام حسن علیہ السلام کے نظریۂ صلح کے مخالف تھے؟ امام حسین

---

[۱] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۵

Marfat.com

علیہ السلام کی ناپسندیدگی کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس معاہدے سے معاویہ کو تمام مسلمانوں پر کلی اختیارات حاصل ہو گئے تھے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ امر خود امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد جو معاویہ کی اصل حقیقت سے واقف تھے، کے نزدیک بھی غیر پسندیدہ اور مکروہ تھا۔ لیکن جیساکہ مذکور ہوا، اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کا تقاضا تھا کہ یہ معاہدہ طے کیا جائے اور خلافت اسلامی کو بنو اُمیہ کی موروثی سلطنت میں بدل دیا جائے۔

اس وقت جنگ جاری رکھنا اور مصالحت نہ کرنا ہرگز مفید نہ تھا۔ یہ حقائق امام حسین علیہ السلام کی نظر سے پوشیدہ نہ تھے۔ اس کے ساتھ ہی اگرچہ وہ ذاتی طور پر اس معاہدہ کی روح کے خلاف تھے۔ لیکن اس کی تائید کیے بغیر بھی ان کے لیے کوئی چارہ نہ تھا۔

صلح امام حسن علیہ السلام سے متعلق امام حسین علیہ السلام کے موقف کے بارے میں بہت سے مؤرخین کو اشتباہ ہوا ہے اور اس کے متعلق بہت سی دور از حقیقت باتیں لکھی ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس پر بحث کریں۔ اور اصل حقیقت کو واضح کریں۔

مشہور عرب عالم اور مصنف طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

"مؤرخین کے خیال میں امام حسین علیہ السلام اپنے برادر بزرگوار کے موقف سے متفق نہ تھے اور صلح کی طرف مائل نہ تھے۔ اپنے بھائی جناب امام حسنؑ کو جنگ کے لیے آمادہ کرنے پر بہت اصرار کرتے تھے لیکن امام حسن علیہ السلام ان کی بات پر توجہ نہ دیتے تھے بلکہ انھوں نے امام حسین علیہ السلام سے یہ کہہ دیا تھا کہ اگر وہ ان کے حکم سے سرتابی کریں گے تو انھیں مقید کر دیا جائے گا۔"[۵۱]

طبری نے تاریخ طبری میں بھی اسی قسم کی روایت درج کی ہے۔ لکھتا ہے:

امام حسن علیہ السلام نے اپنے بھائیوں جناب حسین علیہ السلام اور حضرت عبداللہ بن جعفر کو بتایا کہ میں نے معاویہ کو مصالحت کے سلسلے میں خط لکھ رکھا

---

۵۱ علی و دو فرزندش، ص ۲۰۵

Marfat.com

ہے۔ اس پر جناب حسین علیہ السلام نے کہا: "خدا کے لیے معاویہ کے خلاف شریعت کاموں پر مہر تصدیق ثبت نہ کیجیے اور یوں والد بزرگوار حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی تکذیب نہ کیجیے۔" امام حسن علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا: "آپ خاموش رہیں۔ میں اس معاملے میں آپ سے زیادہ بصیرت رکھتا ہوں۔"[1]

ابن حجر عسقلانی نے اس گفتگو کو زیادہ محتاط انداز میں پیش کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

"امام حسن علیہ السلام نے معاویہ کے ساتھ صلح کے مسئلے پر اپنے بھائی جناب حسین علیہ السلام سے بات کی تو آپ نے اپنی ناپسندیدگی اور عدم رضا کا اظہار کیا۔ اور اس اقدام سے باز رہنے کی درخواست کی۔ لیکن بالآخر امام حسن علیہ السلام کے اصرار پر اس سے متفق ہو گئے۔"[2]

اہل سنت کے بعض مورخین نے اس معاملہ پر ایسی روایات درج کی ہیں، جن میں اس اختلاف کو اور بڑھا چڑھا کر سخت اور زشت الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ انھیں یہاں درج کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بطور نمونہ درج شدہ روایات ہی کافی ہیں۔

شیعہ مصنفین و مورخین کی کتابوں میں اس بارے میں کچھ مذکور نہیں ہے۔ چنانچہ ہمارے نزدیک یہ تمام باتیں دروغ گو راویوں کی خود ساختہ ہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام اپنے بڑے بھائی جناب امام حسن علیہ السلام کی اس قدر واشگاف اور ناپسندیدہ طریقے سے مخالفت نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ امام وقت، حجتِ خدا اور واجب الطاعت تھے۔ اس کے علاوہ سید الشہداء علیہ السلام کی نظر سے وہ حالات و اسباب بھی پوشیدہ نہ تھے۔ جن کی وجہ سے جناب امام حسن علیہ السلام مصالحت پر مجبور ہو گئے تھے۔ انھوں نے کوئی امر بھی خلاف عقل سر انجام نہ دیا تھا کہ امام حسینؑ اس کی مخالفت فرماتے۔

---

[1] تاریخ طبری، ج ۴ ص ۱۲۲، تاریخ کامل جلد ۳، ص ۲۰۲۔

[2] الاصابہ، ج ۲، ص ۱۲، احوال حضرت مجتبیٰ علیہ السلام۔

Marfat.com

گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا کہ امام حسن علیہ السلام کو ان حالات سے سابقہ پڑا تھا کہ جن میں مسلمانوں کے خون ناحق کو بہنے سے روکنے اور بے سبب کشت و خون کا سدِ باب کرنے کے لیے خلافت و حکومت سے کنارہ کشی کے علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہ تھا۔ اگر وہ جنگ کرتے تو تمام بنی ہاشم اور شیعانِ علیؑ کی شہادت یقینی تھی لیکن اس شہادت سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

اگر ان امور کے باوجود بھی امام حسینؑ معاہدہ صلح سے متفق نہ تھے تو پھر انھوں نے سلیمان اور شیعہ عمائدین کی تجاویز کا مثبت جواب کیوں نہ دیا اور معاویہ کے خلاف ان کے مجوزہ اقدامات کو معاہدہ صلح کی خلاف ورزی کیوں تصور کیا اور اس کو نامنظور کیوں فرمایا۔

اگر صلح جناب حسن علیہ السلام کا مقصد بقول طبری امیرالمومنین علی علیہ السلام کے کاموں کی تکذیب تھی تو امام حسین علیہ السلام ایک لمحہ بھی خاموشی اختیار نہ کر سکتے تھے۔ اگر معاہدہ صلح سیرت امیرالمومنین علیہ السلام کے خلاف ہوتا تو خلافِ سیرت و سنت رسول بھی ہوتا۔ پھر امام حسن علیہ السلام اس قسم کے کسی معاہدے پر دستخط کر کے اسے نافذ العمل کس طرح قرار دے سکتے تھے۔

علمائے شیعہ میں سے ابن شہر آشوب نے اس بارے میں ان حضرات کی جو گفتگو درج کی ہے وہ اس لیے قرین حقیقت ہے کہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہے اور اس میں دونوں بھائیوں کے باہمی احترام کی جھلک بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"جب امام حسین علیہ السلام کو اپنے برادر بزرگ کے اس ارادے کا علم ہوا تو روتے ہوئے ان کے حضور حاضر ہوئے اور کہا: "جانِ برادر! کیا غضب ہوا کہ آپ خلافت کو معاویہ کے سپرد کر رہے ہیں"۔ جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: "اس کا سبب بھی وہی صورتِ حال ہے جو ہمارے اور آپ کے والد بزرگوار امیرالمومنین علیہ السلام کو پیش آئی تھی۔ سید الشہداء علیہ السلام

اس جواب سے مطمئن ہو گئے اور وہاں سے تشریف لے گئے۔[1]

ہمیں معلوم ہے کہ ابتدائے اسلام میں حضرت علی علیہ السلام کی گوشہ نشینی اور خاموشی کے دو اسباب تھے۔ ایک تو یہ کہ انھیں ایسے لوگوں کی مدد حاصل نہ تھی جس سے وہ مخالفین کا قلع قمع کر سکتے اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اسلام کی بہتری ان کے پیش نظر تھی۔ کیونکہ اسلام اس وقت داخلی انتشار کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اور تصادم کی صورت میں مسلمانوں کے کشت و خون سے صرف منافقین ہی فائدہ اُٹھا سکتے تھے۔

امام حسن علیہ السلام کے خلافت سے دست کش ہونے کے بھی یہی دو اسباب ہیں۔ البتہ امام حسن کو مخلص لوگوں کی معیت و امداد اس لیے میسر نہ آسکی کہ گزشتہ خلافتوں کی غلطیوں سے لوگ اسلامی خلافت کی حمایت سے دست بردار ہو چکے تھے۔ اور ان کی توجہات کا مرکز بنی اُمیہ کی پرشکوہ حکومت تھی۔ اور اس طرح آپ کو سیاسی شکست ہوئی۔

انجمنِ مکہ

اس سے پیشتر بیان ہو چکا ہے کہ معاویہ کے دورِ حکومت میں امام حسین علیہ السلام اس باطل حکومت کے خلاف مؤثر اقدام کرنے پر مسلسل غور و فکر فرماتے رہتے تھے۔ امام اس کے خلافِ شرع اعمال پر تنقید فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ نے جو نمایاں قدم اٹھایا وہ **انجمن مکہ** کی تشکیل اور اس کے شرکا کے سامنے ان کو بیدار کرنے اور ان کے ضمیر کو جھنجوڑنے والی تقریر تھی۔

طبرسی اپنی کتاب "احتجاج" میں لکھتے ہیں:

"معاویہ کے انتقال سے دو سال قبل امام حسین علیہ السلام زیارت کعبہ

---

[1] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۳۴ طبع جدید۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔ فقلت ما دعاك الى تسليم الخلافة؟ فقال الذى دعا اباك فيما تقدم

Marfat.com

کے لیے تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر ان کے ہمسفر تھے۔ امام حسین علیہ السلام نے اس سال بنی ہاشم کی تمام عورتوں اور مردوں ان کے محبّوں اور معتقدوں۔ اہل مدینہ میں سے قدر و منزلت شناسوں، اصحاب رسولؐ، ان کی اولاد اور تابعین کو مکہ آنے کی دعوت دے رکھی تھی۔ چنانچہ میدانِ منیٰ میں ایک ہزار افراد ان کے پاس جمع ہو گئے۔ آپ نے ان سے خطاب فرماتے ہوئے جو خطبہ پڑھا اس میں فرماتے ہیں:

" اما بعد فان ھٰذہ الطاغیۃ قد صنع بنا و بشیعتنا ما قد علمتم و قد رأیتم و شھدتم و بلغکم و انی ارید ان اسئلکم عن اشیاء فان صدقت فصدقونی و ان کذبت فکذبونی، اسمعوا مقالتی و اکتموا[1] قولی ثم ارجعوا الی امصارکم و قبائلکم من امنتم و وثقتم بہ فادعوھم الی ما تعلمون فانی اخاف ان یندرس ھذا الحق و یذھب، و اللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون "

" اس ظالم اور حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے شخص (معاویہ) نے ہمارے شیعوں کے ساتھ جو ظلم و ستم روا رکھا ہے وہ آپ لوگوں کے علم میں ہے۔ آج میں کچھ امور پر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگر میں حقائق کو پیش کروں تو میری تصدیق کیجئے، ورنہ بصورت دیگر بلاجھجک میری بات جھٹلا دیجئے۔ میری باتوں کو سنئے اور ان کو اپنے قلوب میں محفوظ کر لیجئے۔ پھر جب اپنے شہروں کو لوٹیں اور اپنے قبیلوں میں واپس جائیں تو اپنے قابل اعتماد ہم وطنوں تک میرا پیغام پہنچا دیں۔ کیونکہ میں اس خطرے کو بھانپ رہا ہوں کہ کہیں یہ دینِ حق فرسودہ ہو کر سرے سے ختم ہی نہ ہو جائے۔ اور خداوند قدوس اپنے نور کو

---

[1] ایک محقق کے مطابق ایک نسخہ میں "فاکتبوا" درج ہے یعنی میں جو کچھ کہوں اسے لکھ لو۔ مؤلف کے خیال میں یہی لفظ درست ہے کیونکہ امامؑ کا کلام پوشیدہ رکھنے کے لیے نہ تھا بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی ضرورت تھی۔

Marfat.com

مکمل کر دیتا ہے، چاہے انکار کرنے والوں کے لیے یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔"

اس دن امام حسین علیہ السلام نے ان تمام قرآنی آیات کی تلاوت اور تفسیر بیان فرمائی، جو اہل بیت علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی تھیں۔ پھر جو احادیث رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے والد گرامی قدر، والدہ محترمہ اور دیگر افراد خاندان کی شان میں تھیں۔ انھیں بیان فرمایا۔ حضرت ختمی مرتبتؐ کے اصحاب نے آپ کی باتوں کی تصدیق کی اور کہا کہ ہاں ہم نے رسولؐ خدا سے یہ احادیث اسی طرح سنی ہیں اور وہ واقعات اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں۔ جن میں ان کی قدر و منزلت اور مقام سے لوگوں کو متعارف کرایا تھا۔ تابعین ۱ (وہ افراد جو رسول خدا کی زیارت سے مشرف نہ ہوئے تھے بلکہ آپ کی احادیث کو صحابہؓ سے سنا تھا۔) نے کہا کہ ہم نے حق گو اور امانت دار لوگوں سے ان احادیث کو اسی طرح سنا ہے جیسے آپ نے بیان فرمائی ہیں۔ اس کے بعد آپ نے کہا کہ میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب آپ لوگ واپس اپنے قبیلوں میں جائیں تو میرے پیغام کو قابل اعتماد لوگوں تک پہنچائیں[1]

اس سے ظاہر ہے کہ امام حسین علیہ السلام مناسب موقع اور حالات کی سازگاری کی تلاش میں تھے۔ تاکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے راہِ خدا میں اٹھ کھڑے ہوں۔ آپ نے حاضرین کو یہ تاکید کی کہ آپ کا پیغام اپنے علاقوں میں بھی پہنچائیں تاکہ مستقبل میں آپ کے اقدام کی حمایت کے لیے زمین ہموار ہو سکے۔ آپ نے ان کو اس خطرے کا احساس بھی دلایا کہ بنو امیہ کی ظالمانہ حکومت اگر زیادہ عرصے تک قائم رہی تو عین ممکن ہے دین اسلام نیست و نابود ہو جائے۔ معاویہ کے خلافِ انسانیت اور غیر مناسب اقدامات پر اس لیے نکتہ چینی کی کہ لوگوں پر یہ ظاہر ہو سکے کہ معاویہ اور اس کے وزرا و مشیر مسلمانوں پر حکومت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ الغرض انجمن مکہ کا قیام اس انقلاب کی ابتدا تھا جو مستقبل قریب میں برپا ہونے والا تھا۔

اثنا عشری بزرگوں میں سے چوتھی صدی ہجری کے بزرگ مصنف حسن بن شعبہ نے اپنی کتاب

---

[1] احتجاج طبرسی ص ۱۵۲ فصل احتجاجات امام حسین علیہ السلام۔

Marfat.com

"تحف العقول" میں امام حسین علیہ السلام کا ایک خطبہ نقل کیا ہے جس کے بارے میں مولف کو یقین ہے کہ یہ امام عالیمقام کا وہی خطبہ ہے جو آپ نے "انجمن مکہ" کے قیام کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا[1]۔ اس خطبے میں آپ نے پہلے ظلم وستم کے مقابلے میں خاموشی اختیار کرنے کے نتائج وعواقب سے ڈرایا پھر ان آیات کو نظر انداز کرنے کے عذاب کا تذکرہ فرمایا جن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ماضی میں قوموں کی بدبختی کا سبب امر بالمعروف سے غفلت برتنا اور ظالم وجابر حکمرانوں کو برداشت کرنا تھا۔

اے طاقتور جماعت! تم لوگ ہو جنھیں خداوند عالم نے علم وخوبی اور نیکی دی ہے اور لوگوں کے دلوں پر تمھارا رعب طاری کر رکھا ہے۔ شریف تم سے معیار شرافت سیکھتا ہے اور کمزور تمھیں قابل احترام سمجھتا ہے۔ وہ جو مراتب میں تمھارے برابر ہیں اور تمھیں ان پر کوئی حق حاصل نہیں۔ وہ بھی تمھیں اپنے آپ پر مقدم سمجھتے ہیں۔ لوگ اپنی جن ضروریات کو پورا کرنے سے مایوس ہو جاتے ہیں۔ تو تم اس سلسلے میں ان کی مدد کرتے ہو۔ تم زمین پر بادشاہوں کے سے رعب وجلال اور بزرگوں جیسے عزت واحترام سے چلتے ہو۔ تمھیں یہ رعب ودبدبہ اور عزت وتکریم اس لیے عطا ہوئی ہے کہ تم سے راہ خدا میں آواز حق بلند کرنے کی توقع رکھی گئی ہے۔ پس تم دین حق کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو جاؤ۔ اگرچہ تم حقیقت سے غفلت برتتے ہو اور حق کے بہت سے حقوق کی ادائیگی نہیں کرتے۔ تم نے ائمہ کے حقوق کو انتہائی کم درجے کے حقوق سمجھ رکھا ہے۔ کمزوروں اور محتاجوں کے حقوق کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ تم اپنے حقوق کی تحصیل کی فکر میں رہتے ہو۔ تم نے خدا کی راہ میں مال ودولت صرف کیا ہے نہ اس کے لیے اپنی جان کو خدا کی راہ میں خطرے میں ڈالا ہے۔ تم نے خدا کی رضا کے لیے اقوام وقبائل سے دشمنی اختیار نہیں کی۔ اس کے باوجود تم لوگ حصول جنت کی خواہش رکھتے ہو۔ اور پیغمبروں کے ساتھ وہاں رہنا اور عذاب خدا سے چھٹکارا پانا چاہتے ہو لیکن مجھے خوف ہے کہ کہیں تم پر عذاب کی مصیبت نہ آن پڑے کیونکہ تم اس منصب عزت پر فائز ہو جو دوسروں کو حاصل نہیں۔ اگرچہ تم عنایت خداوندی سے لوگوں کے درمیان معزز ومحترم ہو لیکن معرفت خدا رکھنے والوں کو محترم نہیں سمجھتے۔ تم دیکھ رہے ہو کہ لوگ

---

[1] علی اکبر غفاری نے اپنی کتاب "بررسی تاریخ عاشورا" کے دیباچے میں ہم سے پہلے اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

خدا سے کیے ہوئے وعدوں کو پورا نہیں کرتے اور خدا کا خوف بھی نہیں رکھتے۔ تم اپنے اجداد کی قائم کردہ روایات کی خلاف ورزی سے مضطرب و پریشان ہو جاتے ہو، لیکن خدا و رسول کی قائم کردہ روایات اور متعین کردہ حدود کی تغییر و تذلیل سے تم کوئی اثر نہیں لیتے۔ قوم کے اندھے، بہرے اور غریب کسان شہروں میں لاوارث بن گئے ہیں۔ لیکن ان کی حالت زار پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ تم اپنی طاقت و توانائی کے مطابق کوئی کام کرتے ہو نہ ہی اس شخص کی قدر کرتے ہو جو اپنے ان فرائض کو بحسن و خوبی انجام دیتا ہو۔

تم اپنی سہل پسندی سے ظالموں کے ساتھ تعاون کرتے ہو اور اپنی زندگی بے حسی سے گزارتے ہو۔ خداوند قدوس نے تمھیں منکرات سے بچنے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن تم اس فرمان الٰہی سے غافل ہو۔ یہ صورت حال تمھارے لیے بہت بڑی مصیبت ہے کیونکہ تم علما کے حفظ مراتب میں ناکام رہے ہو۔ کاش تم نے اس سلسلے میں جدوجہد کی ہوتی۔

امور سلطنت کی باگ ڈور ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جو احکام خداوندی کا پورا علم رکھتے ہوں۔ حلال و حرام میں تمیز روا رکھتے ہوں۔ تم لوگ اس سلسلے میں جو مقام و منزلت رکھتے تھے تم سے چھین لی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے حق کا دامن چھوڑ دیا ہے اور سنت پیغمبری کے اتباع کے واضح و روشن راستے کو باہمی اختلافات کا سبب بنا لیا ہے۔ اگر تم لوگ مصائب پر صبر کرتے اور استقلال و ثابت قدمی سے راہ خدا میں مشکلات برداشت کرتے تو امور حکومت تمھیں سونپ دیئے جاتے۔ لیکن تم نے اپنی جگہ خود ظالموں کو دے کر حکومت الٰہیہ ان کے حوالے کر دی ہے۔ تاکہ وہ قوانین الٰہی کے اجرا میں اپنے قیاس اور شکوک و شبہات کو بھی داخل کر دیں اور اپنی ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ان ذرائع کو استعمال کریں۔ تم اس ناپائدار زندگی پر خوش ہو اور موت سے فرار چاہتے ہو۔ تمھاری اس خواہش نے ان ظالموں کو امت مسلمہ پر مسلط کر دیا ہے۔

تم نے ظالموں کو کمزوروں پر غالب کر دیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے ان میں سے اکثر کو غلام بنا لیا ہے اور بہت سے اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ وہ امور حکومت کو اپنی مرضی سے

Marfat.com

چلاتے ہیں۔ (لوگوں کی خواہشات اور قوانین الٰہی کی پروا نہیں کرتے) اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی سے ملت اسلامیہ کو انھوں نے ذلت و خواری سے دوچار کر دیا ہے۔ وہ بدکاروں کی پیروی کرتے ہیں۔ احکام خداوندی کی خلاف ورزی میں وہ بڑے نڈر ہیں۔ ان کے خطیب ہر شہر میں منبروں پر ان کی شان بیان کرتے ہیں۔ تمام سلطنت اسلامی ان کے دست تصرف میں ہے۔ امتِ مسلمہ ان کی غلام ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اپنے حقوق کی حفاظت سے قاصر ہے۔ اس ظالم و سرکش گروہ کی دستبرد سے کوئی کمزور اور غریب انسان محفوظ نہیں وہ مالکِ کائنات خدائے عز و جل اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

ان حالات پر حیرانی کیوں نہ ہو، میں بحرِ استعجاب میں کیوں نہ غوطہ زن ہو جاؤں کہ زمین دغاباز، ستمگر، عوام سے زبردستی خراج وصول کرنے والے حاکموں کے تسلط میں ہے جو مومنین پر ظلم روا رکھتے ہیں۔ خداوند عالم گواہ ہے کہ ہم ان حالات میں کشمکش اور جدوجہد کر رہے ہیں اور وہی روز حشر اپنے وعدے کے مطابق ہمارے اور ان کے درمیان انصاف کرے گا۔

آپ نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا: اے خدائے بزرگ و برتر تو جانتا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا اقتدار کے حصول اور مال و دولت کی خواہش میں نہیں کہا۔ اس سے میرا مقصد خودستائی اور بڑائی کا تذکرہ بھی نہ تھا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تیرے دین کے طریقوں سے لوگوں کو باخبر کر دیں۔ تیری آبادیوں کو مکینوں کے لیے قابل رہائش بنا دیں۔ تاکہ مظلوم اور بے یار و مددگار انسانوں کو امن و سکون میسر آسکے۔ تیری طرف سے واجب ہونے والے امور اور تیرے احکام جاری ہو سکیں۔ (اس کے بعد آپ نے حاضرین سے فرمایا) اے لوگو! اگر تم نے ہمارا ساتھ نہ دیا اور ہمارے مقام و مرتبے سے آگاہ ہو کر ہمارے حقوق سے انصاف نہ کیا تو ظالم و جابر حکمران تم پر ہمیشہ کے لیے مسلط ہو جائیں گے اور تمہارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لائے ہوئے دین مبین کی شمع گل کر دیں گے۔ حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔[1]

---

[1] تحف العقول، ص ۲۴۰۔ مکمل عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔

Marfat.com

ہم امام حسین علیہ السلام کے جن مقاصد کو جاننے کی کوشش کر رہے ہیں۔ وہ امام عالی مقام کے
لے ان ارشادات عالیہ سے روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ اور مزید تشریح وتفصیل کے متقاضی نہیں
ں۔ امام علیہ السلام کے اس خطبے کی نمایاں خصوصیات، بنو امیہ کی غلط کاریوں کی نشان دہی اور
ن پر تنقید، لوگوں کو ان بدکاروں کے خلاف جدوجہد کا پیغام، اجتماعی مصائب اور معاشرتی مفاسد
تذکرہ، ایسے مواقع پر مسلمانوں کو ان پر عائد ہونے والے فریضوں کا احساس دلانا ہیں۔

اس خطبے سے ظاہر ہے کہ امام عالی مقام کے مخاطب وہ لوگ تھے جو سربرآوردہ اور اپنی
ب سرشتی کے لیے شہرت رکھتے تھے۔ ان کی ذمہ داری بھی زیادہ تھی اور لازمی طور پر یہ وہی
میت تھی جنھیں احتجاج طبرسی کے مطابق مکہ میں دعوت دی گئی تھی اور منیٰ میں ان کی تعداد
ب ہزار سے زیادہ تھی۔

مُعاویہ کا خط اور امام حسینؑ کا جواب

جیسے کہ بیان کیا گیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام نے دور معاویہ میں حتی الامکان خاموشی اختیار
ں کی اور اس کی غلط کاریوں، ظلم وستم اور خلافِ شرع اعمال پر برابر احتجاج فرماتے رہے۔
یہ چہ آپ کے برادر بزرگ امام حسن علیہ السلام کے بعد تمام کی تمام اسلامی مملکت ان کے اور ان
ے پاکیزہ خانوادے کی مخالف ہو گئی تھی پھر بھی آپ نے ہمت نہ ہاری اور اپنے آپ کو دین اسلام
امتِ مسلمہ کی حفاظت کے لیے مامور من اللہ سمجھتے ہوئے حالات پر کڑی نظر رکھتے رہے۔

اگر چہ امیر شام معاویہ کے مقابلے میں حقیقی امامت نے دس سال تک تلوار کو نیام سے
ہر نہ نکالا۔ لیکن کسی وقت بھی اس کے غیر شرعیہ اعمال پر سخت تنقید سے غفلت نہ برتی۔ آپ کی
ت اس تاریک اور پُر آشوب دور میں محروموں اور مظلوموں کا ملجا وماوا تھی۔ آپ ہی دین
ے بہی خواہوں اور روشن ضمیر مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز تھے۔

یزید کے لیے بیعت لینے کی مہم کے دوران جب سعید بن عاص حاکم مدینہ نے اہل شہر

اور خصوصاً بنی ہاشم کے انکار کی خبر دربار شام کو دی تو معاویہ نے مندرجہ ذیل خط امام حسین علیہ السلام کو بھیجا:

"اما بعد، مجھے آپ کے ان کاموں کی اطلاع ملی ہے۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپ جیسا انسان ان کو انجام دے سکتا ہے۔ میرا خیال تھا کہ آپ کو ایسی باتوں سے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ انسان کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنے جیسے صاحب شرف و عظمت اور حامل قدر و منزلت کے طے کردہ معاہدے کا احترام کرتے ہوئے اس کی حفاظت کرے۔ اپنے لیے مصائب کا سامان نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس امت میں تفرقہ و انتشار نہ ڈالو۔ اپنی، اپنے مذہب اور امت محمدیہ کی فکر کرو اور اس کی نگہداشت کرتے رہو اور اس بات کا خیال رکھو کہ جو آپ سے ایسے کاموں کی توقع نہیں رکھتے انھیں یقین آ جائے۔"[۵۱]

اس خط میں معاویہ نے اپنے تینوں حربوں یعنی مکر و فریب، الزام تراشی اور دھمکیوں سے کام لیا ہے۔ اس کا دعوےٰ ہے کہ یزید کی بیعت سے آپ کا انکار اور اس کی مخالفت میرے لیے ناقابل یقین ہے اور یہ عمل اس معاہدے کی خلاف ورزی ہے جس کا احترام آپ کے لیے ضروری ہے[۵۲] اور میں ان کاموں کو بدامنی اور انتشار کے علاوہ کچھ نہیں سمجھتا۔

امام حسین علیہ السلام وہ نہ تھے کہ فرزند ابی سفیان کی دھمکیوں سے مرعوب ہو جاتے چونکہ وہ ہمیشہ ہی اس کو ظلم و ستم اور حضور پاک کی سنت کو پس پشت ڈالنے سے روکنے کی سعی فرماتے تھے۔ آپ نے جواب میں درج ذیل خط اس کو تحریر کیا اور اس کے ظلم و ستم کو بے نقاب کیا۔ یہاں ہم اس کا ترجمہ درج کرتے ہیں جو آپ کے موقف کی ایک اہم سند اور زندہ ثبوت ہے۔ عربی متن آئندہ صفحات میں درج ہوگا۔

۵۱۔ الامامہ والسیاسۃ ج ۱ ص ۱۷۹۔ اس کا عربی متن آخر کتاب میں درج ہوگا۔

۵۲۔ اس معاہدہ صلح کی طرف اشارہ ہے جو امام حسن علیہ السلام اور امیر شام کے درمیان طے پایا۔

Marfat.com

امابعد تمہارا خط موصول ہوا تم نے لکھا ہے کہ تمہیں میرے ایسے کاموں کی اطلاع دی گئی ہے جن کی تمہیں مجھ سے توقع نہیں۔ تمہارے خیال میں مجھے ان امور سے کوئی واسطہ نہیں۔ (جان لو) خدا تعالیٰ ہی انسان کی راہنمائی اچھے کاموں کی طرف فرماتا اور ان کی بجاآوری کی توفیق دیتا ہے۔ تم نے میرے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ فتنہ پرور، چغل خور اور دروغ گو لوگوں کی خود ساختہ باتیں ہیں۔ ان خارج از دین گمراہوں نے جھوٹ بولا ہے۔ موجودہ حالات میں تمہارے ساتھ میں اختلاف یا جنگ کی فکر میں نہیں ہوں۔ اگرچہ تمہارے اور بنوامیہ کے ظالموں کے ساتھ جنگ ترک کرنے سے میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ تم لوگ وہ ستمگر ہو جنھوں نے حرام خدا کو حلال کردیا ہے۔

معاویہ! کیا تو وہ نہیں جس نے حجر بن عدی کو ان کے ساتھیوں سمیت بلاجرم قتل کردیا ہے۔ یہ وہ عابد وزاہد بندے تھے جو خلاف شرع امور کو ناجائز سمجھتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا تھے۔ ان کو بے انتہا ظلم و ستم سے شہید کردیا گیا جب کہ تو نے ان کے ساتھ عہد و پیمان کر رکھا تھا جس کو توڑ دیا گیا۔ اس کام میں تم نے خدا کی نافرمانی بڑی دلیری اور جرأت سے کی اور اس کے وعدے کو ہیچ اور ناچیز سمجھا۔ اے معاویہ! کیا تو نے عمرو بن حمق[۱] کو شہید نہیں کیا، وہ شخص جس کا چہرہ عبادت و ریاضت سے لاغر ہو گیا تھا۔ تو نے اس کو امان دے کر پھر قتل کر دیا۔ امان بھی ایسی کہ اگر ہرنوں کو دی جاتی تو وہ کوہساروں سے اتر کر تیرے قریب بڑے اطمینان سے آجاتے۔

کیا تو نے زیاد کو اپنے باپ ابوسفیان سے نسبت نہیں دی جس کے باپ کا کچھ

---

[۱] عمرو بن حمق خزاعی بزرگ صحابی اور حضرت علیؑ کے خواص میں سے تھے۔ ان کی شہادت اور ان کی بیوی کی اسیری ایک لمبی داستان ہے۔

Marfat.com

پتہ نہ تھا تو نے اس کو فرزند ابوسفیان قرار دے کر اپنا بھائی بنا لیا۔ جب کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اولاد اس کی ہے جس کے عقد میں اس کی ماں ہو۔ زناکار کو اولاد پر کوئی حق نہیں۔ (اس کا حصہ پتھر ہیں) تو نے حضور پاکؐ کی سنت کو ترک کر دیا۔ اور پھر تو نے زیاد کو مسلمانوں پر اتنا تسلط دیا ہے کہ وہ ان کو قتل کرے چاہے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا دے اور چاہے ان کو کھجور کے درختوں پر پھانسی دے دے۔

سبحان اللہ! اے معاویہ کیا تو اس امت میں سے نہیں۔ کیا وہ تم میں سے نہیں ہیں۔ کیا ان کا تم سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ کیا تم حضرمی کے قاتل نہیں ہو۔ وہ حضرمی جس کے بارے میں تمہارے گورنر زیاد نے تم کو لکھا کہ یہ علیؑ کے دین و آئین کا پیرو ہے۔ علی (علیہ السلام) کا وہی دین ہے جو ان کے چچیرے بھائی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تھا۔ اسی دین کے وسیلے سے آج تو اس مسند پر براجمان ہے۔ اگر دین علیؑ نہ ہوتا تو تیری اور تیرے بزرگوں کی عظمت و بڑائی فقط گرمی اور سردی میں پُر آشوب تجارتی سفر ہی ہوتے (سورۂ قریش کی طرف اشارہ ہے)۔ خدائے بزرگ و برتر نے ان مصائب سے تم کو ہمارے ذریعے سے نجات دی اور تم پر یہ احسان کیا ہے۔

اپنے خط میں تم نے لکھا ہے کہ میں اس امت میں تفرقہ نہ ڈالوں اور اس کو مصائب و مشکلات میں مبتلا نہ کروں۔ میرے نزدیک امت کے لیے تیری حکومت سے بڑا فتنہ کوئی نہیں۔ تم نے کہا ہے کہ مجھے اپنی، اپنے دین اور امت محمدیہ کی نگہداشت کی فکر کرنا چاہیئے۔ خدا کی قسم! میں تیرے خلاف جہاد سے بڑی فضیلت نہیں دیکھ رہا۔ اگر میں جہاد کرتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے مقربین میں شمار ہوتا ہوں۔ اور اگر اس سے پہلوتہی کرتا ہوں تو اپنے خدا سے مغفرت کا امیدوار ہوں اور اس سے دست بدعا ہوں کہ وہ مجھے اپنی رضا کے حصول کی توفیق عطا فرمائے۔

Marfat.com

تم نے باتوں کے دوران لکھا ہے کہ اگر میں تمھارے خلاف سازش کروں گا تو تم بھی میرے خلاف سازش کروگے۔ اے معاویہ! تم سے جہاں تک ہو سکے میرے خلاف مکروفریب اور حیلہ بازی سے کام لو۔ نیک اور صالح انسانوں کے خلاف یہ ہتھکنڈے استعمال کرنا کوئی نئی بات نہیں۔ دنیا کی رسم کہن یہی ہے مجھے پوری اُمید ہے کہ تمھاری عیاری سے مجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ تم اس میں اپنا نقصان ہی کروگے اور اپنے اعمال کو ضائع و برباد کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ پاؤگے۔ پس تم سے جتنا ہو سکے میرے خلاف سازش کرو۔

معاویہ خدا سے ڈرو۔ جان لو کہ خدا کے پاس دفترِ عمل ہے جس میں ہر بڑا اور چھوٹا عمل درج ہوتا ہے۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ خدا کبھی اس کو معاف نہ کرے گا کہ تم لوگوں کو گمراہ کرتے رہو اور الزام تراشی کرتے رہو۔ تم ایک ایسے بچے کو مسلمانوں کا امیر اور حکمران بنانا چاہتے ہو جو شراب خور ہے اور کتوں سے کھیلتا ہے۔ میں اس میں تمھاری ہلاکت کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا۔ تم نے اپنے دین کو تباہ کر دیا ہے اور عوام کو مجبور و محکوم کر کے رکھ دیا ہے۔ والسلام[۱]

امام عالی مقام نے اپنے اس نامۂ مبارک میں معاویہ کی غلط کاریوں کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس کی حکومت و سلطنت کو فتنہ و فساد اور بدبختی کا منبع قرار دیا ہے۔ اس کے ساتھ جنگ کو قربِ الٰہی کے حصول کا ذریعہ اور کارِ عظیم شمار کیا ہے۔ اور آیندہ بننے والے خلیفہ یعنی یزید کو شراب خور اور سگ باز بچے کے نام سے یاد کیا ہے اور ظالم و جفاکار زیاد کی سیہ کاریوں کو معاویہ کے گناہوں میں شمار کیا ہے۔

غرض یہ کہ امام حسین علیہ السّلام کے حالات کے بغور مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے کسی وقت بھی آلِ سفیان کی حکومت کی حمایت نہیں کی اور ہمیشہ ہی اس جابر حکومت کے خلاف

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ ج اص ۱۸۰-۱۸۱

Marfat.com

اقدام کی فکر میں رہے۔ معاویہ نے اپنی پوری چالاکی اور عیاری سے کام لے کر امام حسین علیہ السلام سے اپنے بیٹے کے لیے بیعت لینے کی کوشش کی۔ لالچ بھی دیا۔ دھمکیوں سے بھی کام لیا۔ لیکن جب کسی طرح بھی کامیابی نہ ہوئی تو اس نے بالآخر مجبور ہو کر اس سے صرف نظر کیا۔ اور بہتری اس میں ہی جانی کہ اتنی ساری کوششوں میں ناکامی کے بعد اب اس کام میں زیادہ اصرار نہ کیا جائے۔ یزید کی بیعت لینے کے بعد معاویہ زیادہ عرصہ تک بقید حیات نہ رہا۔ اس کی موت اور یزید کے برسر اقتدار آنے سے حالات بدل گئے۔

امام حسین علیہ السلام کے موقف کے متعلق جو انھوں نے دور معاویہ میں اختیار کیا۔ اس باب میں تفصیلی بحث ہو چکی اب ہم دور یزید کے حالات و واقعات کا جائزہ لیتے ہیں۔

واقعۂ کربلا ایک مقدس مشن تھا یا محض دفاع؟

ممکن ہے بعض لوگوں کا خیال ہو کہ واقعۂ کربلا میں امام حسین علیہ السلام کا طرزِ عمل محض دفاعی تھا اور آپ کو یزید کی ظالم و جابر حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے سے کوئی سروکار نہ تھا۔ اور اگر ان سے کوئی تعرض نہ کیا جاتا تو بنی اُمیّہ کی سیہ کاریوں سے انھیں کوئی غرض نہ تھی اور وہ گوشہ نشینی اختیار کر کے معمول کے مطابق زندگی گزارتے رہتے۔

یہ خیال بالکل غلط اور بے جا ہے۔ قطعی دلائل اس کو ثابت کرتے ہیں کہ آپ نے ظلم و جور اور باطل کے خلاف جدوجہد کی یا دورِ حاضر کی اصطلاح میں انقلاب برپا کیا۔ آپ کے فرامینِ عالیہ بغور مطالعہ اور فریقین کی کتابوں میں اس دور کے درج شدہ حالات کسی شک و شبہ کی گنجائش ختم کر دیتے ہیں۔

پچھلے باب میں واضح کیا گیا ہے کہ امام عالی مقام ہمیشہ ہی معاویہ کو اس کے اعمالِ باطلہ، ایذا رسانیِ خلق اور احکام خدا سے پہلو تہی پر مورد تنقید بناتے اور اظہار ناراضگی فرماتے تھے۔ معاویہ اور آپ کے درمیان شدید اعتراضات اور خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔ انجمن مکہ کا قیام اور اس سے

شرکا کے روبرو آپ کا شرر بار، جوشِ عمل سے بھرپور خطبہ آئندہ انقلاب کی راہ ہموار کرتا تھا حتیٰ کہ ایک دفعہ آپ نے معاویہ کے لیے یمن سے شام لے جائے جانے والے مال و اسباب کو روک کر بنی ہاشم میں تقسیم کر دیا۔ اور اس کی رسید اور ایک عتاب آمیز خط معاویہ کو بھجوا دیا[1]۔

اس سے ظاہر ہے کہ اگر امام علیہ السّلام انقلاب برپا کرنے کی نیت نہ رکھتے ہوتے تو یہ امور وقوع پذیر نہ ہوتے۔ ابتدا میں ہم ان دلائل و براہین کا ذکر کریں گے۔ جن میں امام عالی مقام کی تحریک انقلاب سے متعلق اشارے موجود ہیں۔ اور اس کے بعد وہ دلائل پیش کیے جائیں گے جو اس مطلب کو واضح کرتے ہیں اور یہ سب کچھ خود آپ کے اقوال و فرامین سے اخذ کیا گیا ہے۔ کیونکہ آپ جیسے جیسے منزل سے قریب تر ہوتے گئے، اس کی نشاندہی میں زیادہ واضح اور روشن الفاظ فرماتے گئے۔ ۱۵ رجب ۶۰ھ کو معاویہ کا انتقال ہوا اور یزید نے اس کی جگہ سنبھالتے ہی سب سے پہلے امام حسین علیہ السلام سے بیعت لینے کی فکر شروع کر دی۔ اس مقصد کے لیے اس نے حاکم مدینہ ولید بن عتبہ کو خط لکھا کہ جس قدر جلد ہو سکے حسین بن علی علیہما السّلام سے بیعت لے لی جائے اور کسی قسم کی تاخیر روا نہ رکھی جائے۔ اس نے غیر یقینی مستقبل کا تصور کرتے ہوئے۔ ایک رات اپنے کارندے کے ذریعے امام علیہ السّلام کو دار الامارۃ میں طلب کیا۔

امام حسین علیہ السّلام نے اپنے اعزا و اقربا کی ایک مسلح جماعت اپنے ساتھ لے جانے کے لیے تیار کی اور ان سے کہا کہ ولید نے مجھے اس وقت بلایا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ کوئی ایسی بات تجویز کرے گا جو میں پوری نہ کروں گا۔ ان حالات میں میں مطمئن نہیں ہوں۔ تم لوگ میرے ساتھ چلو۔ جب میں اندر داخل ہو جاؤں تو تم دروازے پر ٹھہرے رہنا۔ جب میری آواز بلند ہو تم لوگ اندر داخل ہو جانا اور مجھے ان کے شر سے محفوظ رکھنا۔

اس کے بعد امام ولید کے پاس تشریف لے آئے۔ اس نے گرم جوشی سے استقبال کیا۔ معاویہ کے انتقال کی خبر کے بعد یزید کا خط پڑھ کر سنایا اور بیعت کے مسئلہ پر گفت گو

[1] بررسی تاریخ عاشورا ص ۱۲۳۔ بہ نقل از ابن الحدید

Marfat.com

ہونے لگی۔ مروان بن حکم بھی وہاں موجود تھا اور ایک گوشہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ امام عالی مقام نے فرمایا:

"میرا خیال ہے کہ میری خفیہ بیعت سے کام نہ چلے گا۔ تمھاری خواہش ہوگی کہ اگر میں بیعت کروں تو لوگوں کے سامنے ظاہری طور پر کروں۔ ولید نے کہا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پس صبح تک صبر کرو، تاکہ کوئی فیصلہ کرسکوں۔ ولید نے کہا آپ تشریف لے جائیے اور کل اس اجتماع میں شرکت فرمائیے جو اس مقصد کے لیے ہوگا۔"

مروان بن حکم جلدی اور فوراً کا قائل تھا۔ اس نے ولید سے کہا: خدا کی قسم! اگر حسین بن علی (علیہما السلام) اب اس دروازے سے باہر نکل گئے تو وہ کبھی بیعت نہ کریں گے اور پھر ایسا موقع تمھیں میسر نہ آئے گا۔ انھیں قید کرلو اور جانے مت دو۔ یا تو ابھی بیعت لے لو یا پھر ان کا سر قلم کردو۔ امام حسینؑ کی جبین مبارک پر آثار غضب ظاہر ہوئے۔ اور مروان سے کہا: اے نیلی آنکھوں والی عورت کے فرزند! تو مجھے قتل کرے گا یا ولید؟ خدا کی قسم! تو نے دروغ گوئی کی اور گناہ گار ہوا۔ آپ یہ فرماتے ہوئے باہر تشریف لے گئے[1]۔

سید بن طاؤس کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے ولید کے جواب میں فرمایا تھا:

"یزید شراب خور، مسلمانوں کا قاتل اور فسق و فجور پر عمل پیرا ہے۔ میرے جیسا آدمی اس جیسے آدمی کی بیعت نہیں کرسکتا۔ کل صبح تک صبر کرو۔ پھر ہم دیکھیں گے ہم دونوں میں سے کون بیعت لینے اور مسند خلافت پر بیٹھنے کا زیادہ حقدار ہے[2]۔"

امام عالی مقام کے تشریف لے جانے کے بعد مروان نے ولید سے کہا: تو نے میری تجویز پر کان نہ دھرے، خدا کی قسم! اب وہ کبھی تمھارے ہاتھ نہ آئیں گے اور نہ ہی کبھی ایسا موقع پھر تمھیں میسر آئے گا۔ ولید نے کہا: مروان تو نے میرے لیے وہ کام تجویز کیا ہے جو میرے دین کو برباد

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۰۷۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۵۱ ارشاد کا ترجمہ ہے۔

[2] لہوف ص ۱۳۔

Marfat.com

کر دے گا۔ قسم بخدا! مجھے یہ پسند نہیں کہ حسین (علیہ السلام) کو قتل کروں چاہے اس کے بدلے مجھے دنیا بھر کی تمام دولت ہی کیوں نہ مل جائے[1]

یہ پہلا موقع تھا کہ امام علیہ السلام حکومت یزید سے روبرو ہوئے کیونکہ وہ کسی طرح بھی بیعت پر راضی نہ تھے اس لیے سخت موقف اختیار فرمایا اور صرف ایک دن بعد یعنی انتیس رجب ۶۰ھ کو مدینہ سے روانہ ہو گئے اور مکہ معظمہ کا رُخ کیا۔ آپ نے مدینے سے روانگی کے وقت اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو وصیت کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مدینے سے روانگی انقلاب عظیم کی طرف پہلا قدم تھا۔

سبط ابن جوزی نے لکھا ہے کہ ولید بن عتبہ نے امام حسین علیہ السلام کے ساتھ جو نرم رویہ اختیار کیا۔ اس کی وجہ سے حکومت مدینہ سے معزول کیا گیا اور عمرو بن سعید اشرق نے اس کی جگہ لے لی[2]

امام حسین علیہ السلام مکہ روانگی سے ایک روز قبل اپنی قیام گاہ مقدسہ سے باہر تشریف لائے تاکہ حکومت کے تازہ ترین اقدامات کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ راستے میں مروان بن حکم سے مڈبھیڑ ہوئی۔ اس نے کہا: اے ابا عبداللہ! میں آپ کا خیرخواہ ہوں، میری نصیحت مان لیجئے تاکہ آپ کو فوائد حاصل ہوں۔ آپ نے فرمایا: جو کہنا چاہتے ہو کہو، اس نے کہا: بیعت کر لیجئے، اس میں آپ کی دینی اور دنیوی فلاح مضمر ہے۔ امام عالی مقام نے مبتلائے مصیبت کی طرح ارشاد فرمایا:

انا للہ وانا الیہ راجعون وعلی الاسلام السلام اذ قد بلیت الامۃ براع مثل یزید ولقد سمعت جدی رسول اللہ یقول الخلافۃ محرمۃ علی آل ابی سفیان[3]

---

[1] ارشاد مفید ص ۱۸۲

[2] تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۳۵ [3] لہوف ص ۱۱، نفس المہموم ص ۳۵

"یعنی اب ہمیں اسلام کو الوداع کہہ دینی چاہیئے اور اس کی فاتحہ پڑھ دینی چاہیئے کیونکہ اب امت مسلمہ یزید جیسے حاکم کے زیر نگیں ہوگئی ہے۔ میں نے اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سُن رکھا ہے کہ اولاد ابوسفیان کے لیے خلافت حرام ہے اور خلافت پر ان کا کسی طرح بھی استحقاق نہیں۔"

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عرب جس طرح آپس میں ملاقات کے وقت سلام کرتے ہیں اسی طرح ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت بھی سلام کہتے ہیں۔ جیسا کہ روایت موجود ہے۔ امام حسین علیہ السلام نے روزِ عاشورا وقتِ رخصت خاندانِ رسالت کی خواتین سے ارشاد فرمایا: "علیکن منی السلام" عرب اپنے خطوط کے اختتام میں کلمہ "والسلام" لکھتے ہیں۔ نہج البلاغۃ میں مولائے مؤمنین کے اکثر خطوط "والسلام" پر ختم ہوتے ہیں۔ نماز کے آخر میں پڑھا جانے والا اسلام نماز کے خاتمے کی دلیل ہے۔

امام عالیمقام کے اس جملے "وعلی الاسلام السلام" سے اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے کس قدر مصمّم ارادہ کیے ہوئے تھے۔ سیدالشہدا علیہ السلام کے دل و دماغ کن حالات کی وجہ سے انتہائی پریشان تھے۔ امام حسین علیہ السلام ایسی ہستی نہ تھے کہ وہ امور کو سرسری نظر سے دیکھیں اور ان کے نتائج سے بے خبر رہیں۔ یا یہ کہ وہ لوگوں اور عوامی مصالح سے چشم پوشی کریں۔ آپ نے مروان کو سمجھایا کہ یزید کی حکومت کا مطلب اسلام کے خاتمے کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور اس کے دور میں اسلام کو الوداع کہہ دینی چاہیئے۔ مسلمانوں پر ایک عظیم مصیبت نازل ہوگئی ہے۔ حضورِ ختمی مرتبتؐ کی حدیث بیان فرمانے سے آپ کا مقصود یہ تھا کہ یزید کی بیعت کا کوئی امکان نہیں۔ وہ بیعت کرکے اس کی ظالمانہ و غاصبانہ حکومت کو تسلیم نہیں کرسکتے۔ کیونکہ رسول خداؐ اس خلافت کو حرام قرار دے چکے ہیں۔

بنی ہاشم کے نام امام حسینؑ کا مکتوب
اور اپنے بھائی محمدؐ بن حنفیہؒ کے نام وصیت

یہاں ہم بنی ہاشم کے نام امام عالی مقام کے خط اور اپنے بھائی محمد بن حنفیہؒ کے نام وصیت کا بغور جائزہ لیں گے۔ کیونکہ ان دونوں سے حکومتِ وقت کے خلاف اقدام کا عزم صاف ظاہر ہوتا ہے۔

امام علیہ السّلام جس وقت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے تو اپنے بھائی محمد حنفیہؒ جو ایک بہادر، متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ اور آپ کی امامت پر اعتقاد رکھتے تھے کے نام ایک وصیت نامہ تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے اس تحریک کے اعلان کے علاوہ اس کے اسباب وعلل بھی بیان فرمائے۔ آپ نے جس راہ کا انتخاب فرمایا تھا اس کو واضح کیا۔ آپ نے ان صحیح وحقیقی عقائد کی طرف بھی اشارہ فرمایا ہے جو انسان کو باطل وغلط دعووں اور خواہشات نفسانی سے بچنے کی توفیق بخشتے ہیں۔ آپ نے عیاں فرمایا کہ حکومت وقت کی مخالفت سے ان کا مقصود امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس سے وہ سنت رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت علی المرتضیٰ علیہ السلام کا احیاء چاہتے ہیں۔ وصیت نامے کا عربی متن حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

ھٰذا ما اوصی بہ الحسین بن علی بن ابی طالب الی اخیہ محمّد المعروف بابن الحنفیہ ان الحسین یشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہٗ وان محمّدا عبدہ ورسولہ۔ جاء بالحق من عند الحق وان الجنۃ والنار حق وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا وان اللہ یبعث من فی القبور وانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا مفسدا ولا ظالما وانما خرجت لطلب الاصلاح فی امۃ جدی صلی اللہ علیہ واٰلہٖ، ارید ان اٰمر بالمعروف وانھی عن المنکر واسیر بسیرۃ جدی وابی علی بن ابی طالب فمن قبلنی بقبول الحق فاللہ اولی

بالحق ومن رد علی اصبر حتی یقضی اللہ بینی و بین القوم بالحق وھو خیر الحاکمین وھٰذہ وصیتی یا اخی الیک وما توفیقی الا باللہ، علیہ توکلت والیہ انیب[1]۔

ترجمہ

ابتدا خداوند عالم کے نام سے جو رحمٰن و رحیم ہے۔

یہ وہ وصیت ہے جو حسین ابن علی ابن ابی طالب (علیہم السلام) نے اپنے بھائی محمد معروف بہ ابن حنفیہ کے نام تحریر کی۔ حسینؑ ابن علی گواہی دیتا ہے کہ پروردگار عالم کے علاوہ اور کوئی لایق عبادت نہیں۔ وہ بے مثل و مثال ہے۔ یہ حسینؑ گواہی دیتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ وہ ذات حق سے دین حق لائے ہیں۔ بہشت و دوزخ اٹل حقائق ہیں۔ قیامت کا آنا برحق ہے اور اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ خداوند عالم اس دن ان مردوں کو زندہ کرے گا جو عرصے سے قبروں میں دفن ہیں۔

میں حسین ابن علی فتنہ و فساد، ظلم و ستم اور سرکشی کے لیے گھر بار چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ اس تحریک سے میرا مقصد صرف اتنا ہے کہ میں امت جد کے امور کی اصلاح کروں۔ میں چاہتا ہوں کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا احیا کروں، امت مسلمہ کو انتشار و افتراق سے نجات دلاؤں۔ اپنے جد محمد مصطفےٰ اور اپنے والد گرامی قدر علی المرتضیٰ علیہ السلام کی سنت و سیرت کی پیروی کی دعوت دوں اور جو کوئی میرے مقاصد کی پیروی کرتے ہوئے اس دعوت پر لبیک کہے تو اس کے لیے یہ بہت بہتر ہے اور خداوند عالم قبولیت حق کے لیے سزاوار تر ہے۔ جو کوئی میری دعوت عمل پر لبیک کہتے ہوئے میری مدد نہ کرے گا یا میری مخالفت پر کمربستہ ہو جائے گا تو میں صبر سے کام لوں گا۔ اور اعلائے کلمۂ حق سے دستبردار نہ ہوں گا۔

---

[1] بحار جلد ۴۴، صفحہ ۳۲۹ طبع جدید۔ نفس المہموم صفحہ ۴۳۔ مناقب ابن شہر آشوب کے مطابق امام نے بالکل یہی بات (الم اخرج اشرا و لا بطرا الی اللہ فاللہ اولی بالحق) عبداللہ بن عباس سے اس وقت کہی جب آپ کو عراق جانے سے منع فرما رہے تھے۔

Marfat.com

چاہیے مجھے یہ راہ اکیلے ہی طے کرنا پڑے۔ خدائے لایزال میرے اور اس قوم کے درمیان خود فیصلہ فرمائے گا اور وہ بہترین انصاف کرنے والا ہے۔ اے بھائی تمھارے لیے یہ میری وصیت ہے۔ خداوندعالم سے توفیق کا خواہاں ہوں اور اس پر ہی توکل کرتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانیوالا ہوں۔"

اپنے اس وصیت نامے میں امام عالی مقام نے بنیادی اور حقیقی عقائد کا اقرار و اعتراف فرمایا ہے۔ اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ امام علیہ السلام اس حقیقت سے واقف تھے کہ آپ کی شہادت کا دینی جواز اور قانونی ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ قاتلین کہیں گے کہ انہوں نے خلیفۂ حق کے خلاف خروج کیا تھا۔ اس لیے یہ واجب القتل تھے۔ بلکہ وہ کہیں گے کہ (معاذ اللہ) آپ دین سے خارج ہو چکے تھے۔ لہٰذا آپ نے اس وصیت میں توحید، رسالت اور قیامت کا واضح طور پر اقرار کیا ہے۔ پرہیزگاروں اور گناہ گاروں کے لیے جس جزا و سزا کا وعدہ کیا گیا ہے اس پر بھی اعتقاد کا اظہار فرمایا ہے۔

آپ کے یہ شکوک و شبہات دور از حقیقت معلوم نہیں ہوتے کیونکہ بنوامیہ کے سیاہ کار ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے کسی کام سے دریغ نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ انہوں نے کربلا میں سیدالشہدا اور دیگر شہدائے کربلا کے اجسام مطاہرہ کو سپرد خاک نہیں کیا۔ کیا اس حرکت سے ان کا مقصد (معاذ اللہ) امام عالی مقام کو خارج از دین ظاہر کرنا نہ تھا؟

اس وصیت نامہ میں ان بنیادی اور حقیقی عقائد بیان کرنے کی ایک وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ امام علیہ السلام یہ دکھانا چاہتے تھے کہ اسلام کے یہ بنیادی اصول آج خطرے میں ہیں۔ اور اگر حالات یونہی رہے تو عجب نہیں کہ خلافت کے ارباب بست و کشاد اصول دین میں تصرف کرنے سے بھی نہ چوکیں۔ درحقیقت حکومت کے خلاف امام عالیمقام کے اقدام کی اصل وجہ یہی تھی۔ کہ اسلام کے ان بنیادی اور حقیقی اصولوں کا تحفظ کیا جا سکے جن پر مسلمانوں کا مذہبی اور اجتماعی نظام استوار ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے اسلام کے بنیادی اصولوں کے اقرار کے بعد حکومت کے

Marfat.com

خلاف اپنے اقدام کے اسباب کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے کہ میں احیاء سنت رسول اور سیرت علی معاشرے کی اصلاح، نیکیوں کے فروغ اور امت میں انتشار و تباہی کے سد باب کے لیے کمربستہ ہوا ہوں۔ میرا یہ اقدام نفسانی خواہشات، خود غرضی اور سرکشی و بغاوت پر مبنی نہیں۔

ان تمام امور پر غور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسے حقائق جو معاشرے میں حق و انصاف کے ضامن ہیں، معدوم ہو گئے تھے۔ پھر حضور ختمی مرتبت کی سنت پاک اس دور میں اس انداز سے فراموش کر دی گئی تھی کہ انتہائی مضبوط و مستحکم اور شدید تحریک کے بغیر اصلاح احوال کی امید نہ کی جا سکتی تھی۔ تمام معاشرے میں پھیلے ہوئے انتشار اور بدعالیوں کا علاج عظیم حسینی انقلاب کے بغیر ممکن نہ تھا۔

وصیت نامہ کے آخر میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ آپ کے عزائم صمیم ہیں اور ان کی تکمیل کے لیے آپ تمام مشکلات و مصائب برداشت کرنے کے لیے تیار ہیں۔ اور اس کٹھن راہ کو طے کرنے کی توفیق خدا سے مانگتے ہیں۔ اور اسی پر بھروسا کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے زندہ بچ رہنے کی کوئی صورت نہ دیکھی اور بھانپ لیا کہ اگر سر تسلیم خم کر دوں تو بھی قتل کر دیا جاؤں گا۔ تو آپ نے شہادت کو اپنے لیے چن لیا۔ ایسا لکھنا یا سوچنا صریح غلطی ہے۔ اگر ارشادات امام عالی مقام کو بغور پڑھا جائے تو ایسا بے بنیاد اور باطل خیال پیش نہیں کیا جا سکتا۔

سید الشہدا علیہ السلام نے اپنی تحریک کے اصلی اسباب اور محرکات کی واضح طور پر نشان دہی فرما دی ہے کہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فروغ، اپنے نانا رسول خدا اور اپنے بابا جناب علی المرتضیٰ کی سنت کی تجدید کے لیے یہ انقلاب عظیم برپا کرنے والا ہوں۔ میں امت مسلمہ کی اصلاح کا مصمم ارادہ کر چکا ہوں تاکہ اس کو تباہی و فنا سے نجات دلا سکوں۔ میں اس لیے شہید ہونے نہیں جا رہا کہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔

غور طلب بات ہے کہ آخر امام علیہ السلام کے لیے زندہ رہنا ناممکن کیوں ہو جاتا۔ یزید تو

Marfat.com

صرف بیعت اور اپنی بداعمالیوں پر ان کی تنقید سے نجات چاہتا تھا۔ اگر آپ بیعت کر لیتے اور اس کی مخالفت سے دست کش ہو جاتے تو آپ کی پرسکون زندگی میں کوئی چیز حائل نہ ہوتی۔

محمد بن ابی طالب نے رسائل کلینی سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی امام حسین علیہ السلام کا وہ خط نقل کیا ہے جو آپ نے مدینے سے روانگی کے وقت بنی ہاشم کے نام تحریر فرمایا تھا۔ اس میں آپ لکھتے ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

من الحسین بن علی الی بنی ہاشم۔ اما بعد فانہ من لحق بی منکم استشہد ومن تخلف عنی لم یبلغ الفتح والسلام[1]

ترجمہ

ابتدا خدائے رحمٰن و رحیم کے نام سے

حسین بن علی کی طرف سے بنی ہاشم کے نام "بعد ازیں تم میں سے جو کوئی بھی متفق ہو کر میرے ساتھ چلے گا۔ وہ راہ حق میں جان دے کر شہید ہوگا اور جو کوئی پیچھے رہ جائے گا تو اسے فتح و کامرانی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔"

اس خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام عالیمقام نے اپنی اس عظیم تحریک کا آغاز فرما دیا تھا۔ آپ بخوبی جانتے تھے کہ اپنے اصحاب باوفا کے ساتھ آپ راہِ حق میں شہادت سے ہم کنار ہوں گے۔ آپ نے اسی لیے بنی ہاشم کو اپنی اعانت کی دعوت دی تھی تاکہ وہ اپنی جان دے کر امت مسلمہ کو تباہی و بربادی سے بچا لیں۔ آگے چل کر ہمیں اندازہ ہوگا کہ امام علیہ السلام کو پورا یقین تھا کہ وہ

---

[1] بحار، ج۴۴ ص۳۳۰ طبع جدید۔ لہوف میں سید بن طاؤس نے اس خط کو امام علیہ السلام کے حالات میں اس وقت درج کیا ہے جب آپ مدینے سے جا چکے تھے۔ لیکن علامہ مجلسی کی بحار سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے یہ خط مدینے سے باہر تشریف لے جاتے وقت تحریر فرمایا تھا۔

Marfat.com

اوران کے ساتھی بنو امیہ کے ہاتھوں شہید ہو جائیں گے اور آپ نے اس کے باوجود بھی موت کی پروا نہ کرتے ہوئے اعلائے کلمۂ حق کیا۔

اہلِ بصرہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا مکتوب

آپ کے مکتوبات میں سے آپ کا وہ خط جو اہل بصرہ کے نام ہے توجہ اور غور و فکر کے قابل ہے اور آپ کے مقدس مشن کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہم اس خط کو جو اس انقلاب اور تحریک کے اعلان کے مترادف ہے۔ تاریخ طبری سے نقل کرتے ہیں۔ طبری کے بقول (ایک مضمون کا) یہ خط بصرہ کے تمام شرفا اور مقتدر لوگوں کو بھیجا گیا تھا۔

اما بعد، فان اللہ اصطفیٰ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علیٰ خلقه واکرمه بنبوته واختاره لرسالته ثم قبضه اللہ الیه وقد نصح لعباده وبلغ ما ارسل به صلی اللہ علیہ وسلم ولنا واهله واولیائه واوصیائه وورثته واحق الناس بمقامه فی الناس، فاستأثر علینا قومنا بذلك فرضینا وکرهنا الفرقة واحببنا العافیة ونحن نعلم انا احق بذلك الحق، المستحق علینا ممن تولاه ...... وقد بعثت رسولی الیکم بهذا الکتاب وانا ادعوکم الی کتاب اللہ وسنة نبیه صلی اللہ علیه وسلم فان السنة قد امتیت وان البدعة قد احییت وان تسمعوا قولی وتطیعوا امری اهدکم سبیل الرشاد والسلام علیکم ورحمة اللہ[1]

بعد ازیں یہ کہ خداوند عالم نے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب رسالت پر فائز فرمایا اور نبوت سے ان کی قدر افزائی فرمائی۔ پھر انھیں اس وقت اپنے پاس بلالیا جبکہ وہ بندگانِ خدا کو پند و نصیحت کر چکے تھے اور اس کا پیغام اس کے

[1] تاریخ طبری، ج ۴، ص: ۲۶۶ ۔ حوادث سال ۶۰ھ ۔ کامل ابن اثیر، ج ۳، ص: ۲۶۸

بندوں تک پہنچا چکے تھے۔ ہم جو کہ ان کے اہل بیت ہیں، ان کے دوست، رشتہ دار، وصی اور وارث تھے اور ان کی جانشینی و قائم مقامی کے لیے ہر شخص سے زیادہ مناسب و بہتر تھے۔ لیکن ہماری قوم نے اس منصب کو اپنے لیے مخصوص کر لیا۔ اور ہم نے اپنے حق کے حصول سے اس لیے چشم پوشی کی کہ اُمتِ مسلمہ باہمی اختلاف اور تفرقہ بازی سے محفوظ رہے۔ اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ یہ منصب ہمارے لیے ان سے زیادہ سزاوار ہے جو اس پر مسلط ہیں۔

اب میں حسین ابن علی اپنے ایک نمایندے کو یہ خط دے کر تمھارے پاس بھیج رہا ہوں اور تمھیں کتاب خدا اور اتباع سنتِ پاک رسولؐ کی دعوت دے رہا ہوں۔ کیونکہ سنتِ رسول سرے سے ختم ہو چکی ہے۔ اور اس کی جگہ خلاف شرع کاموں نے لے لی ہے۔ اگر تم لوگ میری دعوت پر لبیک کہو اور میرے حکم پر سر اطاعت خم کر دو تو سعادت و نجات کی راہ پر لے چلوں گا۔"

یہ خط بھی مذکورہ وصیت کی طرح ان لوگوں کا قطعی جواب ہے جو امام علیہ السلام کے اقدام کو دفاعی اقدام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کو حکومت وقت کی غلط کاریوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ یہ خط جو کہ اہل بصرہ کی کسی تجویز یا دعوت کے بغیر ہی لکھا گیا، اس عظیم تحریک کا اعلان نہیں تو اور کیا ہے؟

اس خط کی ابتدا میں بھی آپ نے سب سے پہلے رسالت ختمی مرتبتؐ کا ذکر فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ خود، ان کے والد گرامی قدر علی مرتضیٰ، ان کے برادر محترم حسن مجتبیٰ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانشینی اور مسلمانوں کی سرپرستی کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں۔ دوسروں نے ان کے حق کو غصب کر لیا ہے۔ اور زبردستی مسند پیغمبرؐ پر براجمان ہو گئے ہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں: اسلامی نظام حکومت و طرز زندگی گزشتہ حکمرانوں کے ہاتھوں کلی طور پر تبدیل ہو چکا ہے۔ خلاف شرع امور اس کی جگہ لے چکے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اہل بصرہ کو کتاب خدا اور سنت رسولؐ

Marfat.com

پر عمل کرتے ہوئے اپنی مدد کرنے کی دعوت دی ہے۔ آپ نے راہ مستقیم کی نشاندہی کی ہے۔ اسلام کے واحد وفا شعار مددگار اور حجت خدا کی حیثیت سے آپ نے اپنی اطاعت کو عوام کی فلاح و بہبود اور گم گشتہ سعادت کے حصول کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔

امام حسین علیہ السلام جب مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تو عمرو بن سعید حاکم مکہ نے آپ کو ایک امان نامہ لکھ بھیجا کہ شاید آپ اس کو پڑھ کر واپس مکے آ جائیں۔ اس خط میں آپ کو فتنہ و فساد، امت کے باہمی افتراق و انتشار سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی گئی۔ آپ نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا:

بعد ازیں جو کوئی بھی لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے اور نکوکاری کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں تو ایسے شخص نے خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفانہ روش اختیار نہیں کی[1]

اس خط سے بھی ظاہر ہے کہ امام عالی مقام نے لوگوں کو اللہ کی طرف مائل کرنے اور ظالم و مطلق العنان حکومت کے خاتمے کے لیے یہ انقلاب برپا کیا تھا۔

امام حسین علیہ السلام کا خطبہ اور مشن کی ابتدا

امام حسین علیہ السلام نے وارد کربلا ہونے سے قبل بیضہ کے مقام پر اپنے ساتھیوں اور حر بن یزید کے لشکریوں کو خطاب فرماتے ہوئے جو خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں آپ نے اس مشن کے اسباب و علل پہلے سے زیادہ واضح طور پر پیش کیے۔ آپ نے فرمایا کہ ان حالات میں اس مشن کی تکمیل میرا فرض ہے اور یہ از خد ضروری ہے۔ پھر اس مقصد کے حصول کی کوشش کے لیے اس وقت امت مسلمہ میں سے کوئی شخص مجھ سے زیادہ بہتر و مناسب نہیں۔ ہم اس خطبے کو پہلے تاریخ

---

[1] اس خط کو عبدالوہاب نجار نے حاشیہ کامل۔ ابن اثیر میں تیسری جلد کے صفحہ ۲۷۶ پر نقل کیا ہے۔ "اما بعد فانہ لم یشاقق اللہ ورسولہ من دعا الی اللہ عزوجل وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین"

Marfat.com

طبری سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ اور اس کے مطالب عالیہ کا جائزہ پیش کریں گے۔

فحمد الله و اثنی علیه ثم قال ایها الناس ان رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم قال: من رأى سلطاناً[1] جائراً مستحلا لحرم الله، ناکثا لعهد الله مخالفا لسنة رسول الله صلی الله علیه واٰله وسلم، یعمل فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم یغیر ما علیه ولا قول کان حقا علی الله ان یدخله مدخله، ان هؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان و ترکوا طاعة الرحمٰن واظهروا الفساد، وعطلوا الحدود، واستأثروا بالفیئ واحلوا حرام الله وحرموا حلاله وانا احق من غیر وقد اتتنی کتبکم وقدمت علی رسلکم ببیعتکم انکم لا تسلمونی، ولا تخذلونی، فان تممتم علی بیعتکم تصیبوا رشدکم فانا الحسین بن علی وابن فاطمة بنت رسول الله، نفسی مع انفسکم واهلی مع اهلکم، فلکم فی اسوة ......[2]

اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ایسی حکومت کو دیکھے جس نے ظلم و جور کو اپنا شعار بنا لیا ہو، قوانین الٰہی میں تجاوز کرتی ہو، خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو درہم برہم کر رہی ہو۔ سنت رسولؐ کے برخلاف عمل پیرا ہو اور خدا کے بندوں کے ساتھ ظالمانہ و جابرانہ رویہ اختیار کیے ہوئے ہو۔ تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے گفتار و کردار سے اس کے ظلم و ستم اور گناہ کا سد باب کرنے کی کوشش کرے۔ جو کوئی یہ فرض پورا نہ کرے تو خداوند قدوس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو اس حکومت کے ارکان کے ساتھ عذاب میں مبتلا کر دے۔

---

[1] قرآن پاک میں لفظ "سلطان" غلبہ اور نبوت کے معنوں میں آیا ہے۔ اس خطبے میں اس لفظ سے امام کی مراد غالب و مقتدر حکومت ہے۔ بادشاہ کے لیے لفظ سلطان کا استعمال چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوا۔

[2] تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۰۴۔

Marfat.com

پھر ارشاد فرمایا: جان لو کہ یہ لوگ (یزید اور اس کے معاونین) شیطان کی پیروی کر رہے ہیں اور اس کو ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ انھوں نے اطاعتِ خداوندی سے منہ موڑ لیا ہے اس کے احکام کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور کھلم کھلا دینِ اسلام کو تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ حدود سے تجاوز کیا ہے۔ عوام کے خزانے اور مسلمانوں کے مال و دولت کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا ہے۔ محرماتِ الٰہی کو انھوں نے حلال قرار دے لیا ہے اور خدا نے جو کچھ حلال قرار دیا ہے اسے حرام کر لیا ہے۔ تمام مسلمانوں میں سے میں اس کام کے لیے بہترین ہوں کہ ان برائیوں کے سدباب کے لیے کمربستہ ہو جاؤں۔ تم نے بے شمار خطوط لکھے۔ تمھارے نمائندے میرے پاس پہنچے۔ سب نے تمھاری بیعت کا یقین دلایا تھا۔ تم نے لکھا تھا کہ مجھے دشمن کے حوالے نہ کرو گے اور میری امداد کرو گے۔ اب بھی اگر تم اپنے وعدۂ بیعت اور امداد کے ارادے پر قائم ہو تو سعادت و خوش بختی کو پا لو گے۔

میں حسینؑ جو علیؑ مرتضیٰ اور فاطمہؑ زہرا بنت رسولؐ اللہ کا فرزند ہوں۔ اس جہاد میں تمھارے ساتھ ہوں گا۔ میری عورتیں اور بچے تمھاری عورتوں اور بچوں کے ساتھ ہوں گے۔ تمھیں چاہیے کہ اس مشن میں میرا ساتھ دو اور میری پیروی کرو۔"

اس خطبے سے بھی آپ کے مشن کی رُوح دوسرے خطبات کی طرح عیاں ہے۔ اس کی ابتدا میں آپ نے حضورؐ ختمی مرتبت کی حدیثِ مطہرہ سے استدلال کیا ہے کہ ظالم و ستمگار حکومت سے ٹکر لینا ہر شخص کا فرضِ منصبی ہے۔ جو شخص بھی اس فرض کی ادائیگی میں سستی، کاہلی اور سہل پسندی سے کام لے گا۔ خداوند عالم کے غیظ و غضب کا نشانہ بنے گا۔ اور اس شخص کا حشر میں وہی مقام ہوگا جو اس ظالم کا ہوگا۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری ہے: ولا تطیعوا امر المسرفین الذین یفسدون فی الارض ولا یصلحون۔ (الشعراء آیۃ ۱۵۱ و ۱۵۲) حدودِ الٰہی سے تجاوز کرنے والوں کی اطاعت نہ کرو، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو روئے زمین پر فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح

Marfat.com

نہیں کرتے ۔ایک اور جگہ ارشاد باری ہے : انما السبیل علی الذین یظلمون الناس ویبغون فی الارض بغیر الحق ۔ (شوریٰ ، آیۃ ۴۲) جو لوگ بھی بندگان خدا پر ظلم و ستم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق فتنہ و فساد برپا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے خلاف آواز بلند کرنا ہر شخص کا فریضہ ہے۔

اسکے بعد امام عالی مقام نے آل ابی سفیان کی بد دیانتیوں اور سیاہ کاریوں کو تفصیل سے بیان فرمایا کہ ان لوگوں نے اطاعت خداوندی سے منہ موڑ کر نفسانی خواہشات اور افکار شیطانی کی پیروی شروع کر رکھی ہے ۔اس کا نتیجہ فتنہ و فساد ، حدود الٰہی سے تجاوز ، بیت المال کے ناجائز مصرف اور اس کو صاحبان اقتدار کی آسائش پر صرف کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا کی طرف سے متعین کردہ حلال و حرام کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ انھیں لوگوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود سے کوئی غرض نہیں ہے ۔

بیت المال میں موجود عوام کی دولت عوام کی معاشی مشکلات دور کرنے کے لیے صرف ہونی چاہیے ۔حلال و حرام الٰہی ہمیشہ محترم ہونی چاہییں اور ان پر عمل بھی ہونا چاہیے ۔معاشرے کو فتنہ و فساد سے سرے سے پاک کر دینا چاہیے۔ لیکن حکومت جس کے ذمے ان امور کی انجام دہی ہے ان سے بالکل لاتعلق ہے اور اس کے اقدامات ان کے بالکل برعکس ہیں۔

اس دور کے ان حالات میں مجھ حسینؑ ابن علیؑ، فرزند رسول سے بہتر اور مناسب کوئی شخص نہیں جو دین الٰہی کی امداد کے لیے میدان عمل میں نکل آئے اور ملت اسلامیہ کے زوال و تباہی کے امکانات کو ہمیشہ کے لیے سرے سے ختم کر دے ۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کا یزید اور بنو امیہ سے اختلاف ، نماز ، روزے اور مسجد کے لیے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنو امیہ نے ظلم و استبداد کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ وہ اسلام کے ان زرین اصول و قوانین کو پیروں تلے روند رہے تھے جو معاشرے اور فرد دونوں کے لیے ضامن فلاح ہیں ۔ امام عالی مقام کے مشن کا مقصد صحیح اسلامی احکام کا اجرا ، اقتصادی مساوات اور عدل و انصاف کا قیام تھا۔ آپ بخوبی

Marfat.com

آگاہ تھے کہ جب تک حکومت اور نظام حکومت دینی رنگ اختیار نہ کرلیں اور دینی روش نہ اپنائیں اس وقت تک مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوسکتے۔

اسی بنا پر آپ بیت المال کے ناجائز مصرف، حدود الٰہی سے غفلت، حلال وحرام کی خلاف ورزیوں کو اپنی تحریک اور مشن کے اسباب قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد اپنے حسب ونسب کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں: "میں علیؑ مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا بنت رسول کریمؐ کا بیٹا ہوں۔ میں اس مقدس جہاد کی پاکیزہ راہ میں تمھارے ساتھ ہوں۔ میرے اہل بیت (علیہم السلام) تمہارے اہل بیت کے ساتھ ہوں گے۔ سب ایک ہی انجام سے دوچار ہیں۔ میں نے اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ اس مشن کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا ہے۔ تمھیں بھی اپنے امام (علیہ السلام) کی پیروی کرنا چاہیے۔ فرزند پیغمبرؐ کا ساتھ دینے میں سستی اور غفلت نہ کرو۔"

یہ حقیقت ہے کہ امام حسین ابن علی علیہما السلام اسی مقصد کے حصول کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، مسلم بن عقیل اور عباس بن علی جیسے مردان باصفا اپنی تمام صلاحیتوں کے باوجود بھی کربلا نہ بسا سکتے تھے۔ یہ وہ انقلاب تھا جو آئندہ برپا ہونے والے تمام انقلابات کی ابتدا تھی۔ اسی نے اسلام کے دامن کو بنو امیہ کی سیاہ کاریوں سے پاک کر دیا۔

یہ امام حسین علیہ السلام ہی کا کام تھا اور جیسا کہ انھوں نے خود فرمایا کہ اس میدان کا مرد میں ہی ہوں۔ اگر امام عالی مقام کے علاوہ کوئی اور شخص ان حالات میں معرکۂ کربلا سے دوچار ہوتا تو مجھے حسینی مشن سے جو ثمرات عالم بشریت کو حاصل ہوئے اس کا سوواں بلکہ ہزارواں حصہ بھی حاصل نہ ہو سکتا۔

امام حسینؑ کے سامنے ایک ایسی دنیا موجود تھی جس پر ظلم وجور کی تاریکی محیط تھی۔ جس میں ناروا اعمال اور خلاف شریعت امور مروج تھے۔ یہ وہ معاشرہ تھا جہاں نور محمدی کی ضیا پاشیاں ماند ہوجاتی تھیں۔ توحید پرستی، فضائل انسانی اور تقوٰی اپنا اعتبار کھو چکے تھے۔ امام عالی مقام یکے بعد دیگرے پیش آنے والے حوادث سے دوچار ہوتے ہوئے اپنے اٹل ارادوں اور عزائم صمیم کے

ی منزل کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

اپنی کتاب تذکرہ میں علامہ سبط ابن جوزی نقل فرماتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام مکہ سے
رق کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں بستان بنی عامر کے قریب آپ کی ملاقات فرزدق سے [redacted] فرزدق
ہمئی جو عالم اسلام کے مشہور شاعر تھے۔ اس نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: فرزند رسول! آپ
ی عجلت میں مراسم حج کی بجا آوری کے بغیر ہی کہاں تشریف لے جا رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا:
یں جلدی نہ کرتا تو گرفتار ہو جاتا، اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرزدق سے پوچھا: اہل کوفہ کے
رے میں تمھارے پاس کیا اطلاع ہے۔ اس نے کہا: میں اہل کوفہ کو اس حال میں چھوڑ آیا ہوں کہ
ے کے قلوب آپ کے ساتھ ہیں اور ان کی تلواریں بنی امیہ کے ساتھ ہیں۔ خدا کے لیے اس راہ کو
ل کر دیجیے۔ امام عالی مقام نے ارشاد فرمایا:

اے فرزدق! بنی امیہ نے شیطان کی راہ اختیار کر لی ہے اور اطاعت خداوندی کو یکسر فراموش
کر دیا ہے۔ اسلامی معاشرے کو فتنہ و فساد سے بھر کر تباہی کے کنارے پر پہنچا دیا ہے۔ خداوند
دوس کی متعین کردہ حدود کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ کھلے بندوں شراب پیتے ہیں۔ وہ مال جو عوام
سے حاصل ہوتا ہے اور جس پر ان ہی کا حق ہے، انھوں نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کر لیا
ہے۔ ملت اسلامیہ میں سے میں ہی وہ مناسب ترین انسان ہوں جو دین الٰہی کی حمایت اور شریعت
اسلامی کا وقار بلند کرنے کے لیے خدا کی راہ میں جہاد پر کمر بستہ ہو جائے تاکہ خدائے لایزال کا بول بالا ہو۔[1]

اپنی تحریک کے اسباب کے متعلق آپ نے جو فلسفہ فرزدق کے سامنے بیان فرمایا۔ یہ وہی
حکمت ہے جو آپ نے اپنے ساتھیوں اور سپاہ حر بن یزید کے سامنے بیان فرمائی تھی۔

شیخ مفید اور طبری کی بیان کردہ روایت کے مطابق امام حسین علیہ السلام نے منزل
شراف میں اپنے ساتھیوں اور حر کے لشکریوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی اور سب نے عصر و
ظہر کی نماز آپ کی اقتدا میں ادا کی۔ اختتام نماز پر آپ نے اپنا رخ پر نور لوگوں کی طرف کیا

---

[1] تذکرہ سبط ابن جوزی، ص: ۱۲۰، باب ۹

Marfat.com

اور خدائے بزرگ و برتر کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا: اے لوگو! اگر تم دلوں میں خوفِ خدا رکھتے ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو اور حق کو اہلِ حق کی ملکیت سمجھتے ہو تو خداوند قدوس کی رضا اس میں ہی مضمر ہے۔ ہم خاندان پیغمبر اسلام تمہاری سرپرستی اور پیشوائی کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہیں جو آج کرسیٔ اقتدار پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ وہ اس مقام و مرتبے کے دعوے دار ہیں جس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ انھوں نے تم پر ظلم و ستم اور زیادتیوں کو روا رکھا ہے۔ اگر تم کو میرا آنا ناپسند ہے اور تم اپنی اس رائے کو بدل چکے ہو جس کا اظہار اپنے نمائندوں اور خطوط کے ذریعے کر چکے ہو تو میں واپس چلا جاتا ہوں۔"

حر بن یزید نے امام علیہ السلام کی بات کا یہ جواب دیا کہ "خدا کی قسم! مجھے ان خطوط کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔" اس پر آپ نے ایک صحابی عقبہ بن سمعان کو حکم دیا اور وہ دو برتن اٹھا لایا جو ان خطوط سے بھرے ہوئے تھے۔ پھر حُر اور اس کے ساتھیوں کے قریب یہ خطوط زمین پر ڈھیر کر دیے۔ حُر نے ان کو دیکھنے کے بعد کہا: "ہم نے ایک خط بھی نہیں لکھا۔"

"ہمیں اس بات پر مامور کیا گیا ہے کہ جیسے ہی آپ سے مڈبھیڑ ہو آپ کا راستہ روک کر آپ کو کہیں بھی جانے نہ دیا جائے اور ابن زیاد کے پاس لے جایا جائے۔" اس پر امام عالیمقام نے فرمایا: "تمہارے اس کام سے موت تمہارے قریب ہو رہی ہے۔"

اس کے بعد امامؑ نے ساتھیوں کو کوچ کا حکم دیا۔ جب سب سوار ہو گئے تو آپ نے فرمایا: "لوٹ چلو" لیکن حُر بن یزید اور اس کا لشکر آپ کی واپسی میں حائل ہو گیا۔ بے انتہا کشمکش کے بعد آپ نے وہ راستہ اختیار کیا جو مدینے کو جاتا تھا نہ کوفہ کو...... اسی اثنا میں حر بن یزید ریاحی نے اپنے خیال کے مطابق خیر خواہی کرتے ہوئے ناصحانہ انداز میں آپ سے کہا: آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ جنگ نہ کریں کیونکہ جنگ کی صورت میں آپ سب شہید کر دیے جائیں گے۔

امامؑ نے برہم ہو کر فرمایا: کیا تم مجھے موت سے ڈراتے ہو؟ کیا تم میرے مارے جانے

Marfat.com

سے تم لوگ مطمئن وخوش حال ہو جاؤ گے ؟ کیا تمھارے مصائب ومشکلات کا حل مل جائے گا؟ میں تم سے وہی بات کہوں گا جو اس مرد اوسی نے کہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ رسولؐ خدا کی اعانت کرے، اس کے چچیرے بھائی نے اسے خوف دلاتے ہوئے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ " اس راستے پر تو موت یقینی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا کہ میں اس راہ پر ضرور چلوں گا، بہادر کو موت سے کوئی عار نہیں۔ اگر جری مسلمان کی نیت نیک ہو تو وہ لازماً جہاد کرے گا۔ پھر اپنی جان بھی نیک انسانوں کی امداد کرتے ہوئے دے گا۔ ظالموں سے کنارہ کشی اختیار کرے گا اور سیہ کار و پلید لوگوں کی مخالفت کرے گا۔ اس صورت میں اگر میں زندہ رہا تو مجھے کوئی شرمندگی نہ ہوگی اور اگر مارا گیا تو کوئی مجھے ملامت نہ کرے گا۔ ایسے حالات میں انسان کا زندہ رہنا ہی اس کی ذلت و رسوائی کے لیے کافی ہے[۱]۔

امام عالی مقام کے ان ارشادات گرامی اور طرز عمل سے اس کے علاوہ اور کیا نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ آپ کا مشن اولاد ابوسفیان کی ظالمانہ حکومت کے خلاف تھا۔ آپ کے ان واضح اور قطعی اقوال کے باوجود بھی کیا یہ دعوٰے کیا جا سکتا ہے کہ آپ کی جدوجہد دفاعی تھی؟ اور آپ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرے کو پیش آنے والے حوادث سے لاتعلق ہو کر گوشۂ تنہائی میں اپنے معمولات کو جاری رکھتے ہوئے زندگی گزار دیں۔ یہ بات کس

۱؎ ارشاد مفید صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴۔ اس مرد اوسی کے اشعار یہ ہیں:

سامضی وما بالموت عار علی الفتی
اذا ما نوی حقاً وجاهد مسلماً
وواسی الرجال الصالحین بنفسه
وفارق مثبوراً وخالف مجرماً
فان عشت لم اندم وان مت لم الم
کفیٰ بك ذلاً ان تعیش وترغما

تاریخ طبری میں آخری شعر درج نہیں، اور بقیہ اشعار میں بھی بعض حروف ارشاد سے مختلف ہیں۔ یہ اشعار الارشاد سے نقل کیے گئے ہیں۔

طرح قابل یقین ہو سکتی ہے کہ آپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک و پاکیزہ دین کو بنو امیہ کی غارت گری سے بچانے کے خواہاں نہ تھے اور آپ نے یزید کے مقابلے میں صرف اپنا دفاع کیا تھا۔

طبری اور سید بن طاؤس نقل کرتے ہیں: امام حسینؑ نے مکہ سے جب عراق کا قصد کیا تو تنعیم کے مقام پر جو مکہ مکرمہ سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے۔ ان کی ایک قافلہ سے مڈبھیڑ ہوئی۔ جو یمن سے یزید کے لیے تحائف اور نذرانے لے کر شام جا رہا تھا۔ اس کے پاس زیورات اور خصوصی قسم کے رنگ موجود تھے جو لباس کی رنگائی میں استعمال ہوتے ہیں۔ امام علیہ السلام نے سب اسباب ضبط کر لیا۔ پھر اونٹوں کے مالکوں اور ساربانوں سے فرمایا: تم میں سے جو بھی چاہے ہمارے ساتھ عراق جا سکتا ہے۔ ہم اس کے اخراجاتِ سفر برداشت کریں گے۔ اور حُسنِ سلوک سے پیش آئیں گے اور جو یہاں ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتے ہیں تو جتنی مسافت طے ہو چکی ہے اُسے اسی حساب سے خرچ سفر ہم دیں گے۔ چنانچہ بعض لوگ امام عالی مقام کے شریک سفر ہو گئے اور باقی لوگوں نے اپنی راہ لی[۱]

یہ کارروائی آپ کی تحریک کی اصل روح کو آشکار کرتی ہے کہ آپ کا اصل مشن حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا تھا نا کہ محض اپنا دفاع۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے آپ کی فرزدق کے ساتھ گفتگو کو علامہ سبط ابن جوزی سے متفرق انداز میں نقل کیا ہے۔ آپ کے ارشادات وہی ہیں جو آپ نے حُر بن یزید سے ارشاد فرماتے تھے۔ مختصراً آپ نے فرمایا: میں اس مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچاؤں گا۔ اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو بہتر۔ لیکن قضائے الٰہی سے اس کے برخلاف ہوا تو پھر بھی تقویٰ پرہیزگاری کی راہ پر گامزن، یہ خدا کا بندہ ہرگز ہلاکت سے دوچار نہ ہو گا۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے:

مشہور شاعر فرزدق بیان کرتا ہے کہ ۶۰ھ میں میں اپنی والدہ کو فریضۂ حج کی ادائیگی

---

[۱] لہوف ص ۲۱، تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۹۰۔

کے لیے اونٹ پر سوار کیے چلا آرہا تھا کہ حدودِ حرم پاک میں داخل ہو گیا۔ میں نے جناب امام حسینؑ کو دیکھا کہ اپنے اسلحہ کے ساتھ مکّہ سے باہر تشریف لا رہے تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ اونٹوں کی قطار کس کی ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ اونٹ جناب امام حسین علیہ السلام کے ہیں۔ پس میں آپ کے پاس گیا اور بعد سلام عرض کیا: خداوند عالم آپ کو اپنے مقاصد و عزائم میں دلخواہ کامیابی عطا فرمائے۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ اے فرزند رسول! آپ نے اتنی عجلت کیوں فرمائی کہ اعمال حج کو بجالائے بغیر ہی حرم سے باہر تشریف لے جا رہے ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا! کہ تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایک عرب ہوں۔ خدا کی قسم! انھوں نے اس سے زیادہ میرے متعلق مجھ سے اور کچھ دریافت نہیں کیا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: تم اہل کوفہ کے پاس سے آرہے ہو ان کے بارے میں مجھے اطلاعات بہم پہنچاؤ۔ میں نے کہا: آپ اس شخص سے یہ سوال کر رہے ہیں جو کوفے کے حالات سے بخوبی واقف ہے۔ لوگوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں لیکن شمشیریں آپ پر وار کرنے کو تیار ہیں۔ قضا و قدر خدا کے ہاتھ میں ہے اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: "صدقت لله الامر وكل يوم هو فی شأن۔ ان نزل القضاء بما نحب ونرضى فنحمد الله على نعمائه وهو المستعان على اداء الشكر، وان حال القضاء دون الرجاء فلم يبعد من كان الحق نيته والتقوى سريرته"[1]

یعنی، تم نے جو کچھ کہا بالکل درست کہا۔ تمام امور خداوند عالم کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہمہ وقت امور کی انجام دہی میں لگا ہوا ہے۔ اگر تقدیر اور احکام الٰہی ہماری مرضی و رضا کے مطابق ہوں تو پھر خدائے لایزال کا اس کی نعمتوں کے لیے شکر ادا کرنا چاہیے اور شکر ادا

---

[1] ارشاد مفید صفحہ ۲۰۱۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۲۹۰ میں یہ واقعہ تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔

Marfat.com

کرنے کی توفیق بھی اس کی دی ہوئی ہے۔ اگر حکم خدا سے توقعات اور امیدوں کی راہ مسدود ہو جاتی ہے تو پھر بھی جس کی نیت حمایت حق اور جس کا باطن تقویٰ و پرہیزگاری ہو، وہ تباہی و ہلاکت سے دوچار نہ ہو گا۔"

فرزدق کا بیان ہے کہ اس وقت میں نے امام عالیمقام سے حج و نذر کے متعلق مسائل پوچھے اور آپ کے ارشادات سُنے۔ اس کے بعد آپ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تشریف لے گئے۔ اس گفتگو سے بھی حسینی مشن کے اسباب واضح ہوتے ہیں۔

قارئین کرام جانتے ہیں۔ اس باب میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ امام حسین علیہ السلام کا مشن بنوامیہ کی سیہ کاریوں اور بداعمالیوں کے خلاف جدوجہد تھی۔ آپ کے مشن کو دفاعی مشن قرار دینا غلط فہمی، کم علمی اور آپ کے ارشادات پر غور و فکر نہ کرنے کی دلیل ہے۔

ہر وہ شخص جو حق و انصاف کے ساتھ تحقیق کرے اور اس باب میں بیان شدہ مطالب کا بغور مطالعہ کرے تو اسے ہمارے اس دعویٰ کی صحت کا یقین ہو جائے گا۔

عالم بشریت کو سیدالشہدا علیہ السلام نے جو ابدی درس دیا، پھر آپ نے اسلام اور کلمۂ حق کی سربلندی کے لیے جو مصائب و مشکلات برداشت کیں، یہ مقدس تحریک جو انسانیت کی عزت و آن بن گئی۔ جس نے انسانیت کو سُرخ رو کر دیا۔ اپنی غیر معمولی قدر و منزلت اور عظمت کا تحفظ اسی صورت میں کر سکتی ہے کہ وہ باطل کے خلاف حق کی آواز ہو اور ظلم کے خلاف عدل و انصاف کا مطالبہ ہو۔ لیکن اگر تحقیق نہ کی جائے اور ان غلط قسم کے طریقوں اور قاعدوں سے سیدالشہدا علیہ السلام کے اس مقدس مشن کا جائزہ لیا جائے جو صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اور اس کو صرف دفاعی اقدام قرار دیں تو اس طرح ہم اس عظیم ہستی کی قدر و منزلت کو کم کریں گے۔ اور آپ نے عزم و ہمت شکن اور طاقت انسانی سے بالا جو مصائب و مشکلات برداشت کیے ان کو یکسر فراموش کر دیں گے۔

Marfat.com

جنگ تضاد

حُسینی مشن کی اصل حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جناب امام حسین علیہ السلام اور بنوامیہ کے اختلاف کا جائزہ لیا جائے۔ اس لیے ہم اس نئے باب میں اس پر تحقیق کریں گے۔ اگرچہ گزشتہ ابواب میں کم وبیش اسی پر تحقیق کی گئی ہے اور کتاب کے دیباچے میں بھی اس کا اشارتاً ذکر ہوا ہے۔

جب شیعان علیؑ کو مستقل اور پائیدار حکومت حاصل ہوئی تو انھیں ایک گونہ اطمینان و سکون نصیب ہوا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان میں ظلم کے خلاف جد وجہد کا جذبہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ ان کے اذہان سے وہ معرکے محو ہوتے گئے جو امویوں، عباسیوں اور دوسرے حکمرانوں کے خلاف برپا ہوئے تھے۔ لوگوں کے دلوں میں اپنے ان حاکموں سے الفت و محبت کے جذبات پیدا ہوئے جو اموی اور عباسی خلفا کی مانند ان کے ائمہ اور ان کے دین کو بے ادبی کی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے۔ جن لوگوں کی سرکوبی کا درس حسینی مشن نے دیا تھا۔ ان کو محبان حسین میں سے سمجھ لیا گیا۔ یہ لوگ جو عملی طور پر یزید کی پیروی کرتے تھے۔ انھیں یزید کا دشمن تصور کیا جانے لگا۔

ان سیہ کار حاکموں اور عوام کے درمیان خوشگوار تعلقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے مظالم کو نظرانداز کیا گیا، معرکہ کربلا کے حقیقی اسباب محدود ہو کر رہ گئے اور لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے اور بالآخر شیعوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ امام عالیمقام کے مشن کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ غیبت نہ کریں، جھوٹ نہ بولیں اور فریضہ نماز کی ادائیگی سے غفلت نہ کریں۔

وہ اس حقیقت سے غافل تھے کہ امام علیہ السّلام کا یزید کے ساتھ اختلاف ان مسائل کی وجہ

Marfat.com

سے نہ تھا۔ حالانکہ ایسی برائیاں عوام میں ہمیشہ ہی ہوتی ہیں۔ ان کی اصلاح نیک اور صالح حکام اور نکوکار مقتدر ہستیوں کے موجود ہونے سے خود بخود ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اَلنَّاسُ عَلیٰ دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ لوگ ہمیشہ ہی حاکموں کے مذہب پر چلتے ہیں۔

یہ حقیقت مدنظر رہنی چاہیے کہ دور یزید میں لوگ نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، فریضۂ حج ادا کرتے تھے، ان کی مسجدیں آباد تھیں۔ یزید یا اور کوئی بھی لوگوں کو ان اعمال کی بجا آوری سے نہ روکتا تھا بدکار اور ظالم حاکموں کا مقصد تو اور ہی ہوتا ہے۔ وہ انفرادی اور مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کرتے جو ان کے مقاصد کی تکمیل میں رکاوٹ نہ ہوں۔ مقام تاسف تو یہ ہے کہ یہ لوگ کوئی ایک آدھ مسجد تعمیر کروا کر یا ائمۂ معصومین علیہم السلام کی اولاد میں سے کسی کا مقبرہ بنوا کر لوگوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دین مبین کے حامی و طرف دار بن جاتے ہیں۔

بنی امیہ کے ساتھ امام عالیمقام کے اختلافات کی تفصیل خود سید الشہدا علیہ السّلام کے ارشادات اور اس دور میں اصلاح احوال کا مطالبہ کرنے والوں کے مطالبات سے ظاہر ہے۔ یہ اختلاف اسلامی نظام حکومت اور اجتماعی امور کی بنا پر تھا۔ کیونکہ بنی امیہ نے اسلامی نظام حکومت کو یکسر بدل کر رکھ دیا تھا۔ انھوں نے جور و استبداد کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔ قوانین الٰہی کو پامال کر رہے تھے اور سنتِ پیغمبر علیہ السّلام سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا۔

عوام کو ان کی زندگی کے ضروری لوازمات سے کلی طور پر محروم کر کے اپنے ظلم و ستم کے خونیں ہاتھوں میں جکڑ رکھا تھا۔ وہ دین اسلام اور امت مسلمہ کے مفادات سے کھیلتے تھے۔ غرض کہ انھوں نے ایک ایسے معاشرے کو جنم دیا تھا جس پر ظلم و ستم کی تاریکیاں محیط تھیں۔ جو انسانی فلاح اور آسائشات حیات سے کلی طور پر عاری تھا۔

اس کے برعکس حضرت امام حسین علیہ السّلام کا دعویٰ یہ تھا کہ حکومت و سیاست دین کے تابع ہونی چاہیے۔ لوگوں کا مقدر اہل ستم کے ہاتھوں میں نہ ہونا چاہیے۔ بیت المال جو رعایا کی دولت سے معمور رہے اسے ان ہی کی مشکلات دور کرنے کے لیے استعمال ہونا چاہیے۔ معاشرتی

Marfat.com

ومعاشی انصاف کا دور دورہ ہونا چاہیے۔ ہر کس وناکس پر قوانین کا اطلاق یکساں طور پر ہونا چاہیے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام اپنے خطبات وارشادات میں خدائے بزرگ وبرتر کی متعین فرمودہ حدود کی خلاف ورزی، بیت المال کے ناجائز استعمال، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے غفلت، عوام پر توڑے جانے والے مظالم اور امور زشت کے رواج کا ذکر فرماتے رہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی کتب تاریخ میں نقل کیا جاتا ہے: "اذا بلغ بنو ابی العاص ثلثین رجلًا جعلوا مال اللہ دولًا وعباد اللہ خولًا ودین اللہ دغلًا"[1]

جب ابوالعاص (فرزند امیہ) کے بیٹوں کی تعداد تیس ہو جائے گی تو یہ خدائے پاک کی دولت ومال کو اپنے لیے مخصوص کر لیں گے اور خدا کے بندوں کو غلام بنا کر مال تجارت بنا لیں گے اور خداوند قدوس کے نازل فرمودہ دین اسلام کو سرمایہ مکر وفریب قرار دیں گے۔

بیت المال کو اپنے تصرف میں لانا، عوام کو غلام حلقہ بگوش بنانا اور دین وآئین الٰہی میں مکر وفریب کو جگہ دینا، ظالم وجابر حکومت کی تین بنیادیں ہیں۔ مطلق العنان اور جابر حکومت میں حکام کے نالائق وتن آسان بیٹوں کی آسائش کی خاطر محنت کش طبقے کی خون پسینے کی کمائی سے حاصل ہونے والے بیت المال کو بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔ عوام کے تمام حقوق اور اختیارات سلب کر لیے جاتے ہیں۔ غلاموں کی طرح ان کی کوئی رائے نہیں ہوتی۔ حکومت اپنے عزائم کی تکمیل کے لیے جیسے انھیں چاہتی ہے استعمال کرتی ہے اور دین کے نام پر سادہ لوح عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

مذکورہ حدیث شریف میں جس ابوالعاص کا ذکر ہے وہ امیہ بن عبد شمس کا بیٹا تھا اور اس کی اولاد بنو امیہ ہے۔ اس کا اطلاق خلافت سوم، دور معاویہ اور یزید پر ہوتا ہے۔ اولاد ابوسفیان کی حکومت اور سیاست نے جس کا دارومدار مذکورہ تین بنیادوں پر تھا۔ اسلامی معاشرے کو تباہی وبربادی سے دوچار کر دیا۔ سید الشہداء دین اسلام کے صحیح اصولوں کے اجرا کے خواہشمند تھے۔

---

[1] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۱۲۰۔ شرح ابن ابی الحدید ۲ صفحہ ۵۶۴ طبع بیروت۔

Marfat.com

انھوں نے اس ظالم وجابر حکومت کے خلاف جہاد کیا اور حضور ختمی مرتبت کے عطا فرمودہ پاک و پاکیزہ دین کو بنو امیہؑ کی دستبرد سے محفوظ کر دیا۔

تاریخ کی جن کتابوں میں مرد جلیل امام حسین علیہ السّلام اور مفاد پرست یزید کے حالات درج ہیں ان کے مطالعہ سے مذکورہ اسباب اختلاف بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ جن حقایق پر روشنی ڈالی جا چکی ہے اس کے علاوہ بھی چند حقایق ذیل قابل غور و فکر ہیں۔ شیخ مفید، طبری اور کامل ابن اثیر نے اپنی کتب تاریخ میں لکھا ہے کہ معاویہ کے انتقال کے بعد جب یزید تخت نشین ہو گیا تو کوفہ کے شیعوں نے مندرجہ ذیل مضمون کا خط امام حسینؑ کی خدمت میں ارسال کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ خط سلیمان بن صرد، مسیب بن نجبہ، رفاعہ شداد بجلی، حبیب بن مظاہر اور کوفہ کے دوسرے صاحب ایمان مسلمان امام حسین بن علی علیہما السلام کی خدمت میں لکھتے ہیں۔ آپ پر درود و سلام ہو۔ ہم خدائے واحد لاشریک کی حمد و ثنا میں آپ کے ہمنوا ہیں۔ تعریف و تمجید اس خدائے لایزال کے لیے ہے جس نے آپ کے ظالم اور کینہ پرور دشمن کو پیوند خاک کر دیا۔ وہ دشمن جو اس قوم پر مسلط تھا، ناجائز طور پر اس نے حکومت کو اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ اس نے عوام کے خزانے بیت المال کو اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا۔ اس نے امت مسلمہ کی مرضی کے خلاف اقتدار پر قبضہ کیا اور قوم کے نکوکار افراد کو قتل کروا دیا اور ان کا نام و نشان مٹا دیا۔ لیکن فتنہ پروروں اور سیاہ کاروں کو زندہ رہنے دیا۔ اس نے بیت المال کو جو خدا کا مال تھا دولتمندوں اور ظالموں کے سپرد کر دیا تھا۔ وہ قوم ثمود کی طرح رحمت خداوندی سے محروم ہے۔ عریضہ تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم اہل عراق کا اس وقت کوئی امام یا پیشوا نہیں ہے آپ ہمارے یہاں تشریف لے آئیے ہو سکتا ہے کہ خداوند

قدوس آپ کے وسیلے سے ہمیں بھی حق پر مجتمع کر دے۔[1]

اس خط میں جہاں بیت المال کی تاراجی، مردانِ حر کی سرکوبی، بدکار و بدعملوں کی آزادی کا ذکر ہے وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بنی امیہ کی حکومت امت پر زبردستی مسلط ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ امام عالی مقام اور بنو امیہ کے درمیان اختلافات مذکورہ امور پر مشتمل تھے۔ مختصر یہ کہ یہ کشمکش عدل و انصاف کی علمبردار حکومتِ الٰہی اور ظالم و جابر حکومت کے مابین تھی۔

گزشتہ صفحات میں آپ کے اس خط کا ذکر ہوا جو آپ نے اہل بصرہ کو لکھا تھا۔ سید بن طاؤس کا بیان ہے کہ جب امام عالی مقام کا گرامی نامہ اہل بصرہ کو موصول ہوا۔ تو یزید بن مسعود نے بنی تمیم، بنی حنظلہ اور بنی سعد کی ایک میٹنگ بلائی اور ان سے کہا: تمہارے نزدیک میری قدر و منزلت اور اعتبار کس حد تک ہے؟ انھوں نے جواب دیا: خدا کی قسم! آپ اس قوم کے اہل فقر میں ستون کی مانند ہیں اور اس طائفہ کے لیے فخر و مباہات کا نشان ہیں۔ آپ عزت و شرف اور فضیلت و بزرگی کا ممتاز نمونہ ہیں۔ تب یزید بن مسعود نے کہا: میں نے آپ لوگوں کو ایک مقصد کے تحت جمع کیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں آپ لوگوں سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بولے قسم بخدا! ہم بہترین رائے دیں گے۔ آپ ارشاد فرمائیے تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم ہو۔ یزید بن مسعود بولے: آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو چکا ہے اور وہ ایسی ہستی نہیں تھی کہ ہم اس کی موت پر ملول و رنجور ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ ظلم و ستم اور گناہوں کا دروازہ ٹوٹ کر گر گیا ہے اور ظلم کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ معاویہ نے اپنی موت سے قبل ہی اپنے بیٹے یزید کے لیے مسلمانوں سے زبردستی بیعت لی اور سوچا کہ اب اس کی حکومت مضبوط و مستحکم ہو گئی ہے۔ لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس نے حتی الامکان بھرپور کوشش کی لیکن پھر آخر میں اس کی کوششیں سست ہو گئیں۔ اس نے جان بوجھ کر خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اب اس کا شراب خور، فاسق و فاجر اور سیاہ کار و بدکار بیٹا یزید خلافت کا مدعی ہے۔

---

[1] ارشاد مفید ص ۱۰۵۔ طبری ج ۴ ص ۲۶۱۔ کامل ج ۳ ص ۲۶۶

اور مسلمانوں کی مرضی کے خلاف مسند حکومت پر مسلط ہے۔ وہ احمق اور کمزور شخصیت کا حامل انسان ہے۔ وہ اس قدر پست فطرت اور کم عقل ہے کہ احکام خداوندی کی رو سے اپنا مقام بھی نہیں جانتا۔ خدا کی قسم! اس کے ساتھ دین اسلام اور خوشنودی خدا کے لیے جنگ کرنا مشرکین سے لڑی جانے والی جنگوں سے بھی بہتر ہے۔

دوسری طرف امام حسین علیہ السلام فرزند رسولؐ جو حقیقی شرف و فضیلت کے حامل اور صائب الرائے ہیں۔ علم و حکمت میں آپ کے مرتبے کا اندازہ اور آپ کے فضائل و مناقب کا تعین انسانی طاقت سے باہر ہے۔ آپ خلافت کے صحیح حق دار ہیں۔ آپ کا تابناک ماضی اور پیغمبرؐ اسلام کیساتھ آپ کی قرابت اظہر من الشمس ہے۔ آپ سب انسانوں پر بلا لحاظ مقام و مرتبہ مہربان ہیں۔

وہ عظیم راہنما اور سچے قائد ہیں۔ آپ لوگ نورِ خدا کی تجلیوں سے چشمِ بصیرت بند نہ کریں اور کسی کو بھی بغیر نبوت کے اختیار نہ کریں۔ آپکے قبیلے کا فرد صخر بن قیس جنگِ جمل میں جناب علی المرتضیٰ کی نصرت سے باز رہا۔ اس بات سے ہم شرمندہ ہیں۔ اب اس داغ شرمندگی کو اس طرح دھو سکتے ہیں کہ فرزند رسول کی نُصرت کے لیے روانہ ہو جائیں۔[۱]

یزید بن مسعود کی یہ تقریر بھی انہی مطالب و معانی کی حامل ہے جو اس دور کے دیگر مصلحین و مردانِ حُر سے منقول ہیں۔ اس میں یزید کا خلافت کے لیے نااہل ہونا اور انتقالِ معاویہ سے بنیادِ ظلم کے متزلزل ہونے کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہے کہ امام عالی مقام امت مسلمہ کی معاشرتی مشکلات کو حل کرنے اور اسلامی معاشی و معاشرتی عدل کو رائج کرنے کے لیے میدان میں نکلے تھے۔ آپ ہر کس و ناکس اور ہر چھوٹے بڑے پر مشفق و مہربان تھے۔ ... کے درمیان اختلاف کے اسباب بخوبی اس سے سمجھے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح منزل ذی حسم میں امام حسین علیہ السّلام نے اپنے مختصر خطبے میں اپنے ساتھیوں کو اس دور کے ابتلاء سے روشناس کروایا ہے۔ فرماتے ہیں:

---

[۱] لہوف ص ۲۳، ۲۴

"معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ آج تم دیکھتے ہو دنیا کے حالات خراب سے خراب تر ہیں۔ اس کی خوبیاں روبہ زوال ہیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور اس دنیا کے ظرف میں ذلیل و پست زندگی اور چند خوبیوں کی تلچھٹ رہ گئی ہے۔ آج دنیا وہ چراگاہ ہے جس میں مضرت رساں گھاس کے علاوہ اور کچھ نہیں اگتا۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا۔ باطل کی راہ میں رکاوٹ پیدا نہیں کی جاتی۔ ان حالات میں مرد مومن موت کی آرزو کرتا ہے میں حسین بن علی (علیہما السلام) آج کے دور میں موت کو خوش نصیبی اور سعادت تصور کرتا ہوں۔ کیونکہ ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا میرے نزدیک دل گرفتگی اور رنج و ملال کا باعث ہے۔ لوگ دُنیائے دُنی کے پرستار ہیں۔ دین ان کے لیے کھائے ہوئے کھانے کی مانند ہے۔ جب زندگی سکون و اطمینان سے گزرتی ہے وہ دین کی پابندی کا دم بھرتے ہیں۔ لیکن جب امتحان و آزمائش سے دوچار ہوتے ہیں تو اہل دین کی تعداد کم ہو جاتی ہے"[لہ]

ایک مرتبہ پھر آپ کے ارشادات پر غور کر لیجئے، فرماتے ہیں: ان حالات میں زندگی میرے لیے ناگوار ہے۔ میں موت کو سعادت سمجھتا ہوں، آج کی دنیا وہ چراگاہ ہے جس میں نقصان دہ اور بیمار کرنے والی گھاس کے سوا کچھ نہیں اُگتا۔ ان حالات میں صاحبان ایمان کو موت کا آرزومند ہونا چاہیے۔ یعنی، راہ خدا میں اپنے آپ کو شہادت کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔

امام علیہ السلام نے ان تمام برائیوں کا سبب ایک جملے میں بیان فرما دیا ہے: کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہوتا اور باطل کو پنپنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یعنی آج کا معاشرہ محور شریعت پر نہیں گھومتا اور اپنے ان فطری رجحانات سے منحرف ہے جو حق پرستی اور ظالموں کی سرکوبی پر مبنی ہیں۔ دنیائے اسلام بنی اُمیہ کی مرضی کے مطابق ڈھل چکی ہے۔ حکومت کا تمام تر انحصار ظلم و ستم پر ہے۔ ان حالات میں زندگی گزارنا ناقابل برداشت ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ وہ ظلم و ستم

لہ تحف العقول ص ۲۴۵ طبع جدید۔ ذخائر العقبیٰ ص ۱۵۰۔ اس کا عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔

Marfat.com

کہ اس ماحول کو یکسر بدل دے۔ اور ناانصافیوں کا خاتمہ کردے یا پھر اس کے لیے کوشش کرتا ہوا جام شہادت نوش کر جائے۔ تاکہ وہ ان دلخراش اور افسوس ناک مناظر کو دیکھنے کے کرب سے نجات پا جائے۔

جن لوگوں کی رُوح اپنے معاشرے سے پیوست ہو ان کی کیفیت یہی ہوتی ہے وہ اپنے ہم جنسوں کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ اور ان کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے ہیں۔

ابوالفرج اصفہانی نے ایک علوی سید جن کا نام محمد بن ابراہیم ہے کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ "ایک دفعہ وہ کوفے کی گلیوں سے گزر رہے تھے۔ انھوں نے ایک ضعیفہ کو دیکھا جو تجارتی سامان کے قافلے کے پیچھے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ ان کے سامان میں سے جو کھجوریں گرتی تھیں وہ اٹھا کر ایک پھٹے کپڑے میں رکھ لیتی تھی۔ محمد بن ابراہیم نے اس سے پوچھا کہ وہ ان کا کیا کرے گی؟ اس ضعیفہ نے جواب دیا کہ میرا شوہر نہیں ہے جو میرے نان و نفقہ کی ذمہ داری اُٹھائے۔ میری بیٹیاں اپنی کفالت نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ میں اس راستے میں آ گئی ہوں اور اس سے ہی اپنا اور اپنی اولاد کا پیٹ بھرتی ہوں۔ محمد بن ابراہیم اس صورت حال پر بہت روئے اور کہا: خدا کی قسم! تم اور تم جیسے نادار لوگ مجھے مجبور کرتے ہو کہ کل ہی حکومت کے خلاف بغاوت کر دوں تاآنکہ میرا خون بہا دیا جائے۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ امام عالیمقام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں موت کو خوش بختی تصور کرتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنے کو رنج و ملال اور حسرت و یاس کا سبب جانتا ہوں۔

بنی امیہ اور اولاد ابوسفیان کی حالت کا اندازہ کرنے کے لیے اہل کتاب کے بارے میں نازل ہونے والی قرآن پاک کی آیت بہترین ذریعہ ہے۔ یہودیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ وہ یہودیوں کے علاوہ کسی کے ساتھ خیانت کرنے پر جواب دہ نہ ہوں گے اور غیروں کا مال ناجائز طریقے سے کھا جانا یہودیوں کے لیے جائز ہے۔ ارشاد باری ہے: "قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ"[2] ان کا

---

[1] مقاتل الطالبین ص ۱۲۱ طبع مصر، احوال محمد بن ابراہیم بن اسمٰعیل۔ [2] آل عمران آیۃ ۷۵۔ قرآن پاک میں یہ عقیدہ اہل کتاب کے نام سے بیان ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا۔ اسناد میں اسے یہودیوں سے نسبت دی گئی ہے۔

Marfat.com

قول ہے کہ عرب کے جاہلوں کا حق مارنے میں ہم پر کوئی الزام نہیں۔) بنی امیہ نے بھی دولت ایمان سے خالی ہونے اور خود پسندی کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے اعمال کے مطابق یہ آیت یوں ہو سکتی ہے : "لیس علیھم فی المسلمین سبیل"

اس باب میں جو کچھ بیان ہوا اس سے واضح ہو گیا کہ امام حسین علیہ السلام اور بنوامیہ کے درمیان اختلاف اسلامی حکومت کے قیام پر تھا۔ امام چاہتے تھے کہ مسلمان اپنی زندگی حضور ختمی مرتبت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گزاریں اور اسلامی حکومت انہی خطوط پر استوار ہو، جن پر رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے استوار کیا تھا تاکہ مسلمان سعادت دارین پا سکیں لیکن بنوامیہ کی خواہش تھی کہ وہ اسلامی شریعت سے لاپرواہی برت کر اور حکومت و عوام کے بارے میں ٹھوس حقائق کو نظر انداز کر کے اپنی ہوس پوری کر سکیں اور اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے عوام کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔

اس باب کے آغاز میں اور اسی طرح دیباچۂ کتاب میں ہم نے ان وجوہات و اسباب کو بیان کیا، جن کی بنا پر لوگوں نے اس مقدس مشن کو غیبت جیسی معاشرتی برائیوں کے خاتمے اور مہنگائی جیسے معاشی مسائل کی روک تھام کے لیے قرار دیا۔

کیا امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے؟

یہ بحث بجائے خود ایک مستقل موضوع ہے۔ تاہم یہاں تمہید کے طور پر دو موضوعات پر تفصیلاً گفتگو کی جائے گی اور یہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ امامؑ عالی مقام کا مشن تقیہ سے کس طرح مطابقت رکھتا ہے۔

۲۔ یہ تحریک انقلاب اس حکم سے کیونکر مطابقت رکھتی ہے کہ اپنے نفس کو ہلاکت

Marfat.com

میں ڈالو۔

رہا یہ مسئلہ کہ آیا امامؑ اپنی شہادت سے آگاہ تھے، تو تاریخ اور روایات پر عمیق نظر ڈالنے سے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ جناب سید الشہدا بنی امیہ کے ہاتھوں اپنی شہادت پر پختہ یقین رکھتے تھے اور شہادت سے آگاہی کے باوجود بھی آپ نے اعلائے کلمۂ حق سے دریغ نہ کیا۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ امامؑ عالی مقام اپنے مشن کے اس خونیں انجام سے بے خبر تھے وہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ قطع نظر اس حدیث کے "جو امامؑ یہ نہ جانتا ہو کہ اسے زندگی میں کیا اُمور پیش آئیں گے اور وہ کس انجام سے دوچار ہوگا تو وہ خلق خدا پر حجت نہیں ہو سکتا"[۱] ابتدا ہی سے خاندان بنی ہاشم میں امام حسینؑ علیہ السلام کی شہادت زبان زد عام تھی۔ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس واقعے کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سن چکی تھی۔ آپؐ کی یہ حدیث کہ "میری اُمّت میرے اس بیٹے کو شہید کرے گی" اور اسی قسم کی بہت سی دوسری حدیثیں مشہور تھیں۔ جو شیعہ اور سُنّی کتب احادیث میں آپ سے منقول ہیں۔

مثال کے طور پر علامہ یعقوب کلینی کی اصول کافی، شیخ مفید علیہ الرحمہ کی ارشادِ مفید، علامہ طبرسی کی اعلام الوریٰ، ابنِ حجر مکی کی صواعق محرقہ اور ابن جوزی کی تذکرہ سبط سے رجوع کیا جا سکتا ہے۔[۲]

علامہ محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار کی چوالیسویں جلد طبع جدید میں صفحہ ۲۲۳ سے صفحہ

۱؎ کافی جلد ا صفحہ ۲۵۸ باب (ان الائمۃ یعلمون متی یموتون) حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "ای امام لا یعلم ما یصیبه والی ما یصیر فلیس ذلک حجۃ اللہ علی خلقہ"

۲؎ اصول کافی جلد ا باب مولد الحسین علیہ السلام — ارشاد مفید صفحہ ۲۲۴-۲۲۵ — اعلام الوریٰ صفحہ ۲۱۷-۲۱۷۳ — سیرتنا و سنتنا تالیف صاحب الغدیر صفحہ ۳۰، ۱۳۰ و ۱۴۰، ۱۴۲ — صواعق محرقہ ابن حجر صفحہ ۱۹۰ فصل ثالث حدیث ۲۸-۲۹-۳۰ — تذکرہ نور الابصار شبلنجی و فصول المہمہ ابن صباغ میں بھی اس قسم کی احادیث نقل ہوئی ہیں۔

Marfat.com

۲۶ تک اس موضوع پر اکثر احادیث نقل کی ہیں۔ یہاں ہم ان مواقع کا ذکر کریں گے جہاں امام علیہ السلام نے اپنی شہادت کو بیان فرمایا ہے۔ سید بن طاؤس "لہوف" میں نقل کرتے ہیں کہ جب امام حسین علیہ السلام مکے سے عراق کے لیے عازم سفر ہوئے تو لوگوں کی ایک جمعیت کو مخاطب کر کے یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد للہ ما شاء اللہ ولا قوۃ الا باللہ وصلی اللہ علی رسولہ، خط الموت علی ولد آدم مخط القلادۃ علی جید الفتاۃ، وما اولہنی الی اسلافی اشتیاق یعقوب الی یوسف وخیر لی مصرع انا لاقیہ، کأنی باوصالی تتقطعہا عسلان الفلوات بین النواویس وکربلاء فیملأن منی اکراشا جوفا واجربۃ سغبا لا محیص عن یوم خط بالقلم رضی اللہ رضانا اہل البیت، نصبر علی بلائہ ویوفینا اجر الصابرین۔ لن تشذ عن رسول اللہ لحمتہ وہی مجموعۃ لہ فی حظیرۃ القدس تقربہم عینہ وینجز بہم وعدہ، من کان باذلا فینا مہجتہ وموطنا علی لقاء اللہ نفسہ فلیرحل معنا فاننی راحل مصبحا انشاء اللہ۔ (لہوف ص ۳۵)

یعنی حمد و ثنا خداوند عالم کے لیے مخصوص ہے اور تمام امور مشائے الٰہی کے مطابق وقوع پذیر ہوتے ہیں اور اس کے سوا کوئی قوی و توانا نہیں۔ رسولؐ خدا پر خدائے لم یزل کی رحمتیں نازل ہوں۔ موت اولادِ آدم کا مقدر بن چکی ہے۔ جیسے جوان عورت کے گلے کا ہار۔ اور انسان کو بہر صورت موت سے دوچار ہونا ہے۔ میں اپنے جد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اپنے والد گرامی قدر جناب علی المرتضیٰ علیہ السّلام، اپنی والدہ ماجدہ جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور برادر بزرگ جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے دیدار کا اتنی شدت سے متمنی ہوں جتنی شدت سے جناب یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے جناب یوسف علیہ السلام کو دیکھنے کے

Marfat.com

خواہشمند تھے۔ خدائے بزرگ و برتر نے میرے لیے جائے شہادت منتخب کر دی گئی ہے۔

اور میں اس کی طرف رواں دواں ہوا۔

میں دیکھ رہا ہوں کہ دشتِ عراق کے بھیڑیے نواویس[1] اور کربلا کے درمیان میرے جسم کے ایک ایک جوڑ کو توڑ رہے ہیں اور اپنے خالی شکموں اور زنبیلوں کو مجھ سے پُر کر رہے ہیں۔ کارکنانِ قضاء و قدر نے قسمت میں جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے فرار ممکن نہیں۔

ہم اہلبیتِ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس پر راضی ہیں جس پر خدا راضی ہے۔ جو کچھ خدائے لایزال پسند فرماتا ہے ہم بھی اُسے پسند کرتے ہیں۔ خداوند عالم ہمیں جن آزمائشوں میں ڈالتا ہے۔ ہم صبر سے ان کو سہتے ہیں۔ اور وہ ہمیں اس اجر و ثواب سے نوازتا ہے جو صابروں کے لیے مخصوص ہے۔ میں رسول خدا کے جسم اطہر کا ٹکڑا ہوں اور ان کا جزو ان سے دور اور جدا نہیں رہ سکتا۔ بہشت میں دونوں کا مقام ایک جگہ ہوگا۔ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل ہمیں دیکھ کر خوشی و مسرت سے معمور ہوگا۔ اور ہم سے کیا گیا اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ جو کوئی بھی اپنے سرمایۂ جان کے ساتھ ہماری مدد کے لیے کمربستہ ہے اور اپنے آپ کو راہِ خدا میں شہادت کے لیے تیار کر چکا ہے تاکہ دیدارِ الٰہی سے فیض یاب ہو سکے تو ہمارے ساتھ چلا آئے۔ ہم انشاء اللہ کل صبح منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔"

اس خطبۂ مبارک میں سب سے پہلے امام علیہ السلام نے اپنی شہادت کا ذکر فرمایا ہے او واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ میرے لیے شہادت گاہ متعین ہو چکی ہے اور میں اس کی طرف رواں دواں ہوں۔ میری نظروں کے سامنے یہ نقشہ مجسم ہے کہ عراق کے ظالم و جفاکار اپنے شکموں اور جیبوں کو (بھاری رقوم کے انعامات سے) بھرنے کے لیے میرے ٹکڑے کر رہے پھر آپ نے خَطَّ لِی کے لفظ سے واضح فرمایا کہ یہ شہادت رضائے خُدا ہے اور اس کی طرف سے یہ طے شدہ امر ہے مجھے اس میں دخل کی مجال نہیں۔ بلکہ خداوند قدوس روز ازل سے ہی اس

---

[1] کربلا کے نزدیک واقع یہودیوں کا قبرستان۔

Marfat.com

خواہاں ہے کہ میں اس کی راہ میں بنی امیہ کی خون آشام تلواروں کا لقمہ بن جاؤں تاکہ دین اسلام ان کی دست بُرد سے محفوظ رہے اور بنو امیہ کے اسلام کو برباد کرنے والے اقدامات نقش برآب ہو جائیں۔ اور قرآن حکیم کی مخالف طاقتیں نیست و نابود ہو جائیں۔ پھر آپ نے "لا محیص عن یوم خط بالقلم ـــ جو کچھ کارکنان قضا و قدر نے تحریر کر دیا ہے اس سے فرار ممکن نہیں" کہ کر دوبارہ حاضرین کی توجہ تقدیر الٰہی کی طرف مبذول فرما دی۔ آپ یہ واضح فرمانا چاہتے تھے کہ آج اسلامی معاشرہ جن حالات سے دوچار ہے اور تباہی و بربادی کے جس مقام پر پہنچ چکا ہے اس کی اصلاح باطل سے ٹکراتے ہوئے شہید ہو جانے کے سوا اور کسی طرح ممکن نہیں۔ جاں بلب اسلامی معاشرے کو شہیدانِ راہ خدا کے خون کی ضرورت ہے۔ تاکہ یہ تازہ اور پاک و پاکیزہ خون اُسے حیاتِ نو بخش سکے۔ اور آخر میں اعلان فرمایا کہ صرف وہی افراد میرے ہم سفر اور ہم کار ہو سکتے ہیں جو نقد حیات کو نذر خدا کرنے پر کمربستہ ہوں تاکہ دیدار الٰہی سے جنت نگاہ حاصل کر سکیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں دین کی تحریری اور زبانی تبلیغ بے فائدہ ہے۔ مال و دولت صرف کرکے بھی ان حالات کو سنوارا نہیں جا سکتا۔ اصلاح کی صرف ایک ہی راہ ہے، ان بیماریوں کا ایک ہی درماں ہے کہ بندگان مخلص اپنے خون کا نذرانہ بارگاہ الٰہی میں پیش کر دیں۔

آپ کے اس خطبے سے بالکل واضح ہے کہ آپ کو اپنی شہادت کا علم تھا اور تمام صورت حال سے آگاہ ہوتے ہوئے آپ عازم کوفہ تھے۔

ابن اثیر اور طبری نے لکھا ہے کہ عبداللہ بن زبیر سے گفتگو کے دوران آپ نے فرمایا: واللہ لان اقتل خارجا منها بشبر احب الیّ من ان اقتل فیها ..... وایم اللہ لو کنت فی حجر هامة من هذه الهوام لاستخرجونی حتی یقضوا بی حاجتهم[1]

یعنی قسم ہے خدائے لایزال کی کہ اگر مکہ سے ایک بالشت باہر بھی مارا جاؤں تو اس سے بہتر ہے کہ میں شہر مکہ میں شہید کر دیا جاؤں۔ خدا کی قسم! اگر میں حشرات الارض کے بلوں میں بھی

---

[1] طبری ج ۴ ص ۲۸۹ ۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۷۶

Marfat.com

پناہ لے لوں۔ تو یہ ظالم مجھے وہاں سے نکال کر بھی اپنا مقصد پورا کرنے کے لیے مجھے شہید کر دیں گے۔

ابن اثیر نے کامل میں تحریر کیا ہے کہ امام عالیمقام نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا ہے۔ خدا کی قسم! بنی امیہ کسی صورت مجھ سے اُس وقت تک دست کش نہیں ہوں گے۔ جب تک میرا خون ناحق نہ بہالیں۔ لیکن میری شہادت کے بعد خداوند عالم ان پر ایسے شخص کو مسلط کرے گا جو انہیں انتہائی ذلیل و خوار کرے گا اور جس کے ہاتھوں وہ ذلت و رسوائی کی اتھاہ گہرائیوں میں گر جائیں گے۔[۵]

بنی امیہ امام عالی مقام سے اس کے سوا اور کچھ نہ چاہتے تھے کہ امام علیہ السلام یزید کی بیعت کرلیں اور اس کی ظالمانہ و غیر اسلامی حکومت کو تسلیم کرلیں۔ امام حسین علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ کسی قیمت پر بھی، کسی صورت بھی بیعت نہ کریں گے اور پھر اس سے آگاہ تھے کہ بیعت نہ کرنے کی صورت میں وہ انہیں شہید کیے بغیر نہ چھوڑیں گے۔ مذکورہ خطبے کی طرح یہ حقائق بھی اپنی شہادت سے امام علیہ السلام کی آگہی کی دلیل ہیں۔

اثبات الوصیۃ میں مسعودی نے یہ واقعہ درج کیا ہے کہ جب امام حسینؑ نے سفر عراق کا قصد فرمایا تو اُم المومنین جناب اُمّ سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تشریف لائیں اور فرمایا: بیٹے میں تمھیں خدائے بزرگ کی قسم دیتی ہوں کہ تم عراق کا سفر اختیار نہ کرو۔ امام علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ مجھے عراق کے سفر سے کیوں منع فرماتی ہیں۔ تو فرمانے لگیں: میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد سن رکھا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق میں شہید کیا جائے گا۔

آپ نے فرمایا: اماں جان یقیناً میں شہید کیا جاؤں گا۔ کارکنان قضا و قدر نے جس انسان کے لیے جو کچھ متعین کردیا ہے اس سے فرار ناممکن ہے اور کوئی ذی رُوح بھی موت سے نہیں بچ سکتا۔ میں اپنی شہادت کے دن، وقت اور مقام سے آگاہ ہوں۔ اس قطعہ ارضی سے بھی واقف

---

[۵] کامل جلد ۳ ص ۲۷۹

Marfat.com

ہوں جو میری ابدی آرام گاہ ہوگی۔[1]

سید بن طاؤس نے "لہوف" میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جس صبح آپ عراق کی طرف روانہ ہونے والے تھے۔ اس رات آپ کے بھائی محمد حنفیہ حاضر خدمت ہوئے۔ اور کہا: بھائی جان! جن اہل کوفہ نے آپ کے والد علی المرتضیٰ علیہ السلام اور برادر بزرگوار حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے ساتھ دغا و فریب کیا، مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے مصلحت اندیشی تو یہ ہے کہ آپ مکے ہی میں قیام فرمائیں کیونکہ آپ کی پوزیشن یہاں زیادہ مستحکم ہے اور اہل مکہ آپ کو اہل کوفہ سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا: جانِ برادر! مجھے ڈر ہے کہ یزید بن معاویہ خفیہ طور پر کسی کے ذریعے اچانک ہی مجھے شہید کروا ڈالے گا۔ اور مجھے اپنی راہ سے ہٹانے کے لیے حرمتِ کعبہ کو برباد کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ اور ومن دخلہ کان آمنا کے قرآنی حکم کو پامال کردے گا۔

اس پر محمد حنفیہ نے کہا: تو پھر آپ یمن یا کسی اور ویران مقام پر تشریف لے جائیے۔ اس طرح کوئی بھی آپ پر دست تعدی دراز نہ کرے گا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا: آپ نے جو کچھ کہا میں اس پر غور کر رہا ہوں۔

اگلی صبح جب امام حسین علیہ السلام مکہ سے روانہ ہوئے تو محمد حنفیہ اس وقت پہنچے جب آپ راہوار پر سوار ہو چکے تھے۔ انھوں نے آپ کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا: آپ نے میری تجویز پر غور فرمانے کا وعدہ نہ کیا تھا؟ فرمایا: ہاں! تو آپ اس قدر جلد کیوں مکے سے جا رہے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: رات آپ کے جانے کے بعد میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، فرما رہے تھے: یاحسین! اخرج فان اللّٰہ قد شاء ان یراک قتیلا "اے حسین! مکہ سے روانہ ہو جاؤ۔ خدا تعالیٰ تمھیں اپنی راہ میں شہید ہوتا دیکھنا چاہتا ہے۔" محمد حنفیہ نے انا للّٰہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر فرمایا: پھر آپ ان حالات میں ان بیبیوں اور بچوں کو کیوں

---

[1] اثبات الوصیۃ ص ۱۲۶

Marfat.com

ساتھ لے جا رہے ہیں؟

امام حسین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: رسولؐ خدا نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "ان اللہ قد شاء ان یراھن سبایا" خداتعالیٰ ان کو قیدی بنا ہوا دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد بھائی کو خدا حافظ کہہ کر امام روانہ ہو گئے[۵۱]

اس گفتگو سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام عالی مقام اپنی شہادت اور اسیری اہل بیت سے بطور کلی آگاہ تھے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ اور آپ کے اقربا و رفقا کی شہادت اور مخدرات عصمت کی اسیری منشائے ایزدی تھی۔ حضرت سید الشہدا علیہ السلام نے اپنے نانا رسول اکرم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات سے یہ نتیجہ اخذ کیا تھا کہ اگر ملت اسلامیہ کی بقا منظور ہے تو ضروری ہے کہ وہ منشائے خداوندی کے مطابق شہید ہوں اور ان کی بہنیں، بیبیاں اور دیگر محترم خواتین قید ہو کر درباروں اور بازاروں میں جائیں۔ تاکہ لوگ ان ابتر حالات سے آگاہ ہوں۔ اور امت مسلمہ کو خاتمے سے بچا لیا جائے۔ یہ مذکور ہو چکا ہے کہ مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت بنی ہاشم کو امام علیہ السلام نے اپنی شہادت سے ایک خط میں مطلع کر دیا تھا[۵۲]

جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام کے پوتے محمد بن عمر سے یہ روایت کتب تاریخ میں بیان کی گئی ہے۔ کہ میرے والد حضرت عمر بن علی بن ابی طالب[۵۳] اولادِ جناب عقیل میں سے میری نگہداشت کرنے والی خواتین سے فرمایا کرتے تھے کہ جب میرے بھائی جناب حسین بن علی علیہما السلام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ اکیلے گھر پر تھے۔ میں نے عرض کیا: آپ کے برادر بزرگوار حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے والد گرامی

---

۵۱ لہوف ص ۳۷ و ۳۸

۵۲ لہوف ص ۳۹

۵۳ عمر بن علیؑ فرزندان امیرالمومنین اور شہدائے کربلا میں سے ہیں۔

Marfat.com

تذدعلی مرتضیٰ علیہ السلام کے توسط سے مجھے خبر دی تھی ..... اتنی بات کہہ کر میں آنسو ضبط نہ کرسکا اور بلند آواز سے رونے لگا۔ چنانچہ میری بات بیچ میں رہ گئی۔ بھائی جان نے مجھے اپنی آغوش میں لے لیا اور ارشاد فرمایا: میرے بھائی نے آپ کو یہ خبر دی تھی کہ میں مارا جاؤں گا میں نے کہا: خدا تعالیٰ آپ کو ہلاکت سے دور رکھے۔

بھائی جان نے کہا: میں تمھیں بابا کی قسم دیتا ہوں۔ کیا انھوں نے میری شہادت کی خبر نہیں دی تھی؟ میں نے کہا: جی ہاں! پھر عرض کیا کہ آپنے یزید کی بیعت کیوں نہیں کی؟ ارشاد ہوا: میرے بابا علی مرتضیٰ نے مجھے بتایا تھا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اور میری شہادت کی خبر انھیں دی تھی اور فرمایا تھا کہ میری قبر ان کی قبر مبارک سے نزدیک ہوگی۔ اسے بھائی! آپ کا خیال ہے کہ آپ جانتے ہیں اور مجھے کچھ معلوم نہیں؟ البتہ آپ نے یزید کی بیعت کا جو تذکرہ کیا تو جان لیں کہ میں اس ذلت وخواری پر کبھی راضی نہ ہوں گا۔ میری ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا روز جزا اپنی اولاد پر ہونے والے مظالم کے خلاف ضرور اپنے باپ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شکایت کریں گی۔ اور جو کوئی بھی میری ماں فاطمہ سلام اللہ علیہا کو ان کی اولاد کے معاملے میں اذیت دے گا وہ داخل بہشت نہ ہو سکے گا۔[1]

ثقۃ الاسلام کلینی رحمہ اللہ نے اصول کافی میں صحیفۂ مختومہ کے بارے میں کئی روایات درج کی ہیں۔ اور یہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے۔ (مستقی العلم من بیت، آلِ محمدؐ) کے عنوان کے تحت جو باب قائم کیا ہے اس میں روایت درج ہے کہ منزل ثعلبیہ میں ایک شخص امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا (جو آپ کو کوفے جانے سے منع کر رہا تھا اور آپ کو شہادت سے ڈرا رہا تھا) آپ نے اس سے پوچھا کہ تم کس شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کہا اہل کوفہ میں سے۔ فرمایا: اسے برادر کوفی! خدا کی قسم! اگر تم مجھے مدینے میں ملتے تو تمھیں اپنے گھر میں وہ مقامات دکھاتا جہاں جبرئیل میرے جد رسول پاک

---

[1] لہوف صفحہ ۱۵، ۱۶

Marfat.com

پر وحی لے کر نازل ہوتے تھے۔ اے کوفی بھائی! کیا لوگ ہم سے بہتر جانتے ہیں جبکہ علم و آگاہی کا منبع ہم ہیں۔ یاد رکھو، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔[1]

مذکورہ دلائل و شواہد سے ثابت ہے کہ امامؑ عالی مقام اپنی شہادت سے پوری آگاہی رکھتے تھے۔ اور اس کے باوجود آپ نے آوازِ حق بلند فرمائی تھی۔ اس ساری بحث کے بعد مرحوم سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کی اس بات میں کوئی کلام نہیں رہتا جو آپ نے تنزیہ الانبیاء میں اس سوال کے ضمن میں بیان کی ہے کہ اگر معترضین کہیں کہ امام علیہ السلام نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ مکے سے کوفے کی طرف کیوں کوچ کیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام برحق کو جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ اپنا حق پالے گا تو اس کے لیے عملی اقدام اس پر واجب ہو جاتا ہے۔ چاہے اس راہ میں اسے شدید مشکلات و مصائب کا سامنا ہو۔ اس کے بعد علامہ مرحوم نے اس مسئلے پر مزید روشنی ڈالی ہے۔[2] جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ مرحوم سید مرتضیٰ کی اس دلیل میں جائے کلام نہیں اور انھوں نے ثابت کیا ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے لیے اپنی شہادت ایقان کا درجہ رکھتی تھی۔

امام حسین علیہ السلام کا اعلائے کلمۂ حق اور تقیہ

گزشتہ باب کی بحث سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امام حسین علیہ السلام اپنی شہادت سے آگاہ تھے اور اپنے عظیم اقدام کے نتائج سے واقف تھے۔ یہاں دو مسائل زیر بحث آئیں گے۔ اوّل یہ کہ امام علیہ السلام کی تحریک انقلاب کا تقیہ سے کیا تعلق ہے اور کیا تقیہ کا یہ تقاضا نہ تھا کہ

---

[1] کافی ج ۱ ص ۳۲۹ طبع جدید

[2] تنزیۃ الانبیاء ص ۱۸۰ و ۱۸۳

آپ خاموشی اختیار کر کے گوشہ نشین ہو جائیں۔

دوسرے یہ کہ "ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ" کے قرآنی حکم سے آپ کا یہ قدم کیونکر مطابق ہے۔

یہ باب اس کتاب کا حساس اور دقیق ترین باب ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی مدد سے ان دونوں مسائل سے بخوبی عہدہ برآ ہو سکے تو مقدس حسینی مشن کی عظمت اور روشن ہو گی اور اس کی آب و تاب میں اضافہ ہو گا۔

اصل مطلب پر روشنی ڈالنے سے قبل ایک اہم نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور ستم و جور سے برسر پیکار رہنا چند صدی پہلے تک شیعان علیؑ کی ایک نمایاں خصوصیت رہی ہے۔ ائمہ علیہم السلام اور حقیقی شیعوں کے سوانح حیات کے مطالعہ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے۔ بعض ائمہ مثلاً جناب علی بن ابی طالب علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام نے ظلم و جور کے خلاف تلوار کو نیام سے باہر نکال لیا تھا۔ اور اسلامی معاشرے میں اصلاح احوال کی رُوح پھونک دی۔ اور دوسرے تمام ائمہ نے اس کی تائید و تکمیل کو اپنی کوششوں کا مرکز بنائے رکھا۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جب تک ممکن ہوا معاویہ کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ اور جب اس سے مجبوراً دست کش ہونا پڑا تو معاویہ سے یہ تحریری عہد لیا کہ وہ کتاب و سنت پر عمل پیرا رہے گا اور اپنے بعد کسی کو جانشین مقرر نہیں کرے گا۔[۱] انھوں نے یہ شرط عائد کی کہ معاویہ اپنے آپ کو امیر المؤمنین نہ کہلائے گا۔ اور وہ اس کے سامنے گواہی دینے کے پابند نہ ہوں گے[۲] کیونکہ وہ ان کے نزدیک امیر المؤمنین اور منصف نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے مدینے میں بنی امیہ کے

---

[۱] مطالب السئول ابن طلحہ ص ۹۰۔ صواعق محرقہ ابن حجر ص ۱۲۲

[۲] حیاۃ الحسن تالیف باقر شریف ج ۲ صفحہ ۱۹۲ بہ نقل از تذکرہ سبط ابن جوزی

مقابل ایک کمیٹی کی تشکیل کی اور اس کی سربراہی خود اپنے ذمے لی۔[۱]

جناب سید سجاد امام زین العابدین علیہ السلام نے دمشق کی مسجد میں یزید اور بنو امیہ کی سیہ کاریوں کا پردہ چاک کیا۔ آپ کے اس خطبے نے لوگوں کو بیدار کرنے میں اس تند و تیز موج کا کام کیا جو بحر متلاطم کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم کو یزید سے کہنا پڑا کہ ان کا شام میں مزید قیام تمہاری حکومت کے مفاد میں نہیں ہے۔[۲]

یحییٰ بن ام طویل جو کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ انھوں نے کناسہ کوفہ[۳] میں بلند آواز سے کہا: اے خدا کے دوستو، ہم بنی امیہ سے جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بے ادبی کرتے ہیں، بیزار ہیں جو کوئی بھی علی علیہ السلام کے لیے ناروا الفاظ استعمال کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہو ہم آل مروان اور ان کی سیہ کاریوں سے متنفر ہیں۔ یہ ظالم حجاج بن یوسف کا دور تھا۔ اس کے حکم سے یحییٰ رحمہ اللہ کے دونوں ہاتھ اور پیر قطع کر دیے گئے۔[۴]

امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم محترم محمد حنفیہ سے فرمایا:

"اے چچا جان! اگر کوئی حبشی غلام، ہم اہل بیت علیہم السلام کے لیے برسرپیکار ہوتا ہے تو لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اس کا ساتھ دیں۔[۵]"

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے والد کے ساتھ زیارت کعبہ کے لیے تشریف لے گئے۔ اس سال ہشام ابن عبدالملک اموی بھی حج کے لیے آیا ہوا تھا۔ امام صادق علیہ السلام نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

حمد و ثنا اس خدا کے لیے ہے جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث

---

[۱] علی و بنوہ، طٰہٰ حسین ص ۲۰۷ ترجمہ احمد آرام

[۲] کامل بہائی ۲ ص ۳۰۲ طبع جدید

[۳] فرہنگ آنندراج کے مطابق کوفے میں یہ مقام ہے۔

[۴] سفینۃ البحار ج ۱ "حی" میں دیکھیں

[۵] منتخب التواریخ ص ۴۷۴

Marfat.com

برسالت کیا اور ان کے وسیلے سے ہمیں بھی صاحبِ عزّ و شرف قرار دیا۔ ہم خدا کے برگزیدہ بندے ہیں۔ اس نے اپنی تمام مخلوق میں سے ہمیں چن لیا ہے اور اپنے بندوں میں سے ہمیں اپنے پسندیدہ بندے قرار دیا ہے۔ سعادت مند اور خوش بخت وہی ہے جو ہماری پیروی کرتا ہے۔ شقی و بدبخت وہ ہے جو ہمارا دشمن ہے اور ہماری مخالفت کرتا ہے۔ بعض لوگ وہ ہیں جو ہماری محبت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ہمارے دشمنوں اور ان کے دوستوں کو عزیز رکھتے ہیں۔ یہ لوگ خلاقِ عالم کے احکامات سے غافل ہیں اور ان پر عمل پیرا نہیں ہیں۔"

خلیفہ کے بھائی مسلمہ نے اسے ان تمام باتوں سے آگاہ کر دیا۔[1] امام محمد باقر علیہ السلام ہشام بن عبدالملک کے ہاتھوں قید ہو گئے اور اسی نے حاکم مدینہ کو حکم دیا کہ وہ آپ کو زہر دے دے۔[2] سیاہ ضمیر منصور کے حکم سے امام جعفر صادق کے خانۂ اقدس کو آگ لگا دی گئی[3] اور کئی بار آپ کو بالجبر مدینے سے عراق لے جایا گیا۔ منصور عباسی نے آپ کو شہید کرنے کے لیے شمشیر کو نیام سے نکال لیا۔ آپ کے درس پر ایک مدت تک پابندی لگا دی گئی ہے اور لوگوں کو آپ سے ملاقات سے منع کر دیا گیا۔

امام کاظم علیہ السلام نے ہارون الرشید عباسی کے دور میں چار سال تک قید و بند کی مصیبتیں برداشت کیں اور نعمتِ آزادی سے محروم رہے۔ آخر کار زہر دے کر آپ کو شہید کر دیا گیا۔ جناب امام رضا علیہ السلام جلا وطن ہو کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار مقدس سے مرو لے جائے گئے۔ اور ایک عرصے تک سرخس میں قید رہے۔[4]

---

[1] دلائل الامامہ تالیف محمد بن جریر بن رستم طبری امامی صفحہ ۱۰۴ طبع نجف۔
[2] منتہی الامال جلد ۲ ص ۸۰
[3] مناقب ابن شہر آشوب جلد ۴ صفحہ ۲۳۶ طبع جدید
[4] الانوار البھیہ، ص ۱۰۴۔

Marfat.com

اور بالآخر مامون عباسی نے انھیں زہر دلوادیا۔

نویں امام حضرت تقی جواد علیہ السلام نے ان ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں بے انتہا مصائب و مشکلات برداشت کیں اور مدینے سے بغداد لائے گئے۔ اور ایک روایت کے مطابق عباسی خلیفہ کے اشارے سے انھیں زہر دے دیا گیا۔ حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے ظلم و جبر کے تحت مدینہ کو خیر باد کہہ دیا۔ اور سامرا میں عباسیوں کی نگرانی میں اقامت اختیار کی۔ متوکل عباسی کا آپ سے رویہ اہانت آمیز تھا۔ آپ نے کچھ مدت زندان میں بھی گزاری۔

یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام نے بنی امیہ اور بنو عباس کے مظالم کے خلاف خاموشی اختیار نہیں کی۔ برسر پیکار رہے اور اعلائے کلمہ حق فرماتے رہے۔ آپ ان کے خلاف فتوے بھی دیتے تھے۔ وگرنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ حضرات ان تمام مشکلات و مصائب سے دوچار ہوتے۔ جبکہ علمائے سو اس دور میں خلفا کو "اولوالامر منکم" کے مصداق قرار دے کر بھاری رقوم حاصل کرتے تھے اور بڑے تزک و احتشام سے زندگی گزارتے تھے

یہ بالکل درست ہے کہ امیر المومنین علی ابن ابی طالب، امام حسن اور امام حسین علیہم السلام کی طرح دوسرے ائمہ معصومین علیہم السلام نے تلوار سے کام نہ لیا کیونکہ یہ مصلحت وقت نہ تھی۔ لیکن کھلم کھلا مخالفت، صدائے احتجاج بلند کرنے اور ظلم و جور پر تنقید کرنے سے کسی وقت دستبردار نہ ہوئے۔ اس راہ میں انھوں نے زہر کھائے، قید کی صعوبتیں برداشت کیں، جلاوطنی کی مشکلیں سہیں، ذلت و رسوائی سے دوچار ہوئے اور یہی وہ ہستیاں ہیں جنھوں نے حسینی مشن کا دائرہ وسیع تر کیا اور اس کی اثر انگیزی میں اضافہ کیا۔ اگر وہ اپنی علمی تحریک اور انتقاد کو جاری نہ رکھتے تو حتمی طور پر آج دین مبین کا دامن اتنا پُر مایہ نہ ہوتا جتنا ہے۔

ہمیں ائمہ اطہار علیہم السلام کے اصحابِ باوفا کی جدوجہد اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے ان کی کوششوں پر بھی عمیق و دقیق نظر ڈالنا چاہیے۔ کون ہے؟ جس نے حجر بن عدی، عمرو بن حمق، کمیل بن زیاد، سید حمیری کی داستان عزم و شجاعت نہ سنی ہو۔

بہرصورت یہ بات واضح ہے کہ اموی اور عباسی دور میں جوش عمل سے بھرپور یہ مذہب ظلم وستم کے خلاف پیکار کو رواج دیتا تھا۔ بعد میں جب شیعوں کو مصائب ومشکلات برداشت کرنے کے بعد کچھ علاقوں میں اقتدار میسر آیا تو حکومتوں نے اس مذہب کی حمایت کی اور تشیع سرکاری مذہب قرار پایا۔

ان حکومتوں اور ہمیشہ برسرپیکار رہنے والے شیعوں کے درمیان والدین اور اولاد جیسی محبت نے فروغ پایا۔ اور ظلم کے خلاف احتجاج وجدوجہد جو ان کی خصوصیات میں سے تھی وہ امن وصلح میں بدل گئی۔ اور پھاڑ کھانے والے شیر کی طرح اہل تشیع بھی رام ہو گئے وہ راکھ کا ڈھیر بن گئے۔ بلکہ ہم اُسے اس آتش فشاں سے تشبیہ دے سکتے ہیں جس کا دہانہ بند ہو اور کبھی کبھی وہ اپنی گزشتہ حالت کے زیر اثر تھوڑا سا دھواں باہر نکال دیتا ہو۔

ان حالات کے دیر تک قائم رہنے سے یہ نتیجہ نکلا کہ جہاد اور تقیہ سے متعلق آیات و روایات کا صحیح مفہوم اور ظلم کے خلاف جدوجہد آہستہ آہستہ اپنا حقیقی مقام کھو بیٹھی۔ انھوں نے ظلم کے خلاف خاموشی اور اس طور اس سے تعاون کو تقیہ کے لباس میں دیکھنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ جو راہِ خدا میں اصلاح معاشرہ کے لیے مشکلات ومصائب برداشت کرنے پر آمادہ رہتے تھے اور حق کے خلاف ایک نامناسب لفظ بھی سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ انھوں نے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ کا سہارا لے کر ان فرائض سے تُنک روشی اختیار کر لی۔ یہاں تک کہ وہ ائمہ علیہم السلام کے شاندار طرز عمل اور ظلم کے خلاف جرأت مندانہ اقدامات کو فراموش کر بیٹھے۔ علمائے دین جو اس فریضے کو نبھانے کے ذمے دار تھے۔ اگر ان میں کسی نے حالات اور جور وتعدی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی کوشش کی۔ تو اُسے سیاسی مُلّا کا نام دیا گیا۔ اور لوگوں کے نزدیک قابل نفرین قرار پایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کے خیالات کلی طور پر بدل چکے تھے۔

لوگوں کے خیالات وافکار میں ان خرابیوں نے امام حسین علیہ السلام کے مقدس

Marfat.com

مشن سے متعلق حقائق سے انحراف کو جنم دیا اور لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کے مسائل پیدا ہوئے اور موضوع بحث قرار پائے کہ امام کی تحریک کو تقیہ سے کس طرح مطابقت ہے؟ اور ولاتلقو بایدیکم الی التھلکۃ کے قرآنی حکم سے اسے کیا مناسبت ہے۔

اگر ہم تبدیلی افکار اور سوچ کے انداز میں تغیرات کو ایک طرف رکھ کر خالی ذہن سے تقیہ سے متعلق آیات و احادیث اور ائمہ علیہم السلام کے طرز عمل کا جائزہ لیں تو واضح ہوجائیگا کہ حقیقت برعکس ہے اور تقیہ، تہلکہ اور ظلم کے مقابل اعلائے کلمۂ حق علیحدہ علیحدہ مباحث علمی ہیں۔ اور یہ ایک دوسرے سے مزاحم نہیں۔ یہاں ہم اصل حقیقت کو جاننے کے لیے مسئلہ کا شروع سے جائزہ لیتے ہیں۔

روایات تقیہ کا جائزہ

تقیہ سے متعلق احادیث کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ ظلم و زیادتی کے خلاف بغاوت اور تقیہ دونوں جائز ہیں۔ اور انسان کو دونوں میں سے کوئی بھی راہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ وہ راہ خدا میں طاغوتی طاقتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرکے شہید ہوسکتا ہے یا تقیہ اختیار کرکے موت سے اپنے آپ کو بچا بھی سکتا ہے۔ پہلا راستہ اختیار کرکے وہ حصولِ بہشت میں جلدی کرتا ہے اور دوسری صورت میں وہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

یہاں ہم ائمہ علیہم السلام کے اقوال مقدسہ کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ شیعہ اور اہلِ سنت کی کتب تاریخ میں بالاتفاق یہ درج ہے کہ کفار مکہ نے ابتدائے اسلام میں عمّار ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سُمیّہؓ کو اسلام لانے کے جرم میں شکنجہ میں کس دیا تھا۔ ان کو اسلام سے بیزاری کا اظہار کرنے اور اپنے بتوں کی تقدیس و تمجید بیان کرنے پر مجبور کیا تو یاسر اور سمیّہؓ نے ان کی تعمیل حکم سے انکار کرتے ہوئے شکنجے میں کسے کسے انتہائی دلخراش حالات میں جان جانِ آفریں

Marfat.com

کے سپرد کر دی، لیکن عمارؓ نے انتہائی مجبوری کی حالت میں ان کی بات مان کر اسلام سے بیزاری ظاہر کی اور شکنجے کی مصیبت اور مارے جلنے سے نجات پائی۔ رسول پاکؐ ان کو اس مصیبت میں مکّے کے دروں میں موجود دیکھ رہے تھے اور ان کی تسلی و تشفی کے لیے فرما رہے تھے:

"صبرًا یا آلِ یاسر فان موعدکم الجنۃ صبرًا یا آلِ یاسر اللّٰھم اغفر لآل یاسر وقد فعلت"[۱]

یعنی اے آل یاسر صبر کرو تم سے وعدہ ہے کہ تمہاری جگہ بہشت ہے۔ اے آل یاسر بردباری اور شکیبائی سے کام لو۔ اے خدا آل یاسر کے گناہ بخش دے اور حقا کہ تو نے ان کی مغفرت فرما دی۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ فرماتے تھے، اے آل یاسر تمھیں جنت کی نوید ہو[۲]

عمارؓ نے کفار کے کہنے پر عمل کر کے نجات پائی تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: میری ماں کو شکنجے میں شدید ترین تکلیف دی گئی۔ یہاں تک کہ وہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبر کرو اور اس کے بعد آپ نے دعا فرمائی۔ اے خدا! آل یاسر میں سے کسی کو بھی عذاب جہنم میں مبتلا نہ فرمانا[۳]۔ عمارؓ یاسر جو کہ تقیہ کر کے کفار سے بچ کر آئے تھے۔ ارشاد فرمایا: اگر کفار تمھیں پھر شکنجے میں کس دیں تو جو کچھ تم نے آج کہا وہی دوبارہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کروا لینا۔ جناب عمارؓ اور ان کے اختیار کردہ تقیہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی: من کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان[۴]۔ اور جو کوئی ایمان لانے کے بعد کفر کرے مگر وہ شخص جو کلمۂ کفر پر مجبور کیا جائے اور

---

[۱] سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۳۳۷۔ شرح ابن الحدید ج ۴ ص ۴۳۲ و کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۴۵۔

[۲] سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۷۵

[۳] شرح ابن ابی الحدید ۴ ص ۴۳۳۔

[۴] سورہ نحل آیۃ ۱۰۶۔ مجمع البیان، کشاف، اسباب النزول ص ۱۹۲۔ احکام القرآن ۱۰ ص ۱۱

Marfat.com

اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عمار کے والدین کے حق میں دُعا فرماتے ہیں جنہوں نے تقیہ نہیں کیا تھا اور ان کو جنت کی خوش خبری دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کو بخش دیا ہے۔ دوسری طرف وہ جناب عمارؓ یاسر کے عمل کی تصدیق فرماتے ہیں اور آئندہ بھی اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے اسی عمل کو اختیار کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں آپ نے دونوں قسم کے اعمال کی تصدیق فرمائی۔ انھوں نے عمارؓ سے نہیں کہا کہ تم کو بھی اپنے والدین جیسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے تھا یا ان دونوں کو تمھاری طرح تقیہ کر کے جان بچا لینا چاہیے تھا۔ انھوں نے اپنے اصحاب سے نہیں فرمایا کہ عمار کے ماں باپ نے غلط رویہ اختیار کیا تم کو ایسا نہ کرنا چاہیے۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو کوئی راہ خدا میں جان نثار کرتا ہے اور جو کوئی تقیہ کر کے اپنی جان بچاتا ہے وہ دونوں صحیح کرتے ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں امور کی تصدیق فرمائی ہے۔

۲ —— فریقین کی کتابوں میں درج ہے کہ مسیلمہ کذاب[۱] نے دو مسلمانوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ایک سے پوچھا: کیا تم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول خدا مانتے ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ پھر کہا۔ کیا مجھے بھی خدا کا رسول مانتے ہو؟ اس نے کہا ہاں۔ اس کے بعد دوسرے شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے پر یقین رکھتے ہو؟ اس نے کہا ہاں پھر کہا کیا تم میرے رسول ہونے کا بھی اقرار کرتے ہو؟ اس نے کہا میں بہرا ہوں۔ مجھے سنائی نہیں دیتا۔

مسیلمہ نے یہ سوال تین بار دہرایا اور اس شخص نے وہی جواب دیا۔ بالآخر پہلے مسلمان کو رہا کر دیا اور دوسرے کو قتل کر دیا۔ یہ واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بیان کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا: جو مارا گیا ہے وہ اپنے ایمان ویقین پر مارا گیا ہے اور برتری

---

[۱] یمن میں ایک شخص تھا جس نے دعوئ نبوت کیا تھا۔

Marfat.com

پا گیا ہے۔ لیکن وہ دوسرا شخص بھی گناہ گار نہیں کیونکہ اس نے اپنے خدا کی دی ہوئی رعایت اور آسانی سے فائدہ اٹھایا۔ یہ واقعہ تفسیر مجمع البیان، مرآت العقول، احکام القرآن جصاص، تفسیر کشاف، بیضاوی اور دوسری بہت سی کتابوں میں بھی مذکور ہے[۱]۔

اس واقعہ سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انسان تقیہ اختیار کرنے یا ظلم کے خلاف برسرپیکار ہو کر شہید ہونے کے معاملے میں آزاد ہے۔ اور دونوں میں سے جو راستہ چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ اتنا فرق ضرور ہے کہ اپنی جان نثار کرنے والا زیادہ فضیلت کا حامل ہے۔ کیونکہ شہید ہونیوالے کے بارے میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنے ایمان و یقین کی خاطر جان دی اور عزت و مرتبہ پایا۔ اسے یہ مقام مبارک ہو۔ اگر حقیقت اس کے برعکس ہوتی تو حضور اکرم اس کے بارے میں یہ نہ فرماتے اور کم از کم اصحاب سے یہ ضرور کہتے کہ اس نے یہ اچھا کام نہیں کیا۔ ایسا کام تم لوگ کبھی نہ کرنا۔ شیخ طبرسی رحمہ اللہ یہ واقعہ لکھنے کے بعد کہتے ہیں، اس سے ظاہر ہے کہ تقیہ ایک رعایت اور آسانی ہے جبکہ خدا کی راہ میں شہید ہونا فضیلت ہے۔

۳ـــ حضرت امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام کے دور کے مشہور راوی عبد اللہ بن عطاء سے روایت ہے کہ میں نے پانچویں امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ اہل کوفہ میں سے دو افراد کو گرفتار کر کے ان سے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرنے کے لیے کہا گیا۔ ایک نے بات مان لی۔ دوسرے نے انکار کر دیا۔ انکار کرنے والا مارا گیا اور دوسرے کی گلو خلاصی ہو گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ان کے کہنے پر بیزاری کا اظہار کیا۔ وہ امور دینی سے واقف اور خردمند ہے لیکن جس نے یہ کام نہیں کیا اور اپنی جان دے دی اس نے حصول بہشت کے لیے عجلت سے کام لیا[۲]۔

اس روایت سے بھی تقیہ کی اصل حقیقت کا علم ہوتا ہے۔ جس نے تقیہ نہیں کیا اور اپنے

---

[۱] تفسیر مجمع البیان تحت آیہ ۲۸۔ آل عمران ج ۲ ص ۴۲۰۔ مرآت العقول ج ۲ ص ۱۹۷۔ احکام القرآن جصاص ۲ ص [illegible]۔ کشاف و تفسیر بیضاوی تحت آیہ ۱۰۶ سورۂ نحل۔

[۲] وسائل جلد ۱۱ ص ۴۷۶ باب امر بالمعروف۔ کافی جلد ۲ صفحہ ۲۲۱ طبع جدید۔

عقیدے کے لیے مردانہ وار جان دے دی۔ اس کے بارے میں یہ فرمایا کہ اس نے بہشت میں جانے کی جلدی کی۔ ذہن نشین رہے کہ ائمہ کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لیتے۔ اگر یہ غلط ہوتا تو حجت خدا کا اس کی تصدیق اور اس کے وارد بہشت ہونے کی خبر دینا امر محال تھا۔ یا کم از کم وہ اتنا ضرور کہتے کہ ایسے کام کرنا مناسب نہیں۔

۴۔۔۔ ابو بکر حضرمی سے روایت ہے کہ لوگوں نے ایک مجلس میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا۔ آپ کے نزدیک امیر المومنین علی علیہ السلام سے بیزاری کا اظہار کرنا پسندیدہ ہے یا اپنے آپ کو گردن کٹوانے کے لیے پیش کرنا؟ فرمایا: خدا تعالیٰ کی دی ہوئی رعایت اور آسانی سے مستفید ہونا میرے نزدیک پسندیدہ ہے۔ کیا آپ لوگوں نے عمارؓ یاسر کے بارے میں فرمان خدا نہیں سن رکھا کہ فرماتا ہے: الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان[1]۔

(سورۂ نحل: ۱۰۶)

۵۔۔۔ خوارج میں ایک شخص ضحاک بن قیس نامی کچھ عرصے تک حاکم کوفہ رہا۔ عبد اللہ بن عجلان کہتا ہے، میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ ضحاک اہل کوفہ کا حاکم بن گیا ہے۔ ممکن ہے وہ کچھ لوگوں کو پکڑ کر علی ابن ابیطالبؑ پر تبرّا کرنے کے لیے کہے۔ اس صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہیے ارشاد فرمایا: اظہار بیزاری کرو۔ میں نے کہا: آپ کے نزدیک بیزاری کرنا یا اس کے برعکس اپنی بات پر اڑے رہ کر جان دینے میں سے کون سی صورت بہتر ہے۔ فرمایا: یہ کہ تم عمارؓ یاسر کی طرح عمل کرو کہ اسے مکے میں پکڑ کر کفار نے کہا کہ رسول پاکؐ سے بیزاری کا اظہار کرو۔ انھوں نے کیا اور جان چھڑائی۔ خدائے تعالیٰ نے اس کو قرآن پاک میں یوں بیان فرمایا: اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ[2]۔

ان دونوں روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقیہ کرنا اور خدا کی راہ میں مارے جانا ہر دو جائز ہیں۔ حضرمی کی بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ حکم اوّلین باطل کے خلاف پیکار کرتے

[1،2] وسائل ج ۱۱ ص ۴۷۹ طبع جدید، تفسیر عیاشی ۲ ص ۲۷۲ طبع جدید۔

Marfat.com

رتے شہادت پانا ہے۔ اور تقیہ صرف ایک رعایت ہے۔ اس لیے امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: "الرخصۃ احب الی"۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیلمہ کی نبوت کا قرار کرکے جان بچا لینے والے کے بارے میں فرمایا: فقبل رخصۃ اللہ فلا تبعۃ علیہ مذکورہ حدیث میں امام علیہ السلام نے تقیہ اور اس کے وسیلے سے اپنے محبوں کی حفظ جان و مصلحت وقت قرار دیتے ہوئے تقیہ کو پسندیدہ کہا ہے۔

— امیر المومنین علی علیہ السلام اور ائمہ علیہم السلام کے اصحاب باوفا میں ایک بڑی تعداد یسے حجر بن عدی اور ان کے ساتھی، میثم تمار، رشید ہجری، یحییٰ بن ام طویل وغیرہ بزرگوں نے تقیہ اختیار نہ کیا۔ اور راہ خدا میں شہادت پائی۔ ائمہ اطہار علیہم السلام نے خاص خاص دفعوں پر ان کے لیے دعا فرمائی اور خدا سے ان پر نزول رحمت کی استدعا کی۔ وہ ان کی تعریف فرماتے ہوئے ان کے نام احترام سے لیتے تھے۔ مثلاً امام حسین علیہ السلام نے معاویہ کو تحریر فرمایا:

> کیا تم وہ نہیں ہو کہ تم نے حجر بن عدی اور ان ساتھیوں کو ناحق شہید کیا۔ یہ بندے تھے جو عابد و زاہد تھے جو بدعتوں کو ناجائز سمجھتے تھے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر عمل پیرا تھے[1]

اگر تقیہ نہ کرکے شہید ہونا جائز نہ ہوتا تو ائمہ اطہار علیہم السلام ان کی تعریف نہ کرتے بلکہ ان پر تنقید فرماتے اور لوگوں کو ان کی پیروی سے منع فرماتے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کا ان پاک طینت بزرگوں کی تعریف و توصیف فرمانا ان کی اختیار کردہ راہ کی دلیل شرعی ہے اور یہ کہ انھوں نے اپنی جان اپنے ایمان اور عقیدے کی نذر کر دی۔

محمد بن مروان سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس سے فرمایا۔ میثم رحمہ اللہ کو تقیہ سے کس چیز نے باز رکھا۔ جبکہ خدا کی قسم! وہ عمار اور ان کے ساتھیوں

---

[1] الامامۃ والسیاسۃ ا ص ۱۸۰

کے لیے نازل ہونے والی آیت: "الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان" سے بہ خوبی آگاہ تھے۔[1]

اس حدیث سے عدم رضامندی کی بُو آ رہی ہے۔ اگرچہ یہ روایت مستند نہیں تاہم اس سے ظاہر ہے کہ امام نے میثم کے لیے رحمت ایزدی کی دعا فرمائی۔ آپ کا یہ کہنا کہ خدا کی قسم! "وہ تقیہ سے واقف تھے" بتاتا ہے کہ آپ نے انتہائی دکھ اور رنج سے یہ فرمایا ہے۔ اگر ترکِ تقیہ خلاف شرع ہوتا تو آپ اس طرح ارشاد نہ فرماتے۔

خلافت سوم میں حضرت علی علیہ السلام تقیہ اختیار فرمائے تھے۔ جبکہ ابوذر غفاریؓ نے احتجاج کا راستہ اختیار کر رکھا تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ ابوذرؓ کو منع نہ فرماتے تھے۔ اور نہ ہی ان پر تنقید فرماتے تھے۔ بلکہ ان کی تائید فرماتے تھے۔ اگر ابوذر تقیہ یا احتجاج کرنے میں با اختیار نہ ہوتے تو جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام ان کو ضرور روکتے

پس ظاہر ہے کہ امام عالیمقام کا تقیہ اور ابوذر کا احتجاج کرنا دونوں شرعی راستے ہیں۔ اور اگر ابوذر بھی اوروں کی طرح تقیہ کرتے تو بارگاہ خداوندی میں جواب دہ نہ ہوتے۔

"شیخ کشی" بیان کرتے ہیں کہ امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے میثم سے فرمایا: اس وقت تمہارا کیا حال ہو گا جب بنی امیہ کا منہ بولا بیٹا زیاد تمہیں مجھ پر تبرا کرنے کے لیے کہے گا۔ انھوں نے کہا: خدا کی قسم، میں یہ ہرگز نہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: خدا کی قسم: وہ تمہیں مار ڈالیں گے۔ وہ بولے، میں اس مصیبت پر صبر کروں گا۔ راہِ خدا میں یہ مصیبت معمولی سی ہے۔ جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اس وقت بہشت میں تم میرے جیسے مقام کے حامل ہوں گے۔[2]

وہ یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ ایک دن رشید ہجری سے امیر المؤمنین علیہ السلام نے فرمایا: تم

---

[1] کافی ج ۲ ص ۲۲۰ طبع جدید
[2] رجال کشی ص ۸۰ احوال میثم

س وقت کس طرح صبر کرو گے جب ابن زیاد بنوامیہ کا خود ساختہ بیٹا تم سے مجھ پر تبرّا کرنے کو کہے گا؟ اور پھر تمھارے ہاتھ پاؤں اور زبان قطع کردے گا؟ اس نے کہا: اے امیرالمومنین علیہ السلام کیا اس مصیبت اور تکلیف کے پیچھے جنت ہے؟ آپ نے فرمایا: دنیا اور آخرت یں تم میرے ساتھ ہوگے۔[۱]

حجر بن عدی جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ معاویہ کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ ان کے متعلق بھی اسی قسم کی روایت موجود ہے۔ انھوں نے امیرالمؤمنین علی علیہ السّلام کے جواب میں فرمایا اگر مجھے آپ پر تبرّا کرنے کو کہا گیا تو میں مستقل مزاجی سے کام لوں گا اور یہ کام ہرگز نہ کروں گا۔ س پر آپ نے ان کے لیے دعائے خیر فرمائی۔

یہ سب اس کی دلیل ہیں کہ ترک تقیہ جائز ہے۔ ورنہ امیرالمؤمنین علیہ السلام ان افتخار بشریت انسانوں کو اس کی اجازت ہرگز نہ دیتے اور وہ بھی تقیہ کرکے اپنی جان بچا لیتے۔ لازمی طور پر امیرالمومنین علی علیہ السلام ان سے فرماتے کہ تم اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بلکہ تم پر لازم ہے کہ تقیہ اختیار کرکے اپنی جان کی حفاظت کرو۔

علامہ مجلسی رحمہ اللہ "مرآۃ العقول" میں فرماتے ہیں: میثم، رشید اور قنبر خدا ان کے درجات کو بلند کرے۔ سے یہ بعید ہے کہ امام برحق علی علیہ السلام ان کی موت کی خبر دیں اور انھیں تقیہ کا حکم دیں تو وہ اس کو نہ مانیں۔ اور اگر ہم یہ کہیں کہ تقیہ کو ان کے لیے بیان نہیں کیا گیا تو یہ اور بھی دور از حقیقت ہے۔ واضح امر یہ ہے کہ وہ تقیہ یا عدم تقیہ دونوں کو اختیار کرنے میں آزاد تھے۔ اور انھوں نے مشکل ترین و صعب ترین راہ کو اختیار کیا ہے۔[۲]

۷۔۔۔ اس سے قطع نظر کہ امام حسین علیہ السّلام کی شہادت اور ظلم کے خلاف ان کی جدوجہد اپنی شہادت پر ان کے کامل یقین کا ثبوت ہے۔ اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ

---

[۱] رجال کشی ص احوال رشید

[۲] مرآۃ العقول ج ۲ ص ۱۹۷

Marfat.com

خدا کی راہ میں شہید ہو جانا یا تقیہ کر کے جان بچانا دونوں جائز ہیں۔

اسی طرح تمام دوسرے ائمہ اطہار علیہم السّلام کا تقیہ اختیار کرنا جوازِ تقیہ ہے۔ امام حسین علیہ السّلام نے روزِ عاشورا اپنے ساتھیوں سے فرمایا: خدا تعالیٰ نے آج کے دن مجھے اور تمھیں شہید ہونے کی اجازت دی ہے، ثابت قدمی سے جہاد میں حصّہ لو۔[۱]

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی یہی اصول وضع ہوتا ہے

(الم)ختصر یہ کہ ائمہ اطہار علیہم السلام کے طرزِ عمل اور ظلم و جور کے خلاف ان کے اقدامات سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان تقیہ یا جہاد میں سے ایک راستہ اختیار کر سکتا ہے۔ اسے آزادی ہے کہ چاہے وہ ظلم و زیادتی کے خلاف عملی اقدام کرے اور خدا کی راہ میں مارا جائے جبکہ وہ اِن ناانصافیوں کا خاتمہ بھی نہ کر سکے۔ یا پھر تقیہ اختیار کرے اور اپنے قول سے مخالفت جاری رکھے جیساکہ بعض ائمہ اثنا عشر نے یہ راستہ اختیار کیا۔ اس کے ساتھ ہی بعض نے عملی اقدامات کیے اور اپنی جانی قربانیاں پیش کیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دین اسلام کی نشر و اشاعت اور بقا کے یہ دونوں عمل ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور مصلحتِ دین دونوں کا تقاضا کرتی ہے۔

مسیلمہ کذاب اور دو مسلمانوں کے مذکورہ واقعہ سے ہم یہ اصول وضع کر سکتے ہیں کہ تقیہ ترک کرنا فضیلت و برتری کا باعث ہے اور حکمِ اوّل یہی ہے۔ تقیہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک رعایت اور آسانی ہے۔

عبد اللہ بن عطا کی بیان کردہ روایت سے ظاہر ہے کہ جو کوئی بھی تقیہ کرتا ہے۔ وہ اپنے دین کے فقہی مسائل سے واقف اور دانا ہے اور جو کوئی تقیہ نہیں کرتا وہ وارد بہشت ہونے میں عجلت کرتا ہے

معترضین یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقیہ کا نام صراحت سے لیا

---

[۱] اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۱۲۶

Marfat.com

ارشاد باری ہے:

لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المومنین ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء الا ان تتقوا منھم تقیۃ۔[1]

یعنی مومن کافروں کو اپنا دوست نہیں بناتے اور جو کوئی ایسا کرتا ہے تو اسے خدا سے کچھ سروکار نہیں رہتا اور اس کا رشتہ خدا سے منقطع ہو جاتا ہے مگر وہ شخص جو کافروں سے خوف محسوس کرے اور ان سے بچنے کے لیے تقیہ اختیار کرے۔[2]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ کا عمومی حکم خوف جان کی صورت میں ہے۔ پس معترضین کہیں گے کہ یہ دعوے کس طرح کیا جاسکتا ہے کہ انسان کو تقیہ یا کھلم کھلا احتجاج و مخالفت میں سے کوئی ایک راہ اختیار کرنے کی آزادی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت شریفہ میں فقط تقیہ کا جواز بتایا گیا ہے اس کے وجوب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ محققین نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی تقیہ نہیں کرتا اور اعلائے کلمۂ حق کرتے ہوئے مارا جاتا ہے تو اس آیت کا اس پر اطلاق نہیں ہوتا جبکہ راہِ خدا میں حق کا ساتھ دیتے ہوئے شہید ہونے کی فضیلت کے لیے بہت سی دلیلیں ہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ وجوب تقیہ کے لیے اہل بیت علیہم السلام سے بہت سی روایات ہیں اور یہ کہ تقیہ ائمہ اطہار کا طریقہ ہے۔ اور جو کوئی تقیہ نہ کرے وہ صاحب ایمان نہیں ہو سکتا۔ اور تقیہ تو مومن کی سپر ہے:

تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ بہت سی ایسی روایات موجود ہیں جو ترک تقیہ کا جواز بھی

---

[1] آل عمران۔ آیۃ: ۲۸

[2] اتقاء یا تقیۃ خوف کے وقت میں محتاط رویہ اختیار کرنا ہے۔ اس کے بعد یہ خوف کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام سے منقول روایات کے مطابق یہ آیت جواز تقیہ میں ہے۔ جیسے سورۂ نحل کی آیت ۱۰۶ اور المیزان ج ۳ ص ۱۰۳ اور اس کے بعد۔

Marfat.com

پہنچاتی ہیں۔ تقیہ نہ کرنے والے شہدائے راہِ حق کی مدح میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں۔ ان روایات میں تقیہ کو اس صورت میں واجب قرار دیا گیا جب کہ ترکِ تقیہ اور علمِ احتجاج بلند کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ یا پھر مکتب اہلِ بیت علیہم السلام کے سرے سے ہی ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر تقیہ سے کام نہ لینے اور آوازِ حق بلند کرنے میں تھوڑا سا بھی فائدہ ہو تو پھر انسان کو کوئی بھی راستہ اپنانے کا اختیار ہے۔ اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے کہ راہِ خدا میں جان دینے سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

بہت سی روایات صرف اثباتِ تقیہ اور اس کی شرعی حیثیت کو واضح کرتی ہیں۔ اہلِ سنت حضرات تقیہ کے اس قدر قائل نہیں ہیں۔ جس قدر اہلِ تشیع۔ خوارج اس کو بالکل حرام سمجھتے ہیں۔ اور ائمہ کرام علیہم السلام نے یہ سعی فرمائی ہے کہ ان دونوں گروہوں کے مقابلے میں تقیہ کا جواز اور اس کے شرعی ہونے کو ثابت کیا جائے۔ مثلاً جہاں امام جعفر صادق علیہم السّلام "التقیة من دین الله"[1] فرماتے ہیں: وہاں امام محمّد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ التقیة من دینی و دین آبائی ..."[2]

اس سے ان حضرات کا مقصد تقیہ کو از روئے شرع جائز قرار دینا ہے۔ المختصر یہ کہ ائمہ اطہار علیہم السلام چاہتے تھے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ دشمنانِ خدا و دین اور ستمگاروں کے مقابلے میں صرف شہید ہو جانا ہی ایک راستہ نہیں بلکہ تقیہ کا راستہ بھی موجود ہے اور انسان دونوں میں کسی کو بھی منتخب کر سکتا ہے۔

اس ساری بحث سے دو نتیجے برآمد ہوئے:

(۱) مسلمان دشمنانِ خدا و دین کے مقابلے میں تقیہ کرنے یا سینہ سپر ہونے میں سے کسی ایک راہ کو اختیار کر سکتا ہے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ انجام موت ہوگی تقیہ کر کے راہِ خدا میں اپنی جان کی قربانی دے سکتا ہے۔

(۲) اَولیٰ تر یہ ہے کہ ظالموں اور ستم گاروں سے برسرِ پیکار رہا جائے اور تقیہ ایک رعایت و آسانی ہے جیسا کہ حدیثِ رسولؐ میں " فقبل رخصة الله " اور امام جعفر صادق

---

[1] کافی ج ۲ ص ۲۱۷ طبع جدید ۲۳۔ وسائل ج ۱۱ ص ۴۶۲ طبع جدید حدیث ۱۸

[2] کافی ج ۲ ص ۲۱۹ طبع جدید حدیث ۱۲

علیہ السلام کے فرمان "الرخصۃ احب الی" سے ظاہر ہوتا ہے۔

آل عمران کی آیت: لا یتخذ المومنون الکافرین اولیاء من .... الا ان تتقوا .... سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اول حکم مبارزت کا ہی ہے۔

(۲) تقیہ اسی صورت میں واجب ہوتا ہے۔ جب اسے ترک کرنا اور ظلم سے برسرپیکار ہونا مطلقاً مفید نہ ہو۔ یا اس سے دین کو ضرر پہنچے۔ ائمہ اطہار علیہم السلام نے اہل سنت اور خوارج کے برعکس تقیہ کو صحیح اور شرعی راستہ قرار دیا۔ اور اس کو حرام سمجھنا ناجائز بتلایا۔ وسائل الشیعہ اور کتاب کافی میں تقیہ سے متعلق احادیث سے رجوع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام نے اپنے شیعوں کو تقیہ کرنے اور اپنے عقائد کو پوشیدہ رکھنے کا حکم اس لیے بھی دیا کہ خلفائے بنی امیہ اور بنی عباس سے مذہب شیعہ کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اگر شیعہ تقیہ سے کام نہ لیتے تو مخالفین انہیں نیست و نابود کر دیتے۔ اور مذہب ائمہؑ کو شدید نقصان پہنچتا۔

معرکۂ کربلا اور جان کو ہلاکت میں نہ ڈالنے کا قرآنی حکم

مباحث گزشتہ سے واضح ہوا کہ حق کی موافقت میں جان دے دینا حصولِ بہشت میں عجلت اور حیاتِ ابدی حاصل کرنا ہے اور جو کوئی بھی راہِ خدا میں شہادت سے ہمکنار ہوتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی زندگی کو ہلاکت میں نہیں ڈالتا، بلکہ حیاتِ جاوداں اور ہمیشہ رہنے والی فضیلت حاصل کر لیتا ہے۔ پس اس سوال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ معرکۂ کربلا ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ کے قرآنی حکم سے کیوں کر مطابق ہو سکتا ہے۔ لیکن اس آیت کا حقیقی مطلب اور اس کے اطلاق سے متعلق صورت حال واضح

Marfat.com

کرنے کے لیے اس پر بحث کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ یہ کہیں کہ "ولا تلقو بایدیکم الی التھلکہ" یعنی اپنے نفس کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو کے قرآنی حکم کی موجودگی میں امام عالیمقام علیہ السلام کا ظلم کے خلاف اقدام یہ جانتے ہوئے کہ وہ شہید ہوں گے۔ کیسے درست ہے ؟

ہمارا جواب یہ ہوگا کہ اگر راہِ حق میں شہید ہونا نفس کو ہلاکت سے دوچار کرنے کے مترادف ہوتا تو سیدالشہدا علیہ السلام جو حجّتِ خدا تھے اور احکامِ دینی کے عالم تھے۔ ان سے یہ عمل ہرگز سرزد نہ ہوتا۔ کیونکہ آپ کا عمل لوگوں کے لیے حجت ہے۔ نفس کو ہلاکت میں ڈالنے کے معنی قرآن حکیم سے یہ نکلتے ہیں کہ ایک جماعت یا کوئی شخص بخل کرلے، اتفاق نہ کرلے اور ایک دوسرے کی مدد نہ کرنے سے دشمنوں کو اپنے پر مسلط کرلے تو ان کی بدبختی کا سامان مہیا ہوجاتا ہے اور یہ ان کی ہلاکت ہے۔ چنانچہ اس ہلاکت سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔ دوسری صورت میں اگر مارے جانے سے کوئی فائدہ نہ ہو یا موت راہِ باطل میں ہو تو اس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

سورۂ بقرہ کی یہ آیت یوں ہے: "وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین"[1]

یعنی راہِ خدا میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔ خدائے تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔ وانفقوا فی سبیل اللہ اس کی دلیل ہے کہ خدا کی راہ میں انفاق نہ کرنا اور خاص طور پر جنگ کے موقع پر ایسا نہ کرنا ہلاکت اور دشمن کو غالب ہونے کا موقع بہم پہنچانا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں پر واجب تھا کہ جنگ کے موقع پر اپنی استطاعت کے مطابق وسائل مہیا کریں تاکہ مجاہدین کو لوازم ضروریہ میسر ہوں۔ اس

---

[1] البقرۃ، ۱۹۵

Marfat.com

موقع پر ممکن تھا کہ بعض لوگ لیت و لعل سے کام لیں اور کچھ ایسا کر بھی رہے تھے ۔ چنانچہ قرآن حکیم نے ان کو سرزنش کی کہ اس معاملے میں بخل و کنجوسی انھیں تباہی سے دوچار کر دے گی۔

ابن کثیر دمشقی نے اپنی تفسیر میں ابو اسحٰق سبیعی سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص نے براء بن عازب سے پوچھا کہ اگر میں اکیلا ہی دشمن پر حملہ کروں اور اس کے ہاتھوں مارا جاؤں تو کیا اس طرح میں اپنے نفس کو خود ہلاکت میں ڈالوں گا؟ براء نے جواب دیا، نہیں۔ کیونکہ خداوند عالم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے: "فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک ـــــ راہِ خدا میں جہاد کرو اور تم اپنی جان ہی کے مکلف ہو۔" اس کے بعد براء نے کہا، یہ ہلاکت موقعِ جنگ پر انفاق نہ کرنے سے متعلق ہے[۱]۔

اسباب النزول میں واحدی نے حکم بن عمران سے روایت درج کی ہے کہ فتح قسطنطیہ کے موقع پر جب کہ اہل مصر کا سپہ سالار عقبہ ابن عامر جہنی صحابی اور اہل شام کی قیادت فضالہ بن عبید صحابی کر رہے تھے، ایک مسلمان اکیلا ہی دشمن کی صفوں پر ٹوٹ پڑا اور ان کو تتر بتر کر دیا اور بخیریت واپس آگیا۔ ہم میں سے ایک گروہ نے نعرہ لگایا: سبحان اللہ! اس بہادر نے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا ۔۔۔ ابو ایوب انصاری صحابی رسولؐ ہمارے ساتھ تھے۔ وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا، یہ آیت ہم انصار کے متعلق نازل ہوئی تھی۔ تم لوگوں نے اس کو دوسرے معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔

آپ کا مطلب یہ ہے کہ جب اسلام کو وسعت ہوئی تو ہم ایک دوسرے سے پوشیدہ طور پر کہنے لگے: ہمارا مالی نقصان ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ ہم اپنی دولت کو حاصل کریں اور جو کچھ ضائع ہوا ہے اس کو دوبارہ پا لیں۔ خدائے تعالیٰ نے ہماری ان باتوں کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی "وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ" اس سے

---

[۱] تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۲۹۔

مراد یہ تھی کہ ترک جہاد اور مدینہ میں اقامت جس کا ہم ارادہ کر چکے تھے، ہلاکت ہے پس ہم جہاد پر روانہ ہو گئے۔[1]

اس روایت سے ثابت ہوا کہ ہلاکت ترک جہاد ہے نا کہ جہاد اور شہادت۔ وانفقوا فی سبیل اللہ کے تحت ہلاکت کی حرمت ختم نہیں ہو جاتی اور نہ ہی یہ جملہ ترک انفاق سے مخصوص ہے چنانچہ جو کوئی بھی اپنے آپ کو بغیر کسی وجہ کے ہلاکت میں ڈالتا ہے جیسے زہر کھا لینا یا چھت پر سے چھلانگ لگا دینا تو وہ اس آیت کے مصداق فعل حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔ ظلم و جور کے خلاف آواز بلند کرنا اور اس کے لیے جان دے دینا، موضوع کے اعتبار سے ہلاکت نفس کے ضمن میں نہیں آتا۔ اور اگر کوئی اس کو ہلاکت سمجھتا ہے تو اسے چاہیے کہ غزوات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی اسی میں شمار کرے کیونکہ دو سو کے مقابل بیس افراد کا جانا اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

> اے پیغمبرؐ مومنوں کو جہاد کی ترغیب دیجئے اگر تم میں بیس افراد صبر کرنیوالے ہوں تو وہ دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر سو صابر ہوں تو ہزار کافروں پر غلبہ پالیں گے۔[2]

بنیادی طور پر راہ خدا میں شہید ہونا حیات جاودانی ہے۔ نا کہ ہلاکت، خدائے تعالیٰ شہداء اسلام کے حق میں فرماتا ہے: ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون[3] — خدا کی راہ میں مارے جانے والوں کو مردہ مت سمجھو وہ تو زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں۔

---

[1] اسباب النزول ص ۳۰۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۲۹۔ تفسیر المیزان جلد ۲ صفحہ ۷۱...

[2] انفال: ۶۵

[3] آل عمران: ۱۶۹

Marfat.com

کیا امام حسین علیہ السلام پر دشمنانِ اسلام کیخلاف عملی اقدام کرنا اور شہید ہونا واجب تھا یا جائز؟

اس وضاحت کے بعد کہ انسان تقیہ یا بغاوت میں سے کوئی راہ بھی اختیار کر سکتا ہے اور راہ خدا میں طاغوتی قوتوں کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا ہلاکت نفس نہیں۔ ضروری ہے کہ ہم یہ جان لیں کہ عملی اقدام امام عالی مقام پر واجب تھا یا ان کے لیے جائز تھا۔ اگر دوسرے ائمہ علیہم السّلام کی مانند آپ بھی تقیہ فرماتے اور ان کی مانند ہی جدوجہد جاری رکھتے تو کیا وہ بارگاہ خداوندی میں جواب دہ ہوتے۔

اس سوال کے جواب میں ابتدا میں ہم پہلے امام حسین علیہ السلام کے یاران باصفا کے فرائض کا پھر خود امامؑ کا اسی نکتہ نگاہ سے جائزہ لیں گے۔ اصحاب امام ان دونوں راستوں میں سے ایک کا انتخاب کرنے میں مختار تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ شب عاشورہ آپ نے ان کو چلے جانے کا مشورہ دیا تھا۔ لیکن انھوں نے جانا گوارا نہ کیا اور آپ کی معیت میں جان دینے کو زندہ رہنے پر ترجیح دی۔ اگر وہ کربلا سے چلے جانے اور تقیہ اختیار کرنے میں آزاد نہ ہوتے تو امام علیہ السلام انھیں کبھی جانے کا مشورہ نہ دیتے بلکہ فرماتے کہ تم پر فرض ہے کہ میرا ساتھ دیتے ہوئے راہ حق میں شہید ہو جاؤ۔ یا یہ کہ تم پر واجب ہے کہ چلے جاؤ اور اپنی جان بچا لو۔ لیکن ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے۔

روز عاشورہ جب شہادت امام علیہ السلام کا وقت قریب سے قریب تر ہو رہا تھا تو مسعودی کی روایت کے مطابق آپ اپنے اصحاب باوفا سے فرماتے تھے: ان اللہ قد اذن فی قتلکم الیوم وقتلی[1] ــــــ یعنی خداوند عالم نے آج کے دن مجھے اور

[1] اثبات الوصیۃ ص ۱۱۶

Marfat.com

تمہیں شہید ہونے کی اجازت دے رکھی ہے۔ لفظ اذن سے ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کو اپنی جانیں نثار کرنے کا اختیار دے رکھا تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالات کی ابتری اور امام وقت کے خطرات سے دوچار ہونے پر بھی وہ اس اختیار سے محروم نہیں ہوئے جو انھیں تقیہ یا حق کا بول بالا کرنے کی سعی میں سے کسی ایک کو اپنانے سے متعلق تھا۔ ورنہ حضرت یہ فرماتے کہ آج تم پر قتال خدا نے واجب کر دیا ہے۔

ضحاک بن عبد اللہ مشرقی[1] سے منقول ہے کہ جب روز عاشورا اصحاب امام علیہ السلام جام شہادت نوش فرما گئے اور صرف دو افراد باقی رہ گئے۔ تو میں خدمت امام عالی مقام میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرے اور آپ کے درمیان کیا بات طے ہوئی تھی کہ جب تک آپ کے یاور و انصار باقی ہوں گے میں آپ کے پاس رہوں گا اور جنگ کروں گا۔ لیکن جب یہ لوگ شہید ہوں گے تو مجھے جانے کی آزادی ہوگی۔ آپ نے فرمایا: تم درست کہتے ہو لیکن ان تمام دشمنوں کے نرغے سے تم کیوں کر بچ کر نکلوگے؟ اگر جا سکتے ہو تو چلے جاؤ۔ میں نے تمھیں اجازت دے دی۔ تم آزاد ہو۔

ضحاک کہتے ہیں: میں نے اس دن دشمنان امام علیہ السلام میں سے دو کو مارا اور ایک کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ امام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لیے کئی بار دعا فرمائی اور کہا: تمھیں کبھی کوئی تکلیف نہ ہو، تمھارے ہاتھ سلامت رہیں۔ خدا تعالیٰ تمھارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت علیہم السلام کی طرف سے تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے بعد مجھے جانے کی اجازت دے دی۔ میں خیموں میں سے اپنا گھوڑا نکال لایا۔ اس پر سوار ہوا اور اس کو زور سے ایڑ لگائی اور اس کی باگیں چھوڑ دیں۔ گھوڑا اتنی برق رفتاری سے دوڑا کہ دشمنوں نے مجبوراً مجھے

---

[1] طبری نے اس کا نام مشرقی بہ کسر میم و قاف لکھا ہے جب کہ کامل ابن اثیر نے قاف کی جگہ فا لکھا ہے۔

راستہ دے دیا اور میں ان کی صفوں سے دور نکل آیا۔[1]

اس واقعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آخری وقت تک انصار امام علیہ السلام دونوں راستوں میں سے کسی کو اختیار کرنے میں آزاد تھے اور امامؑ عالیمقام کا مبتلائے آلام اور خطرات میں گھرے ہونا احکام میں تبدیلی کا باعث نہیں بنا تھا۔ ورنہ آپ ضحاک سے اس طرح نہ فرماتے اور کم از کم اتنا ضرور کہتے کہ اگر جا سکتے ہو تو چلے جاؤ۔ لیکن یاد رکھو یہ خدا کی ناراضگی کا باعث ہے۔ کیونکہ اس وقت اہل کوفہ فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے ہیں۔ پس تمہارا فرض ہے کہ تم ثابت قدم رہو اور اپنی جان نثار کر دو۔

مختصر یہ کہ انصارانِ امام علیہ السلام کو سابقہ احکام کے تحت کوئی بھی راہ اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ لیکن ان بزرگوں نے کٹھن و مشکل راہ کا انتخاب کیا اور دربار حق میں سُرخ رو ہو کر حاضر ہوئے۔

اگر یہ کہا جائے کہ شب عاشورا اور روز عاشورا کے ابتدائی حصے میں یہ امکان موجود تھا کہ جنگ نہ ہو اور کوئی واپس چلے جائیں تو اصحاب امام عالی مقام علیہ السلام کو ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کو اختیار کرنے کی آزادی تھی۔ لیکن جب آپ کی شہادت یقینی ہو گئی تو یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ اگر امام علیہ السلام کے یار و انصار اُنھیں موت کے منہ میں اکیلا چھوڑ کر چلے جاتے تو کیا وہ خدا و رسولؐ کے نزدیک قابل معافی ہو سکتے تھے؟ اگر کوئی عادل و معصوم امام کو شہید ہوتا دیکھے اور پھر اس کا ساتھ چھوڑ جائے تو کیا وہ مستحق عذاب نہ ہو گا؟

ہم اس کا جواب یہ دیں گے یہ مسئلہ بہت ہی نازک ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب امام علیہ السلام کی شہادت یقینی ہو گئی تو آپ کے اصحاب کے لیے شہید ہونا

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۳۹ ابن اثیر در کامل جلد ۲ ۲۹۲ نے اس کا مختصراً ذکر کیا ہے۔

Marfat.com

واجب ہوگیا۔ رہا یہ مسئلہ کہ آپ نے ضحاک کو آزاد کردیا اور اُس سے یہ بھی نہ کہا کہ تنہا جانا عذابِ خدا کا باعث ہوگا تو یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کی خواہش تھی کہ واقعۂ کربلا ضحاک کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچے۔ تاکہ یہ زبردست سعی اور کوشش جلد بار آور ہو ممکن ہے کہا جائے کہ آخری وقت تک امام علیہ السلام تقیہ یا بیعت کرکے اپنے آپ کو شہادت سے بچا سکتے تھے۔ لیکن آپ نے خود ہی راہِ حق میں موت کو گلے سے لگا لیا۔ اس لیے آپ کے اصحاب کو تقیہ یا شہادت میں سے انتخاب کا حق حاصل تھا۔ کیونکہ وہ اختیار سے اسی وقت محروم ہو سکتے تھے جب کہ دشمنوں کا یہ ارادہ ہوتا کہ امام علیہ السلام تقیہ کریں یا نہ کریں انھیں شہید کردیا جائے۔ اس سوال کا کوئی قطعی جواب دینا مشکل ہے لیکن گمان اغلب یہ ہے کہ امام علیہ السلام کا شہید ہوجانے کا ارادہ اور اہل کوفہ کا ان کو شہید کرنے کا عزم آپ کے اصحاب پر فرض کرتا تھا کہ وہ آپ کو تنہا نہ چھوڑیں۔ یہ کوئی معمولی نہ تھی کہ فرزندِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دھنِ مرگ میں چھوڑ کر چل دیا جائے۔ اگر انصار امام علیہ السلام پر نصرتِ امامؑ میں شہید ہونا فرض کرلیا جائے تو بھی ہمارا نقطۂ نظر پوری قوت سے قائم رہتا ہے کیونکہ مخصوص حالات میں اس کا واجب ہونا ثانوی حکم ہے۔

جو کچھ ہمارے علم میں ہے وہ ہم نے بیان کردیا اور اس میں صحت یا سقم کی ذمہ داری ہم پر ہے۔ کسی اور جگہ ہم نے ایسی تحقیق نہیں دیکھی۔ واللہ العالم۔

امام حسین علیہ السلام کے بارے میں یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ باطل کے خلاف برسرِ پیکار ہو کر شہید ہوجانا ان پر واجب ہوگیا تھا۔ کیونکہ اس وقت دینِ اسلام کو شدید خطرہ لاحق تھا۔ اور اس کی موجودگی میں تقیہ آپ پر حرام تھا۔ "صحیفۂ مختوم" جس میں ائمہ برحق کے فرائض بیان کیے گئے ہیں، میں درج شدہ روایات سے یہ حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔ ان روایات سے درج ذیل جملات قابلِ توجہ ہیں۔

مثلاً یہ کہ حسین بن علی علیہ السلام نے اس صحیفہ میں سے ایک مہر اٹھائی اس

کھولا تو اس میں لکھا ہوا تھا" جری اور بہادر لوگوں کے ساتھ شہید ہونے کے لیے باہر آؤ۔ وہ شہید نہ ہوں گے۔ مگر تمہارے ساتھ۔ اور تم اپنے نفس کو خدا کے ہاتھ فروخت کر دو۔ یا پھر یہ کہ حسین بن علی علیہ السلام نے اس سے تیسری مہر اٹھائی۔ اس میں لکھا ہوا تھا: جہاد کرو، دشمنانِ خدا کو مارو اور خود بھی شہید ہو جاؤ۔[1]

اگر ان روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شہادت آپ پر واجب تھی تو پھر گزشتہ اوراق میں مندرج اقوال ور روایاتِ ذیل بھی اس کی تائید کریں گی۔ ان اللہ قد شاء ان یراك قتیلا، وخیرلی مصرع انا لاقیہ، لا محیص عن یوم خط بالقلم۔

یہ بھی دعوٰے کیا جا سکتا ہے کہ گزشتہ دلائل کی بنا پر آپ دونوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنے میں آزاد تھے۔ لیکن آپ نے مشکل و کٹھن راہ چُن لی اور شہادت کو پسند فرمایا۔ یہ انتخاب آپ کی عظمت و بزرگی اور کمال اخلاص کی دلیل ہے۔ آپ نے رضائے خدا کے حصول کے لیے شہادت کو سینے سے لگا لیا۔ اور اس راہ کو اختیار کیا جو آپ پر واجب تھی۔

امام حسین علیہ السلام کی بے مثال شخصیت

(ھیہات منا الذلۃ)

انسانی وجود میں چند رجحانات وہ ہیں جو اس کے ضعیف پہلو کہے جا سکتے ہیں۔ جیسے عزت و اقتدار کی خواہش اور دولت کی محبت۔ ہر انسان ان خواہشات کے سامنے بے بس ہے اور ان کے ذریعے سے اُس کے مقاصد میں اسے شکست دی جا سکتی ہے۔ اگر ہم انسان کے وجود کو ایک مضبوط فصیل سے تشبیہ دیں تو یہ رجحانات اس کے شگاف کہلا سکتے ہیں۔ جن

---

[1] کافی ج ۱ ص ۲۷۹ جدید طبع جدید، باب "ان الائمۃ لم یفعلوا شیئاً ولا یفعلون الا بعھد اللہ" حدیث ۱ و ۲

Marfat.com

میں سے فصیل میں داخل ہو کر اس پر حملہ کیا جا سکتا ہے۔

انسانی وجود کا ایک کمزور پہلو یہ بھی ہے کہ وہ زندگی سے پیار کرتا ہے، موت سے خوف زدہ ہوتا ہے اور احوال بعد مرگ کا ادراک نہیں کر سکتا۔ یہ پہلو بے حد نازک ہوتا ہے اور اکثریت میں موجود ہوتا ہے۔ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اس خوفناک مسئلے کے مقابلے میں اپنی ذات کو ذلت و خواری کی گہرائیوں میں نہیں گراتے۔ جب موت انسان کے مقابل آکر کھڑی ہو جاتی ہے تو اس وقت قوی سے قوی دل انسان بھی اس کی ہیبت سے لرز اٹھتے ہیں۔ وہ زندہ رہنے کے لیے اور اپنی ذات سے محبت کی وجہ سے مذلت و رسوائی کو گوارا کر لیتے ہیں۔

جب بھی کسی انسان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ یہ کمزوریاں اس کی شخصیت میں سے محو ہو جائیں تو پھر یہ رجحانات اس پر اثر انداز نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ موت سے خوف زدہ ہوتا ہے۔ ایسا انسان اس قدر مضبوط و مستحکم ہو جاتا ہے کہ اگر دنیا بھر کی طاقتیں مجتمع ہو جائیں تو بھی اس کو مغلوب نہیں کر سکتیں اور یہ ناقابل تسخیر شخصیت بن جاتی ہے۔

بنی امیہ کی بنیادی اور سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ انھیں ایسے انسان سے سابقہ پڑا تھا جس کو نہ تو نفسانی خواہشات کی راہ سے مغلوب کیا جا سکتا تھا اور نہ ہی موت سے ڈرا کر قابو میں کیا جا سکتا تھا؟

سید الشہدا علیہ السلام وہ جری تھے جو مشکلوں اور مصیبتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے۔ ان میں حصول مقصد کے لیے حیران کن استقامت تھی۔ ان کا ارادہ اور فیصلہ لوہے کی طرح مضبوط تھا کہ جس میں کسی قسم کی سختی و ناسازگاری رخنہ اندازی نہ کر سکتی تھی اور دشمن بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے تھے۔

شمر بن ذی الجوشن امام حسین علیہ السلام کے خلاف جنگ میں سخت احکام کے بعد شریک ہوا تھا ابن سعد نے اہل کوفہ کی رسم سے آگاہ ہو کر شمر کو حکم دیتے ہوئے کہا تھا تف ہو تم پر کہ تم نے میرا کام خراب کر دیا ہے۔ خدا کی قسم! حسینؑ وہ ہے جس کے دونوں پہلوؤں میں اس کے باپ علی علیہ السلام

Marfat.com

کی رُوح ہے[1]۔ وہ ہرگز مطیع نہ ہوں گے اور طبری کے مطابق ابن سعد نے کہا: خدا کی قسم الحسین علیہ السلام اپنے دونوں پہلوؤں میں مستحکم و مضبوط نفسِ ناقابل تسخیر رکھتا ہے[2]۔

یہ مرد حری روز عاشورا جب کہ وہ اپنے خون کے پیاسے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ تین دن سے اُس کا پانی بند تھا۔ شدتِ پیاس میں عورتوں اور بچوں کی آہ و زاری دل کو ہلا دینے والی تھی۔ بیٹوں، بھائیوں اور یارانِ باصفا کی موت لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ عورتوں اور بچوں کے ساتھ مستقبل قریب میں جو پیش آنے والا تھا وہ ایک انتہائی مصیبت تھی، لیکن ان سب کے باوجود وہ انتہائی دلیری، جرأت و بہادری اور اپنی ذات پر مکمل اعتماد کے ساتھ اپنے اصحاب اور اعزا و اقربا سے فرما رہے تھے:

"خداوند عالم نے آج کے دن تمھیں اور مجھے شہید ہونے کی اجازت دے رکھی ہے، جرأت و ہمت اور ثابت قدمی سے کام لو اور جہاد کرو[3]"

یہ الفاظ قیامت تک چہرۂ انسانیت کو ضیا بخشتے رہیں گے۔ جو اس انسان کے دہنِ مبارک سے نکلے ہیں کہ جس پر صرف دو ہی دروازے کھلے تھے کہ یا تو وہ جان دے دے یا ذلت و رسوائی برداشت کرے۔ ان کے علاوہ تمام راہیں اس پر مسدود ہو چکی تھیں۔ آپ کی یہ بات اس مسئلے کا جواب ہے جو مفکرین کے ذہنوں کو مشغول رکھے ہوتے ہے اور آیندہ بھی رکھے گا کہ مصلحت اِن کو نہ دشام کی بات ماننے میں تھی یا شہید ہونے میں۔ سید الشہدا کا جواب یہ ہے:

"یہ میرا پروردگار ہے جس نے آج مجھے اور میرے بزرگ و جوان ساتھیوں کو اپنی راہ حق و انصاف، عظمت و فضیلت کی برقراری اور حق کا بول بالا کرنے کے لیے بنو امیہ کی شمشیر ظلم کا لقمہ بن جانے کی اجازت دی ہے اور میرے اہل بیت علیہم السلام کو اسیری

۱؎ ارشاد شیخ مفید ص ۲۱۳

۲؎ تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۱۵

۳؎ اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۲۱۶

Marfat.com

سے دوچار کیا ہے۔ تاکہ میری لغت زندگی میں ذلت کا لفظ لکھا جائے اور لوگ جان لیں کہ حقیقت یہ نہیں کہ ہمیشہ ظالم کے ہاتھ چومے جائیں اور اس کو قوم کے مقدر سے کھیلنے کی اجازت دے دی جائے۔"

کسی نے درست کہا ہے:

مرد خدای تن بہ مذلت نمی دھد۔
انسان بہ کسب عزت وذلت مخیر است

لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم، فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ۔ وکلا وعد اللہ الحسنی وفضل المجاھدین اجرا عظیما[1]

یعنی سوائے معذور لوگوں کے جہاد سے منہ چھپا کر بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے مال وجان سے جہاد کرنے والے ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔ بلکہ اپنے جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر خدا نے درجہ کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ہے۔ اگرچہ خدا نے سب ایمانداروں سے (خواہ جہاد کریں یا نہ کریں) بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے۔ مگر غازیوں کو خانہ نشینوں پر بہ اعتبار ثواب برتری حاصل ہے۔

اس آیۂ شریفہ سے دو اہم مطلب نکلتے ہیں۔ ایک یہ کہ راہِ حق میں جہاد کرنے والے ان کے برابر نہیں ہو سکتے جو جہاد کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔ ان دونوں کا معاملہ ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ راہِ حق میں جان دینے والے دوسروں سے افضل ہیں۔ دوسرے یہ کہ جہاد نہ کرنے والے دین کی خلاف ورزی کے مرتکب نہیں ہوتے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے دونوں گروہوں سے نیک اجر کا وعدہ کر رکھا ہے۔ اگر جہاد نہ کرنیوالے غیر شرعی فعل کے مرتکب ہوتے تو خدا یہ نہ فرماتا: "وکلا وعد اللہ الحسنیٰ" خدا نے سب ایمانداروں سے خواہ جہاد کریں یا نہ کریں، بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے۔

---

[1] نساء: ۹۵

Marfat.com

الغرض یہ کہ اگر کوئی مال اور جان سے راہ خدا میں جہاد کرتا ہے تو وہ دوسروں پر برتری رکھتا ہے۔ اس سعادت سے محروم رہنے والا اگرچہ خدا کی ناراضگی مول نہیں لیتا۔ تاہم مجاہدوں کا سا مرتبہ ومقام حاصل نہیں کرسکتا۔ گزشتہ مباحث سے واضح ہوا کہ یہ ایک اٹل اصول ہے کہ آدمی ان دونوں میں سے کسی ایک راہ کو منتخب کرسکتا ہے۔ آئندہ بھی اس پر مزید بحث ہوگی۔[1]

سطور گزشتہ میں بیان ہوا کہ جب انسان موت کے روبرو ہوتا ہے تو اس کے پائے استقامت میں لغزش آجاتی ہے اور وہ زندہ رہنے کے لیے ذلت وخواری برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔ جنگ صفین میں عمرو بن عاص نے علی بن ابی طالب علیہ السلام سے مغلوب ہونے کے بعد ان کی گرفت سے بچ نکلنے کے لیے ہزاروں انسانوں کے سامنے اپنے آپ کو عریاں کردیا اور یوں ذلیل ہوکر اس نے موت سے نجات پائی۔[2]

یزید کی موت کے بعد امویوں کے غلام عبید اللہ ابن زیاد نے جب بصرہ سے فرار ہونا چاہا تو عورتوں کا لباس پہن لیا اور ایک شخص اس کو گھوڑے پر اپنے پیچھے بٹھا کرلے چلا۔ وہ باغیوں سے کہتا جاتا تھا۔ ایک طرف ہوجاؤ یہ میرے خاندان کی ایک عورت ہے جو ابن زیاد کی عورتوں سے ملنے آئی تھی۔ میں اسے واپس لے جارہا ہوں۔ اس ذلت سے اس نے اپنی جان بچائی۔[3]

لیکن حسین ابن علی علیہما السلام روز عاشورا اگرچہ موت کو روبرو دیکھ رہے تھے۔ انھیں اپنے اہل بیت کی اسیری کا پورا یقین تھا۔ لیکن جب انھیں یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ یزید کی بیعت کرکے اس کی متابعت کرلیں اور اس جان لیوا معرکہ سے نجات پالیں تو آپ نے انتہائی دلیری اور جرأت سے فرمایا:

"لا واللہ لا اعطیکم بیدی اعطاء الذلیل ولا افر فرار العبید"[4]

خدا کی قسم! میں اپنے ہاتھ کو تم جیسے ذلیل انسان کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا، اور غلاموں کی طرح تمہارے مقابل سے جان بچا کر فرار نہیں ہوں گا۔

---

[1] اس آیت سے حکم جہاد پر منتا ہے، اس کی تردید نہیں ہوتی کہ امام کے حکم سے جہاد واجب اور اس سے گریز حرام ہوجاتا ہے۔

[2] مروج الذہب جلد ۲ ص ۲۵ [3] الامامۃ والسیاسۃ ج ۲ ص ۲۱

[4] ارشاد مفید ص ۲۱۸

Marfat.com

آپ کی پُرشکوہ اور غیر متزلزل ثابت قدمی اور آپ کے پرجلال و پرشکوہ الفاظ کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ہمارے پاس مناسب الفاظ نہیں۔ اہل بلاغت کے بقول کسی مرد جری کی عظمت و شوکت "لا یدرک ولا یوصف" ہے یعنی اس کا ادراک اور اس کی تعریف و توصیف ممکن نہیں۔

امام عالیمقام ان مصائب سے دوچار ہوئے جن میں ایک چھوٹی سی مصیبت بھی انسان کے پائے استقامت کو ڈگمگا دیتی ہے۔ لیکن اس مرد حق نے اپنی ذات پر مکمل بھروسے اور اپنے خدا پر بے پناہ اعتماد سے ان تمام منازل آلام کو کامیابی و کامرانی سے طے کر لیا اور اہل دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور اس عظمت و بزرگی کے حامل قرار پائے جو انسانی عظمت سے ماوراتھی۔ شب عاشورا جب آپ کی ہمشیرہ جناب زینب سلام اللہ علیہا آپ کی شہادت کی خبر سے محو آہ و بکا تھیں تو آپ نے ان سے فرمایا:

"خواہر عزیز! مبادا شیطان آپ کو حلم و بردباری سے محروم کر دے، جان برادر! صبر کیجئے تقویٰ سے دست کش نہ ہو اور صبر و رضا کو مت بھولیں۔ جان لیں، کہ اہل دنیا سب موت سے دوچار ہوں گے۔ اہل آسمان بھی باقی نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہو جائے گی۔ بجز اس خدائے بزرگ کے جس نے مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا۔ اے بہن! میرے جد رسول خدا اور میرے بابا علی المرتضیٰ مجھ سے افضل تھے۔ میری ماں فاطمہؑ اور بھائی حسن مجتبیٰ بھی مجھ سے بہتر تھے۔ پس مجھ پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرے۔ جان برادر! میں آپ کو قسم دیتا ہوں کہ میرے بعد اس طرح عمل کریں کہ میری شہادت کے غم میں گریبان چاک نہ ہوں۔ ماتم اور آہ و فریاد نہ کریں[1]۔"

یہ گفتگو اس عظمت و جلال کی مظہر ہے جس کی وسعت و سربلندی سے بجز خدا کوئی واقف نہیں۔

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۱۶۔

Marfat.com

امام حسین علیہ السلام پروردگارِ عالم اور فطرت کے قوانین اٹل پر ایمان مکمل وایقانِ کامل کے ساتھ راہِ حق میں اپنی جان نثار کرنے کو معمولی بات سمجھتے تھے شدید مصائب کے مقابلے میں آپ کوہِ عزم وثبات تھے۔ معاصر محقق حسن صدر کے بقول آپ کی داستان پُرخون نے باطل کے خلاف مُبارز در مردانِ حق کے جہاد کی تاریخ کو ابدیت اور عظمت جاودانی بخش دی ہے۔ اگر مردانِ حق کی فداکاری کی داستان مرتب کی جائے تو حق وانصاف کا تقاضا ہے کہ اس دفتر کے دیباچے کو کربلا و عاشورے کے خونیں واقعہ سے زینت بخشی جائے[1]

روزِ عاشورا جب انصارانِ امام عالی مقام خاک وخون میں غلطاں منصبِ شہادت پر فائز ہوگئے تو بجائے اس کے کہ آپ ہمت ہار دیتے اور ان ذلیل انسانوں کی بیعت کرنے کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیتے۔ انھوں نے اپنے ثباتِ مکمل اور ایمانِ کامل کے تحت فرمایا:

" اما واللہ لا اجیبھم الی شیء مما یریدون حتی القی اللہ وانا مخضب بدمی[2]

" خدا کی قسم! میں ان میں سے کسی ایک کی خواہش کو بھی پورا نہ کروں گا حتیٰ کہ اپنے خون میں غلطاں ہو کر میں اپنے پروردگار سے ملاقات کروں "

حسین ابن علی علیہما السلام کا واحد آسرا اور تکیہ گاہ خدائے بزرگ و برتر کی ذاتِ بےنظیر و بےمثال تھی۔ وہ اس مبدء اعلیٰ کی طرف لو لگا کر اپنے دل کو تسلی اور حوصلہ دیتے تھے۔ انھیں یقین تھا کہ غلبہ حق کو ہی ملتا ہے۔ آپ کو علم تھا کہ خدا کے جری و دلیر بندوں کی لغت میں شکست کا لفظ نہیں ہوتا۔

میدان کربلا میں روزِ عاشورا ہراساں کر دینے والے معرکے کا آغاز عمر ابن سعد نے امام حسین علیہ السلام کے لشکر کی طرف تیر چلا کر کیا۔ پھر اپنے سپاہیوں سے کہا: " اے اہل کوفہ گواہ رہنا، میں وہ شخص ہوں جس نے حسین علیہ السلام کی طرف پہلا تیر چلایا ہے[3]

---

1. مرد نا متناہی ص ۲۰
2. نفس المہموم ص ۲۲۳
3. ارشاد مفید ص ۲۲۰ ۔ کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۹

Marfat.com

اس نے یہ بات اس لیے کی کہ یہ لوگ اس کی فداکاری اور قربانی سے متعلق بنی اُمیّہ کے حلقہ بگوش غلام ابن زیاد کے سامنے گواہی دے سکیں تاکہ کوفہ کا یہ ظالم حاکم اسے "رے" کی چند روزہ حکومت سونپ دے۔ یا اس کی خدمات کے اعتراف میں اس قسم کے جملے کہے: "میرے جاں نثار غلام میں تمہارا ممنون ہوں، متشکر ہوں۔" ابن سعد نے ان لوگوں کو گواہ بنا کر زرد و مفلس اور زبوں حال عوام پر حریصانہ نظریں لگائی تھیں۔ جو انتہائی ذلت و پستی سے بھی دوچار تھے۔

دوسری طرف امام حسین علیہ السلام ان بزدلوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کی ذلت سے دوچار ہونے کی بجائے ہنگامِ جنگ سے قریب تر ہو گئے۔ اور تاریخ کو عالمِ بشریت کا عظیم ترین اور المناک و خونیں واقعہ رقم کرنے کا موقع دیا۔ انھوں نے عظمت و بزرگی کی اعلیٰ حدوں کو چھو لیا۔ وہ اپنے خدا سے یوں کہتے تھے:

"اللھم انت ثقتی فی کل کرب وانت رجائی فی کل شدۃ وانت لی فی کل امر نزل بی ثقۃ وعدۃ، کم من ھم یضعف فیہ الفواد وتقل فیہ الحیلہ ویخذل فیہ الصدیق ویشمت فیہ العدو، انزلتہ بک وشکوتہ الیک رغبۃ منی الیک عمن سواک ففرجتہ عنی وکشفتہ فانت ولی کل نعمۃ وصاحب کل حسنۃ ومنتہی کل رغبۃ[1]"

"یعنی، خدایا! تو ہر اندوہ و غم میں میرا سہارا ہے تو ہر مصیبت و مشکل میں میری امید کا مرکز اور میرا آسرا ہے جو مہم بھی مجھے پیش آتی ہے اس کے مقابلے میں میری قوت کا منبع تو ہے تو ہی میری طاقت ہے۔ جب کبھی مجھ پر ایسے غم ٹوٹتے ہیں جن کا کوئی چارہ میں نہیں کر سکتا، جن میں دوست بھی میرا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں اور دشمن طعنہ زنی کرتے ہیں تو میں دوسروں سے منہ موڑ کر تیری بارگاہ میں ہی عرض کرتا ہوں تو پھر ان مصائب و آلام سے تو ہی مجھے نجات دیتا ہے۔ پس تو ہی ہر نعمت کا عطا کرنیوالا، تمام نیکیوں کا مالک اور تمام آرزوؤں کا منتہا ہے۔"

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۱۷ - کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۸۷

Marfat.com

هیہات منا الذلۃ : یہ عنوان امام حسین علیہ السلام کے اس خطبے کا ایک جملہ ہے جو امام عالیمقام نے کربلا کے تپتے ہوئے میدان میں روزِ عاشور کی جھلسا دینے والی دھوپ میں ل کر فہ کے درمیان ارشاد فرمایا: ذرا اس مردجری کو چشمِ تصور سے دیکھیے جو انگشتری میں جڑے ہوئے نگینے کی طرح دشمنوں کے نرغے میں ہو۔ موت خوفناک اژدہے کی طرح انھیں اور ان کے ساتھیوں کو نگلنے کے لیے منہ کھولے کھڑی ہو۔ جس کی ساتھی خواتین اور معصوم بچے جو عترت و ناموس رسول ہوں، زمانے کے وحشی ترین انسانوں کے ہاتھوں اسیر ہونے والے ہوں۔ جس کے خیام مقدسہ میں پانی کا ایک قطرہ نہ ہو اور بچوں کے دہنوں سے فریاد العطش اور طلبِ آب کے سوا ور کوئی بات منہ سے نہ نکلتی ہو اہل بیت کی آہ و زاری اور نالہ و فریاد دلِ سنگ کو بھی پگھلا سکتی ہو، لیکن ان حالات و ان نازک ترین لمحات میں حسین ابن علی علیہ السلام خدا کی مدو ثنا، اس کے رسولؐ، انبیا اور فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے بعد مردہ ضمیر، سیاہ دل ور جاہل کوفیوں سے اس طرح خطاب فرماتے ہیں:

اے گروہِ مردم تم پر افسوس ہے، تم پر ہلاکت اور اندوہ و غم نازل ہو، تم نے بے حد اشتیاق سے ہمیں اپنی مدد کے لیے بلایا تھا اور ہم بھی تمھاری امداد کے لیے چلے آئے ہیں۔ جو شمشیر ہم نے تمھارے ہاتھوں میں دی ہے وہ تم نے ہم پر اٹھالی ہے۔ جو آگ ہم نے تمھارے اور اپنے دشمنوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے فروزاں کی تھی۔ وہ تم نے ہمارے لیے مخصوص کر دی ہے اور یوں تم اپنے دشمنوں کے ہی مددگار بن گئے ہو، اور تم نے اپنے خیرخواہوں اور دوستوں کا محاصرہ کر لیا ہے۔ یہ سوچنے کے بغیر کہ انھوں (دشمنوں) نے تمھارے درمیان عدل و انصاف کو رواج نہیں دیا۔ کیا تم مستقبل میں ان سے اس کی امید رکھتے ہو؟

افسوس ہے تم پر! کہ تم نے اس وقت جب تلواریں نیام میں تھیں، دلوں میں عداوت پیدا نہ ہوئی تھی ہم سے دستِ تعدی کیوں کوتاہ نہ کیا؟ اور اب

Marfat.com

اس قدر عجلت سے زنجیز نڈی دل کی طرح تیزی سے حرکت میں کیوں آ گئے ہو؟ اور کس لیے آتش فتنہ میں پروانہ وار گر رہے ہو۔ خدا کرے کہ تم (بدبختی و تباہی کے سنگ گراں تلے) ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس جاؤ۔

اے ذلیل انسانو! اے اس گروہ کے باقی ماندہ افراد جو پیغمبر سے برسر جنگ رہا تھا۔ اے بزدلو! تم نے کتاب خدا کو اپنے سے دور پھینک دیا ہے اور اس کے مطالب میں رد و بدل کر لیا ہے۔ اے وہ لوگو! جو گناہوں کے شائق اور شیطان کے دوست ہو۔ اور اے کہ تم نے پیغمبروں کے بتلائے ہوئے راستے کو برباد کر دیا ہے۔

کیا تم نے یزید اور بنی امیہ کی معاونت میں آل پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی اعانت سے ہاتھ کھینچ لیا ہے؟ ہاں، خدا کی قسم: یہ مکاری و عیاری تمہارا ماضی ہے۔ تمہارا تار و پود مکر و فریب ہے۔

تم اس شجر کے پلید ترین پھل ہو جس کی نشو و نما آب مکر سے ہوئی ہے۔ تم باغبان کے لیے لقمۂ گلوگیر تھے۔ اب غاصب دشمن کے لیے خوشگوار لقمہ بن گئے ہو۔ اور اس کے حلق میں فرحت بخش بن کر اتر رہے ہو۔

الا و ان الدعی بن الدعی قد رکزنی بین اثنتین بین السلۃ والذلۃ وھیھات منا الذلۃ یابی اللہ ذلک لنا و رسولہ والمؤمنون وحجور طابت وطھرت و انوف حمیۃ ونفوس آبیۃ من ان نوثر طاعۃ اللئام علی مصارع الکرام۔

بنی امیہ کے منہ بولے بیٹے ابن زیاد نے جس کا باپ زیاد بھی بنی امیہ کا ساختہ بیٹا اور ایک ناپاک و پلید انسان تھا مجھے اس دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے جہاں سے عزت کی موت یا ذلت کی زندگی کی طرف راستے جاتے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ میں ذلت و خواری کو اپنے لیے منتخب کروں۔ خدا تعالیٰ میری ذلت پر راضی ہے نہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ مومنین جری اور میری تربیت کرنے والی باعصمت ہستیاں، دلیر و غیور، بلند نظر

عالی طبع اور روشن ضمیر انسان کبھی اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ عزت و غیرت پر قربان ہونے کی بجائے پست و ذلیل لوگوں کی اطاعت قبول کی جائے۔

جان لو، کہ میں اپنے ان چند ساتھیوں کے ساتھ تم سے نبرد آزمائی کروں گا۔ اور اس کے بعد فروۃ بن مسیک صحابی کے وہ اشعار پڑھے جن میں انتہادرجہ کی عظمت و فضیلت کا اظہار ہوا ہے۔ ان کا مفہوم حسب ذیل ہے:

اگر ہم نے تمھیں شکست دے دی تو یہ ہمارے ماضی کی ترجمانی ہو گی۔ اور کوئی انوکھی بات نہ ہو گی۔ لیکن اگر شکست سے ہم دوچار ہوتے تو پھر بھی ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ کیونکہ جیت ہمیشہ حق کی ہوتی ہے۔ ہم کم حوصلگی اور بزدلی سے سروکار نہیں رکھتے۔ اور اگر ہم تمھارے ہاتھوں مارے گئے تو یہ مشیت ایزدی ہے کہ ہم شہادت پائیں اور دوسروں کو اس سے مال و زر حاصل ہو۔ دنیائے دنی میں یہی رسم کہن ہے۔ جب موت ایک شخص پر حملہ آور ہو کر اٹھتی ہے تو وہ دوسری جماعت پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ اسی بنا پر موت نے بزرگان قوم کو زمانہ گزشتہ کی طرح فنا کر کے رکھ دیا ہے۔

اگر دنیا کے صاحب اقتدار ہمیشہ رہتے علیم و صاحب فضیلت انسان موت کی زد میں آتے تو ہم بھی جو کہ عظمت و بزرگی کے پیکر ہیں۔ ابد الآباد تک زندہ رہتے۔ اگر کوئی ہمیں آج مبتلائے آلام دیکھ کر طعنہ زنی کرتا ہے تو اس سے کہو ہوشیار رہنا تم پر بھی یہ دن جلد آنیوالا ہے۔

(خدا کی قسم، تم میرے بعد اتنی مدت بھی نہ رہو گے، جتنا وقت گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے لگتا ہے) یہ فتنہ تمھیں چکی کی طرح چکر میں ڈال دے گا اور اس کے محور کی طرح تمھیں بے سکونی و اضطراب میں مبتلا کر دے گا۔ یہ خبر میرے والد بزرگوار نے میرے جد رسول خدا سے مجھ تک پہنچائی ہے۔ N.F

پس تم اپنی قوت کو جتمع کر لو اپنے تمام ساتھیوں کو جمع کر لو تاکہ بعد میں تمھیں ملال نہ ہو اور تم ندامت سے بچے رہو۔ اس کے بعد مجھ سے جو سلوک کرنا چاہو کر لو اور مجھے مہلت نہ دو

Marfat.com

میں نے خدا پر توکل کیا ہوا ہے جو میرا اور تمھارا پروردگار ہے۔ کوئی سجدہ کرنے والا ایسا نہیں جو اپنی پیشانی کو اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے جھکائے اور میرا پروردگار سراپا حق ہے"[1]

آپ کا یہ کلام بلاغت نظام آزادی کا نقیب اور آپ کی عزت و شرف کا منہ بولتا ثبوت ہے آپ اپنے خونِ مطہر میں نہا کر سُرخ رُو دیدار الٰہی کے لیے بڑھے اور ننگِ ذلت و رسوائی کو اپنے لیے پسند نہ فرمایا۔ ملت کی جہالت اور نادانی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اپنے خیر خواہوں اور مصلحت اندیشوں کو لقمۂ اجل بناتی ہے یا انھیں طاقِ نسیاں میں رکھ دیتی ہے اور ان کے وجود بابرکت سے فیض حاصل نہیں کرتی۔ اس کے برعکس سیاہ کاروں اور بدطینتوں کی مدد کرتی ہے اور یوں اپنے ہاتھوں سے اپنی بدبختی و بربادی کا سامان مہیا کرتی ہے۔ اہل کوفہ کی جہالت اور وحشی پن کی یہی ایک دلیل کافی ہے کہ وہ بنی امیہ کے ظالموں کی خوشنودی کے لیے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کو ان کے قلیل ساتھیوں کے ساتھ شہید کرنے کے لیے مجتمع ہو گئے۔ امام حسین علیہ السلام نے اپنے خطبے میں ان پر واضح فرمایا کہ انھیں شہید کرکے وہ خوش بختی و سعادت حاصل نہ کر سکیں گے۔

یقیناً جو لوگ اپنے مصلحین کو قتل کرتے ہیں اور اپنا مقدر غلط کاروں اور خطاکاروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔ سعادت و خوش بختی نام کی کوئی چیز انھیں حاصل نہیں ہوتی۔ ان کے متعلق ہی ارشادِ باری ہے: حبطت اعمالهم فی الدنیا والاخرة وما لهم من ناصرین[2] ـــــ یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جن کا دنیا و آخرت دونوں میں کیا کرایا اکارت گیا۔ اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔

اس خطبے کے اہم نکات جو امام علیہ السلام نے ایمان سے منور اور شوقِ جہاد سے معمور دل کے ساتھ ارشاد فرمائے ہیں یہ ہیں:

---

[1] لہوف سید بن طاؤس ص ۵۷-۵۸، تحف العقول میں ص ۲۴۰ پر یہ خطبہ نقل ہے۔ اس کا مکمل عربی متن کتاب کے آخر میں درج ہوگا۔

[2] آلِ عمران آیۃ ۲۲

Marfat.com

کوفہ کا ظالم اور ظلم پرور حاکم جو نہ خود پاک نسب رکھتا ہے نہ اس کا باپ، چاہتا ہے کہ مجھے ذلت وخواری اختیار کرنے پر مجبور کرے، لیکن یہ اس کی بھول ہے۔ وہ غافل ہے کہ میری فرہنگِ حیات میں مذلّت وپستی کا لفظ ہی نہیں۔ مجھے کم ہمتی اور بزدلی سے کوئی واسطہ نہیں، میں جنگ کے سوا اور کوئی راستہ اختیار نہ کروں گا۔ میں عزت وسربلندی کی موت کو پست وکمینہ انسانوں کی متابعت میں زندگی گزارنے پر ترجیح دیتا ہوں۔

یہ حقیقت ہے کہ مردانِ حُر اور باغیرت انسان جو کسی غیر اللہ کی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے۔ اس وقت تک ذلت وخواری کو اپنے لیے منتخب نہیں کرتے جب تک شہادت اور عزت کی موت کا دروازہ ان کے لیے کھلا رہے۔ مقتدائے احرارِ جہاں کے یہ حرارت سے بھرپور الفاظ جو انھوں نے فولادی چٹان کی طرح مضبوطی سے دشمن کے مقابل کھڑے ہو کر ارشاد فرمائے تھے راقم کو ان اشعار کی یاد دلاتے ہیں جو اس کائنات کے گوہرِ بے بہا اور دُرِ نایاب کی عظمت وبزرگی اور عالی طبعی کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

خوش دولتی ست سرخوش ودلشاد زیستن
آزادگی گزیدن وآزاد زیستن
مرگ است گرچہ زندگیش نام کردہ اند
در زیر تازیانۂ بیداد زیستن
ننگ است چند روزۂ کوتاہ عمر را
با تلخی شکنجۂ جلاد زیستن
شیریں ملک در کفِ خسرو گذاشتن
وز زخمِ تیشہ شاد چو فرہاد زیستن
روی سحر ندیدن و در تیرہ شامِ عمر
لرزاں چو شمع در گذرِ باد زیستن

Marfat.com

مردی بمردمی و شرف جان سپردن است
نہ باخیال ماندن و با یاد زیستن[1]

امام حسین علیہ السلام کی بے مثال و بے عدیل شخصیت اور بے نظیر شجاعت کا یہ ایک گوشہ تھا۔جنھوں نے کربلا کے حریت آفریں معرکے جنم دیا اور خود کو نورانی لباس میں جس کا تار و پود عظمت بزرگی سے بنا تھا، یوں جلوہ نگن کیا کہ اس کی روشنی آنکھوں کو چکا چوند کرتی ہے اور تا ابد کرتی رہے گی

وہ صاحبانِ فضیلت جنھوں نے تاریخ بشریت کو شکوہ جاودان بخشا

کربلا کے مقدس معرکے کو امام حسین علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں نے جانیں قربان کر وجود بخشا اور یہ اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کی سعی سے بار آور ہوا۔ ابتدا میں ہم امام عالیمقام کے وانصار اور اس کے بعد اسیران اہل بیت علیہم السلام کے قائم کردہ نقش محکم کا جائزہ لیں گے۔

اس کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے کہ شہدائے کربلا کون لوگ تھے؟ ان کا کیا مقصود تھا؟ انھوں نے شہادت کو زندگی پر کیوں ترجیح دی؟

اصحاب امام علیہ السلام تمام کے تمام صاحبانِ بصیرت و ایمان تھے۔ کتاب خدا کی محافظت اور خاندان رسالت کی محبت میں اپنے مقصود و مطلوب سے پوری طرح واقف تھے۔ وہ ظالموں سے مبارزہ اور اپنے مقصود کے لیے جان قربان کرنے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتے تھے۔ شب عاشورا امام عالی مقام نے ان سب کو مجتمع فرمایا۔ آپ کے بھائی، بیٹے اور دوست سب ہی حاضر تھے، یہ چھوٹا سا اجتماع تھا۔ لیکن ان کی بلند نظری اور عالی حوصلگی حیرت ناک تھی۔ امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: اگرچہ میں بیمار تھا لیکن اپنے والد گرامی قدر کے فرامین عالیہ کو سننے کے

---

[1] الجزائر و مردان مجاہد نوشتہ حسن صدر ص ۱۱۷

چلا گیا۔ میں نے سُنا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے فرما رہے تھے!

"میں بہترین طریقے سے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا بجالاتا ہوں۔ راحت و تکلیف میں اس کا شکر ہے۔ اے خدا میں تیرا سپاس گزار ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا ہے، ہمیں علم قرآن، علم دین اور علم فقہ عطا فرمایا ہے ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل دانا دیا ہے تو نے ہمیں آلائش شرک سے پاک رکھا۔ پس ہمیں اپنی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

میں اپنے یارانِ باصفا سے زیادہ باوفا اور بہتر ساتھی اور اپنے اہلِ بیت سے زیادہ صالح اور پیکر اخلاص و محبت اہل بیت کسی کے نہیں دیکھا۔ خدا تعالیٰ تم سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ کل دشمنوں سے مجھے جنگ کرنا ہو گی۔ میں تم سب کو جانے کی اجازت دیتا ہوں[۱]۔

میں نے اپنی بیعت سے تم کو آزاد کر دیا ہے۔ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جو راستہ چاہو اختیار کر کے چلے جاؤ۔ رات کا پردہ پڑا ہے اسی کو اپنا مرکب بنا کر روانہ ہو جاؤ"[۲]

عوام کے ذہنوں میں یہ خیال راہ پاچکا ہے کہ امام علیہ السلام کے اس خطبے کے بعد آپ کے متعدد ساتھی چلے گئے اور صرف وہ باقی رہ گئے جو رہنا چاہتے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ کیونکہ شیخ مفید، طبری اور ابوالفرج جیسے قدما جنھوں نے واقعۂ کربلا کو تمام و کمال بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس موقع پر آپ کے ساتھیوں کے جانے کے متعلق کچھ تحریر نہیں کیا۔ مدینہ سے دشتِ کربلا کی طرف سفر میں جب مسلم، ہانی اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر آپ نے سنائی تو جانے والے اسی وقت چلے گئے تھے۔ اور آپ نے ان کم علم اور

---

[۱] تاریخ طبری میں "وانیت لکم" اور ارشاد مفید میں "اذنت لکم" تحریر ہے۔

[۲] تاریخ طبری ج ۴ صفحہ ۳۱۷

ناآشنا لوگوں کے نام پردۂ اخفا میں رہنے دیئے[1]۔

جب امام عالیمقام کا خطبہ تکمیل کو پہنچا تو ابتدا میں آپ کے بھائی، بیٹے اور بھتیجے، عبداللہ بن جعفر کے صاحب زادے اور سب سے پہلے آپ کے برادر عزیز جناب عباس سب بیک آواز بولے: ہم کیوں چلے جائیں؟ تاکہ آپ کے بعد زندہ رہیں، خدا تعالےٰ ہمیں وہ دن نہ دکھائے کہ آپ شہید ہوں اور ہم زندہ رہیں۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے خاص طور پر اولاد عقیل کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: اے فرزندان عقیل! تمھارے لیے تو مسلم کی شہادت ہی کافی ہے میں تمھیں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا، سُبحان اللہ، لوگ کیا کہیں گے؟ یہی ناکہ ہم اپنے آقا و مولا اور اپنے عم محترم (علی مرتضیٰ علیہ السلام) کی اولاد کو چھوڑ کر چلے آئے۔ ان کے ہمراہ دشمن پر کوئی تیر چلایا نہ کوئی نیزہ مارا اور نہ ہی شمشیر زنی کی۔ اور ہم نے یہ پروا نہ کی کہ دشمن کے ساتھ مقابلے میں ان کا کیا بنا؟ خدا کی قسم، ہم یہ کام ہرگز نہیں کریں گے۔ بلکہ اپنی جان، مال اور سب خاندان کو آپ پر قربان کر دیں گے۔ ہم آپ کے ساتھ ہی لشکر باطل سے نبرد آزما ہوں گے۔ تاکہ جس منصبِ شہادت پر فائز ہو کر آپ سر بلند ہوں گے۔ اس کے وسیلے سے ہم بھی عزت و توقیر پائیں۔ خدا تعالیٰ اس زندگی کو تلخ کر دے۔ جو آپ کے بعد آپ کے بغیر ہو۔

بعد ازاں اصحابِ امام حسین علیہ السلام میں سے مسلم بن عوسجہ جو بنی ہاشم میں سے تھے۔ اُٹھے اور بارگاہ امام علیہ السلام میں بصد ادب و احترام عرض کیا:

"کیا ہم آپ کو تنہا چھوڑ کر چلے جائیں؟ آپ کے حق کی ادائیگی کے بارے میں خدا کے سامنے کیا جواب دیں گے؟ خدا کی قسم! میں ان دشمنوں سے جنگ کروں گا۔ یہاں تک کہ میرا نیزہ ان کے سینوں میں ٹوٹ جائے۔ اس وقت تک تلوار چلاؤں گا۔ جب تک

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۰۵

ہاتھ میں اس کا قبضہ ٹھہر سکے اور ان کے خون سے رنگین ہو جائے۔ میں کسی طرح آپ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اگر ہتھیار میرے پاس نہ ہوں گے تو میں انھیں پتھر ماروں گا۔ خدا کی قسم! میں آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا تاکہ خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ ثابت ہو جائے کہ ہم نے پیغمبر اسلام کی غیبت میں ان کے فرزند کا حق ادا کر دیا ہے۔ بخدا! اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ میں قتل ہوں گا، پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جیتے جی جلا دیا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کی جائے گی اور ستّر مرتبہ میرے ساتھ دُہرایا جائے گا۔ تو تب بھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ جب تک کہ آخری مرتبہ بھی آپ کے قدموں پر موت نہ آ جائے۔ چہ جائیکہ یہ تو ایک مرتبے کا قتل ہونا ہے اور اس کے بعد دائمی عزت ہے جو لافانی ہے"۔

جب مسلم بن عوسجہ نے بات ختم کی تو زہیر بن قین اُٹھ کھڑے ہوئے، یہ کبھی امام عالی مقام علیہ السلام کے دشمن تھے۔ لیکن راستے میں آپ کی معیت اختیار کر کے آپ کے ساتھ شہادت پائی اور سعادت ابدی حاصل کی۔ یہ اس طرح گویا ہوئے:

بخدا! مجھے یہ بہت پسند ہے کہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں۔ اور ایسا ہزار مرتبہ ہو۔ اور کسی طرح یہ آپ کو اور جوانان بنی ہاشم کو ہلاکت سے محفوظ رکھ سکے۔

دوسرے تمام انصاران امام علیہ السلام نے بھی اسی قسم کے جذبات کا اظہار کیا۔ اور اپنی وفا کا یقین دلایا[1]۔ ان کی یہ گفتگو ان کی پاک نیت، کامل بصیرت اور ثبات قدم کا مظہر ہے۔ ان میں سے ہر کوئی وفور شوق سے اپنے امام اور اپنے دین کی راہ میں جاں نثاری اور موت کی خواہش ظاہر کرتا ہے۔

یہ بہت ضروری ہے کہ شہدائے کربلا کی عظمت و شرف، حق سے عشق اور اس کے لیے اپنی جان و مال نثار کرنے کے قابل قدر جذبہ کا مزید جائزہ لیا جائے۔ اگرچہ ہم ان مباحث سے

---

[1] ارشاد مفید صفحہ ۲۱۴۔ تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۱۸، یہ ترجمہ ارشاد سے کیا گیا ہے۔

پوری طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

حسینی کارواں کوفہ کی طرف منزل بہ منزل رواں دواں تھا۔ دوران سفر میں امام علیہ السلام نے اپنا ایک خواب یوں بیان فرمایا: میں نے خواب میں ایک سوار کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ گروہ اپنی راہ چلتا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ موت بھی ان کی طرف بڑھتی آئے گی۔ آپ کے فرزند ارجمند علی اکبر نے عرض کیا: بابا جان خدا برا دن نہ دکھائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: ہاں بیٹے، خدا کی قسم کہ جس کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے ہم حق پر ہیں۔ (ہمارا مشن، ہمارا عقیدہ، ہمارے ارادے سب ہی حکم خداوندی کے مطابق ہیں۔) علی اکبر علیہ السلام نے کہا: پھر ان حالات میں ہمیں موت سے کیا خوف؟ موت آتی ہے تو آئے۔ امام عالی مقام نے فرمایا: خدا تعالیٰ تمھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔[۱]

یہ وہ فرزند رشید تھے کہ جنھوں نے روز عاشور میدان کربلا میں اپنے جد فاتح خیبر علی مرتضیٰ علیہ السلام کی بے مثال شجاعت کے نمونے سے جوہر دکھائے اور ان کی یاد تازہ کر دی اور جلد ہی اپنے مقدس عقیدے و ایمان کے لیے اپنے پاکیزہ لہو کو نذر کر دیا۔

عبّاس علیہ السّلام اور اُن کے بھائیوں کے لیے اَمان نامہ،

عباس ابن علی علیہ السلام اپنے بھائیوں عبداللہ، جعفر اور عثمان کے ہمراہ امام حسین علیہ السلام کی معیت میں کربلا میں وارد ہوئے تھے۔ عبداللہ بن ابی المحل بن حزام ام البنین کے بھتیجے نے ابن زیاد کے سامنے یہ درخواست کی کہ اے امیر! میرے پھوپھی زاد بھائی عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان اپنے بھائی حسین علیہ السلام کے ہمراہ وارد کربلا ہوئے ہیں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کے لیے ایک امان نامہ تحریر فرما دیں۔ ابن زیاد نے یہ قبول کر لیا۔

۱؎ ارشاد مفید ص ۲۰۹

Marfat.com

عبداللہ بن ابی المحل نے اپنے تئیں اپنے پھوپی زاد بھائیوں کے لیے بہت بڑی خدمت انجام دی اور خواہش ظاہر کی کہ وہ اس امان نامہ سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے امام علیہ السلام کو دشمنوں میں تنہا چھوڑ کر اپنے آپ کو اس خونیں معرکے کی ہلاکت آفرینیوں سے محفوظ کرلیں۔ لیکن وہ اس سے غافل تھا کہ اس کے پھوپی زادوں کی رگوں میں علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا خون رواں ہے اور ان بہادروں نے بصیرت کاملہ کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا ہوا ہے۔ وہ اپنے مقصد سے پوری طرح آگاہ تھے۔ وہ اپنی جاں نثار کرنے کی فکر میں تھے۔ جب کہ عبداللہ ان کی جان کو بچانے کی سُوچ رہا تھا۔

میدان کربلا میں یہ امان نامہ عبداللہ بن ابی المحل کے غلام نے فرزندانِ ام البنین کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس کو دیکھ کر خوش ہوں گے۔ عبداللہ کی تعریف کریں گے اور ابن زیاد کی درازئ عمر کے لیے دعا کریں گے۔ لیکن علی ابن ابی طالب کے بیٹوں نے کمال لاپروائی سے جواب دیا کہ ہمیں تمہاری امان کی ضرورت نہیں۔ خدا کی پناہ۔ اور امان سُمیّہ کے بیٹے کی امان سے بہت بہتر ہے۔" امان اللہ خیر من امان ابن سمیة"

عبداللہ کے غلام کے جانے کے بعد شمر لعین کربلا میں آیا۔ تو اس نے فرزندان ام البنین[1] سے قرابت داری کی وجہ سے انھیں بھانجا کہہ کر مخاطب کیا اور ان کے لیے امان کا اعلان کیا۔ جناب عباس علیہ السلام نے اور ان کے بھائیوں نے بیک آواز ہو کر کہا: تم پر اور تمہاری دی ہوئی امان پر لعنت ہو۔ تم ہمیں امان دیتے ہو اور فرزندان پیغمبر علیہ السلام کو شہید کرنے پر آمادہ ہو[2]

انسان کو جب تک موت کا یقین نہ آجائے۔ اپنے آپ کو تختۂ دار پر دیکھے یا خود کو زیر شمشیر بُرّاں پائے تو اسی وقت وہ امان اور موت سے نجات کی لذت کو صحیح طور

---

[1] ام البنین زوجۂ علی المرتضیٰ اور شمر لعین دونوں قبیلہ بنی کلاب میں سے تھے۔
[2] تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۴

پر محسوس کر سکتا ہے اور اس کی اہمیت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ راہ حق میں اپنی جانِ عزیز سے دست کش ہونے والے اس قسم کی امان کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ اپنے مقصد کے لیے متاع حیات کو بھی قربان کر دیتے ہیں۔ ان کا ثباتِ قدم اور طاقت بشری سے برتر طاقت کا مظاہرہ انسان کو انگشت بدنداں کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر اصحاب امام علیہ السلام کو عام انسانوں میں شمار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ انھیں تو مافوق البشر انسانوں کی فہرست میں محسوب کرنا ہوگا۔

شب عاشور تاریخ انسانیت میں بے نظیر و بے عدیل ہے۔ امام حسین علیہ السلام کے بھتیجے جناب قاسم بن حسن علیہما السلام نے آپ سے کہا: چچا جان! موت میرے نزدیک شہد سے بھی شیریں تر ہے۔[1]

روز عاشور وہ دن ہے کہ جس میں انسانی عظمت و فضیلت کو لافانی بنانے اور حق و انصاف کو حیاتِ تازہ بخشنے کے لیے شہدائے کربلا اپنے خون مقدس سے اپنے چہرۂ اقدس کو فروزاں کر کے بارگاہِ باری میں حاضر ہوئے۔ اس دن آپ کے اصحاب باوفا میں سے عمرو بن قرظہ انصاری نے لشکر ابن زیاد میں سے بہت سے سپاہیوں کو واصل جہنم کیا۔ تیر اور تلواروں کے جو وار امام علیہ السلام کی طرف آتے تھے۔ وہ ان کو اپنے جسم پر روکتے تھے۔ انھوں نے اپنے آپ کو امام عالیمقام کے لیے سپر بنا لیا۔ یہاں تک کہ زخموں کی تاب نہ لا کر زمین پر گر پڑے اور امام علیہ السلام کے رُخِ پُرنور پر نظر ڈالتے ہوئے عرض کیا: یا ابن رسول اللہ! کیا میں نے اپنا فرض ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، تم مجھ سے پہلے ہی داخل بہشت ہو رہے ہو، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں میرا سلام پہنچانا اور کہنا کہ حسین بھی ابھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔[2]

ہمارا سلام ہو ان مردانِ جری پر جنھوں نے فرزند پیغمبر علیہ السلام کی معیت میں حریت

---

[1] نفس المہموم ج ۲ ص ۱۳

[2] لہوف ص ۶۴

Marfat.com

اور ایمان کی راہ جہاد کیا۔ انھوں نے تاریخ بشریت کو عظمت و جلال اور نزہت و پاکیزگی عطا فرمائی اور عالم انسانیت کے چہرے کو پُر نور کر دیا۔

غالباً ابھی روزِ عاشور کی ابتدا ہی تھی کہ آپ کے یاران باصفا میں سے مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں غلطاں ہو گئے۔ امام عالیمقام ان کے بالیں پر جب پہنچے تو وہ زندگی کے آخری سانس لے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلم! تمھارا پروردگار تم پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور اس آیت کی تلاوت فرمائی: منھم من قضیٰ نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا[۱]۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو مر کر اپنا وقت پورا کر گئے اور بعض حکم خدا کے منتظر ہیں اور انھوں نے اپنی بات ذرا بھی نہیں بدلی۔

آپ کے بعد حبیب بن مظاہر ان کے سرہانے آئے اور کہا: "اے مسلم! تمھاری شہادت میرے لیے شدید صدمہ ہے لیکن تمھیں بشارت ہو کہ تم جنت میں جا رہے ہو۔" مسلم بن عوسجہ نے نحیف آواز میں کہا: اللہ تعالیٰ تمھیں خیر و خوبی عطا فرمائے۔

حبیب بولے: اگر حالات ایسے نہ ہوتے کہ تمھارے بعد جلد ہی میں بھی دنیا کو خیر آباد کہوں گا تو تم سے وصیت کرنے کی خواہش کرتا تاکہ اس پر عمل کرتا اور اسے فراموش نہ کرتا۔ مسلم بن عوسجہ نے فرمایا: میں وصیت کرتا ہوں کہ امام عالی مقام کی اعانت سے دستکش نہ ہونا۔ یہاں تک کہ ان کے ہمراہ شہید کر دیئے جاؤ۔ حبیب گویا ہوئے، خدا کی قسم، میں بالکل اسی طرح عمل کروں گا[۲]۔

اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم بن عوسجہ کو اپنے آخری وقت بھی ایک ہی غم تھا اور وہ یہ کہ حسین علیہ السلام تنہا نہ رہ جائیں۔ اس لیے حبیب بن مظاہر کو آخری وصیت بھی یہی کی

---

[۱] احزاب آیت ۲۳

[۲] تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۲۲

Marfat.com

کہ امام علیہ السلام کا ساتھ کسی قیمت پر نہ چھوٹنا جائے۔

نافع بن ہلال جو آپ کے یار باوفا اور مہذب انسان تھے، انھوں نے تیروں کی سوفار پر اپنا نام کندہ کر رکھا تھا۔ روز عاشور دشمن پر تیروں کی بارش کر رہے تھے اور یہ رجز پڑھ رہے تھے ؎

انا ابن ھلال البجلی انا علی دین علی[1]

میں ہلال بجلی کا بیٹا ہوں، میں دین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر ہوں —— وہ اس معرکۂ دار و گیر میں امیر المومنین علیہ السلام کا نام لے رہے تھے اور مبلغانہ انداز میں ان کے دین کو سراہ رہے تھے اور اپنے عقیدے کا کھلم کھلا اظہار فرما رہے تھے۔ یہاں تک کہ انھوں نے ابن سعد کے بارہ لشکریوں کو مارا اور کئی ایک کو زخمی کیا۔ بالآخر ان کے بازو زخمی ہو کر شکستہ ہو گئے اور وہ مبارزت کو جاری نہ رکھ سکے۔ دشمنوں نے ان کو پکڑ لیا اور عمر بن سعد کے روبرو لے گئے۔ اس نے کہا: تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟ نافع نے جواب دیا: اس کام میں میری نیت سے پروردگار عالم بخوبی آگاہ ہے۔ آپ کی ریش مقدس سے لہو ٹپک رہا تھا اور آپ کہہ رہے تھے، بخدا! میں نے تم سے بارہ افراد کو واصل جہنم کیا ہے اور کئی ایک کو زخمی کیا ہے اور میں اپنی اس کارگزاری سے ہرگز شرمندہ نہیں ہوں، نہ ہی اپنے نفس کو ملامت کرتا ہوں۔ اگر میرے بازو شکستہ نہ ہو جاتے تو تم مجھے گرفتار نہ کر سکتے تھے۔ شمر نے عمر سعد سے کہا: اسے قتل کر دو۔ ابن سعد نے کہا: تم اسے قتل کرو۔ جب نافعؒ نے تیغ ستم کو اپنے سر پر دیکھا تو کہا: خدا کی قسم! اگر تم مسلمان ہوتے تو خدا کے حضور ہمارے خون سے ہاتھ رنگ کر نہ جاتے۔ میں خدا کی حمد بجالاتا ہوں کہ اس نے ہماری موت خلائق کے بدترین افراد کے ہاتھوں میں قرار دی۔" آپ یہ کہہ رہے تھے کہ خنجر ستم اپنا کام کر گیا[2] اور آپ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔

---

[1] ارشاد میں (بجلی) اور طبری میں (جملی) درج ہے۔
[2] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۳۳۶، کامل ابن اثیر ج ۳ ص ۲۹۲

Marfat.com

حدیث مردِ مومن باتو گویم،
کہ چوں مرگش رسد خنداں بمیرد

عظمت وجلال انسانیت کی راہ کے یہ شہیدا اپنے ایمان و دین کے لیے موت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے۔ بوڑھے اور جوان کسی قسم کے خوف کے بغیر سر بکف میدان جنگ میں جاکر اپنا اپنا نذرانۂ حیات پیش کر رہے تھے۔ کہ نماز ظہر کا وقت قریب آگیا۔ اصحاب امام علیہ السلام میں سے ابوثمامہ صائدی نے عرض کیا: یا ابا عبداللہ! میری جان آپ پر نثار ہو دشمن آپ کو اس وقت تک شہید نہیں کر سکتا جب تک کہ میں بھی آپ کی معیت میں نہ مارا جاؤں لیکن مجھے یہ پسند ہے کہ نماز ظہر کا وقت قریب ہے۔ اس کو ادا کر کے اپنے خدا کے حضور حاضر ہو جاؤں۔

امام علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور ان کی تعریف کرتے ہوئے دعا دی۔ کہ تم نے نماز کو یاد کیا ہے اللہ تعالیٰ تم کو عابدوں اور اپنا ذکر کرنیوالوں[۱] محسوب فرمائے، یہ نماز کا اول وقت ہے اس کے بعد آپ نے فرمایا: دشمنوں سے کہو کہ یہ ہمیں نماز پڑھنے کی مہلت دیں اور اتنی دیر جنگ موقوف کر دیں[۲]۔ لیکن ان مردم خور درندوں نے لڑائی بند نہ کی اور ادائیگی نماز کا موقع نہ دیا۔ سیدالشہدا کے حکم سے زہیر بن قین اور سعید بن عبداللہ آپ کے اور دشمن کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ اور اپنے اجسام مطہرہ کو امام عالیمقام اور دیگر اصحاب کے لیے ڈھال بنا دیا۔

امام حسین علیہ السلام نے اصحاب کے ہمراہ نماز خوف ادا کی۔ سعید بن عبداللہ دشمن کے تیروں سے نڈھال ہو کر ریگ گرم پر گر پڑے۔ آپ اس حالت میں کہہ رہے تھے، خدایا اپنے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میرا سلام پہنچا دے اور میرے زخموں کی تکلیف سے انھیں آگاہ فرما، میں نے اس کار عظیم میں اولاد رسولؐ کی معاونت کی ہے۔ یہ کہا اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ ان کے جسم میں تیرہ تیر پائے گئے[۳]۔ بہر صورت فرزند رسول صلی اللہ نے

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۳۲۴
[۲] منتہی الامال جلد ا ص ۲۹۲۔ مفہوم نقل کیا گیا

Marfat.com

نمازِ ظہر ادا فرمائی:

یک سجدہ کرد و داد سر اندر رضای تو
اہلِ نماز را دو جہاں سرفراز کرد

امام حسین علیہ السلام کے اصحاب باوفا کی عظیم و قوی رُوح، خلوص مکمل، ایمان کامل اور حق گوئی و بیباکی ان چھوٹے چھوٹے واقعات سے بخوبی روشن و آشکار ہے جو تاریخ کے صفحات میں ہمارے لیے محفوظ رہ گئے ہیں۔ یقیناً یہی وہ مردانِ حق ہیں جنھوں نے تاریخ بشریت کو شکوہ و جلال عطا کیا۔ اور انسانیت کے وقار کو حتی المقدور بلند کر دیا۔ حق تو یہ ہے کہ اگر دنیا ان مردانِ جری و پرستانِ حق سے خالی ہوتی اور دنیا کے ہیرو صرف چنگیز، تیمور اور بنی امیہ ہوتے تو انسانیت کی تاریخ کتنی خوف ناک اور شرمناک ہوتی۔

طبری کے مطابق نمازِ ظہر کے بعد امام عالی مقام کے صمیمی دوست زہیر بن قین نے بہادری کے جوہر دکھائے۔ وہ یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا زھیر و انا ابن القین　　　اذودکم بالسیف عن حسین

میں زہیر قین کا فرزند ہوں، میں اپنی تلوار سے اپنے امام حسین علیہ السّلام کے دشمنوں کو ان سے دفع کرتا ہوں، پھر انھوں نے اپنا ہاتھ آپ کے شانۂ اقدس پر رکھ دیا اور کہنے لگے:

اقدم ھدیت ھادیا مھدیّا　　　فالیوم تلقی جدك النبیّا
وحسنًا والمرتضٰی علیّا　　　وذوالجناحین الفتی الکمیّا
واسد اللہ الشھید الحیا

یعنی قدم آگے بڑھائیے آپ وہ امام ہیں جو ہدایت یافتہ ہیں اور دوسروں کی ہدایت فرماتے ہیں۔ آج آپ اپنے جد رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بھائی حسن مجتبٰی علیہ السّلام اپنے بابا علی المرتضٰی علیہ السلام اپنے چچا جعفرؓ بن ابی طالب اور اپنے والد کے چچا جناب حمزہؓ کے دیدار سے خوشی و مسرّت حاصل کریں گے[1] زہیرؓ کے قلب کی پاکیزگی، معرفتِ حق اور نیک نیتی

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴ صفحہ ۳۳۶

Marfat.com

داخلاص اس درجے تک پہنچی ہوئی تھی کہ وہ اپنے آقا و مولا کو تسلی دے رہے تھے۔ کربلا کے بے آب وگیاہ میدان میں روز عاشورا امام حسین علیہ السّلام اور ان کے اصحاب با وفانے وہ عظیم الشّان انقلاب برپا کیا کہ وہ آیندہ رونما ہونے والے انقلابات کا مرکزی نقطہ بن گیا اور حیاتِ بشری کے لیے درسِ عمل قرار پایا۔

حنظلہ بن اسعد شبامی اس دار و گیر میں امام علیہ السّلام کے آگے کھڑے ہوئے اور دشمنوں سے یوں گویا ہوئے ۔

لے میری قوم! مجھے تمھارے متعلق اندیشہ ہے اس روز بد کا، جو بہت سی دوسری قوموں کو نصیب ہوا۔ جیسے قوم نوحؑ، عاد اور ثمود وغیرہ اور وہ جو ان سے بھی قبل تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ اے لوگو! میں ڈرتا ہوں اس روز قیامت سے جس دن تم کو نارِ جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا۔ جب کہ تم اس سے فرار چاہو گے۔ لیکن اس وقت عذابِ الٰہی سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔ جس کی ھدایت سے خدا ہاتھ اٹھالے پھر اس کی ہدایت کون کرسکتا ہے۔ اے میری قوم! حسین بن علی علیہما السلام کو شہید نہ کرنا ورنہ خدا کا عذاب تمھیں ہلاک کر دے گا۔ اور جو کوئی باطل سے تعاون کرے، اُسے خُدا سے کوئی نیک امید نہ رکھنی چاہیے۔

امام حسین علیہ السلام نے اس مردِ مومن سے کہا: اے ابن اسعد! یہ تو اسی وقت مستحق عذاب ہو گئے تھے۔ جب تم لوگوں نے ان کو قبولِ حق کی دعوت دی تھی۔ اور انھوں نے اس کو رد کر دیا تھا۔ اور تم لوگوں کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ اب جبکہ تمھارے بہت سے نیکوکار ساتھیوں کو شہید کر چکے ہیں تو تمھاری بات کب سُنیں گے؟ حنظلہ نے عرض کیا: آپ نے بجا فرمایا۔ آپ سے بڑھ کر ان باتوں کو اور کون سمجھ سکتا ہے! اچھا تو اب اجازت دیجئے کہ میں جنگ کروں اور اپنے چلے جانے والے بھائیوں کے ساتھ شامل ہو جاؤں۔ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

Marfat.com

"جاؤ رحمت ایزدی کی طرف اور دنیا و عقبیٰ کی نعمتیں اور نیکیاں پاؤ۔ اپنے خالق و مالک لایزال کی طرف جاؤ اور سکون و اطمینان سے بہرہ ور ہو۔"

اس وقت حنظلہ نے عرض کیا: اے فرزند رسولؐ، آپ پر سلام ہو اور خدا کی رحمتیں آپ پر اور آپ کے پاکیزہ خانوادے پر نازل ہوں۔ خدا تعالیٰ جنت میں ہمیں آپ کا قرب نصیب کرے۔ ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی قائم ہو۔ آمین ثم آمین۔ یہ کہا اور میدان جنگ میں کود پڑے اور اس بہادری سے جنگ کی کہ شہید ہوئے۔[1]

اس عبادت گزار مجاہد کے یہ کلمات کتنے باصفا اور رُوح پرور ہیں۔ وہ وحشی کوفیوں کو ان کی بدبختی اور عذاب خدا سے ڈراتے تھے۔ اور ان مصیبتوں اور ذلتوں کی یاددہانی کرواتے تھے جو ظالموں اور قاتلوں پر ٹوٹ پڑنے کو تیار ہیں۔ لیکن افسوس ان ابن الوقتوں کے پاس گوش شنوا نہ تھا۔ ان کے ضمیر مردہ ہو چکے تھے وہ اپنا دین و ایمان زر و دولت کی دیوی کے قدموں پر نچھاور کر چکے تھے۔ ان کے بیمار اور نارسا دماغ انسانیت کی اعلیٰ قدروں اور حیات انسانی کے اصل مفہوم کو درک کرنے سے قاصر تھے۔

یہ صاحبِ ایمان مجاہد اپنی بابرکت زندگی کے آخری لمحات میں کیا خوب فرماتے ہیں:

"فرزند رسولؐ! آپ پر میرا سلام ہو۔ اللہ کی رحمتیں آپ کا قرب نصیب کرے اور ہمارے اور آپ کے درمیان دوستی قائم ہو۔"

ان جملات کی تکرار انسان کو ایک گونہ مسرت و خوشی دیتی ہے۔

عابس بن شبیب شاکری: یہ بھی ناصران امام علیہ السلام میں سے تھے۔ اُنھوں نے اپنے خادم شوذب سے کہ وہ بھی یاوران امام عالیمقام میں سے تھا کہا: اے شوذب! تم کون سا عمل پسند کرو گے؟ اس نے کہا کہ آپ کے ہمراہ نواسۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی معاونت کرتے ہوئے دشمنوں سے جنگ کرنا اور پھر شہید ہو جانا۔ عابس نے کہا: مجھے آپ

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۳۷

سے یہی امید تھی۔ اب امام علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ تاکہ وہ دوسروں کے ساتھ تمھیں بھی شہدا میں شمار کر لیں۔ میں بھی تم کو شہیدانِ راہِ حق میں سمجھوں گا۔ اگر میرے ساتھ تمھارے علاوہ اور کوئی بھی ہوتا تو اس کے لیے بھی یہی پسند کرتا کہ وہ میرے ساتھ راہِ خدا میں جہاد کرکے شہید ہو تاکہ میں اسے شہدا میں شمار کروں۔

حقیقت میں آج وہ دن ہے کہ ہم اپنی قوتوں کو مجتمع کرکے نصرتِ امام میں زیادہ سے زیادہ کوشش کریں اور اپنے خدا سے اجر کے طلب گار ہوں۔ آج کے بعد عمل کے دروازے بند ہو جائیں گے اور صرف جزا و سزا باقی رہ جائے گی۔

شوذب امام علیہ السّلام کی خدمت حاضر ہوئے، سلام عرض کیا اور میدان جنگ میں جوہر شجاعت دکھاتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اس کے بعد عابس بارگاہِ امام عالی مقام میں عرض گزار ہوئے:

"اے فرزند رسولؐ! خدا کی قسم، مجھے روئے زمین پر اپنوں یا بیگانوں میں سے کوئی بھی آپ سے زیادہ عزیز و محبوب نہیں۔ اگر مجھے مقدور ہوتا کہ میں آپ کے عزیز و محبوب وجود سے ظلم و جور سے اور ہلاکت کی مصیبت کو اپنی جان اور اپنا خون دے کر دور کر سکتا تو ہر صورت میں یہ عمل سرانجام دیتا۔ آپ پر میرا سلام ہو۔ خدا تعالیٰ گواہ ہے کہ میں آپ اور آپ کے بابا علی (علیہما السلام) کے دین پر ہوں۔"

پس تلوار اٹھائی اور جہاد کے لیے روانہ ہو گئے۔[1]

معرکہ کربلا کے ہیرو حسین بن علی علیہما السلام ان صاحبانِ ایمان، روشن ضمیر، پاک دل اور فرض شناس انسانوں کی معیت میں دین خدا کی یاوری کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے شب عاشورہ اپنے ارادے مضبوط کر لیے تھے اور صبح عاشور کے منتظر تھے۔ وہ رسولؐ خدا اور امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف سے عائد کردہ فرائض کو پورا کر رہے تھے۔

---

[1] تاریخ طبری جلد ۴، صفحہ ۳۳۴

Marfat.com

علامہ مجلسی رحمۃ اللہ علیہ بحار میں نقل کرتے ہیں کہ روز عاشور کی صبح بریر بن خضیر، عبدالرحمٰن بن عبد ربہ (یہ دونوں اصحاب امام علیہ السلام میں سے تھے) سے مزاح کر رہے تھے۔ اور ان کو ہنسانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عبدالرحمٰن نے کہا: اے بریر! یہ مذاق اور بیہودہ گوئی کا کون سا وقت ہے؟ بریر جو کہ حضرت علی علیہ السلام کے عابد و زاہد اور صاحب وقار صحابی خاص تھے گویا ہوئے۔ میری قوم جانتی ہے کہ میں نے جوانی یا پیری میں کبھی بھی بے ہودہ گوئی اور باطل کو پسند نہیں کیا اور آج اگر میں مذاق اور مزاح کر رہا ہوں تو یہ اس مقام و مرتبہ کی خوشی میں ہے کہ جو ہمیں حاصل ہونے والا ہے۔ قسم ہے خدا ئے لایزال کی! کام تو صرف اتنا ہے کہ ہم اپنی تلواروں کے ساتھ ان دشمنانِ دین کے روبرو چلے جائیں اور تھوڑی سی مبارزت کے بعد حور العین بہشت سے ہم آغوش ہو جائیں۔[1]

دو مادری بھائی سیف بن حارث اور مالک بن عبد خدمت امام علیہ السلام میں گریہ کناں حاضر ہوئے۔ آپ نے سبب گریہ دریافت فرماتے ہوئے کہا: بخدا، مجھے پوری امید ہے کہ تھوڑی دیر بعد تمھاری آنکھیں دیدار الٰہی سے روشن ہو جائیں گی۔ انھوں نے عرض کیا! خدا تعالیٰ ہمیں آپ پر قربان کرے۔ خدا کی قسم، ہم اپنی وجہ سے اشکبار نہیں ہوتے بلکہ آپ کے لیے رو رہے ہیں کہ دشمن کو آپ کا محاصرہ کیے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور ان سے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: تم اپنی جانیں نثار کر کے میری نصرت کر رہے ہو، خدا تعالیٰ تمھیں متقیوں کا سا بہترین اجر عطا فرمائے۔

حنظلہ بن اسعد کی شہادت کے بعد یہ دونوں پھر خدمت امام علیہ السلام میں حاضر ہوئے اور السلام علیک یا ابن رسول اللہ! آپ نے فرمایا: وعلیکما السلام ورحمۃ اللہ۔ اس کے بعد میدانِ جہاد کا رُخ کیا اور دشمنوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔[2]

---

[1] بحار جلد ۴۵ صفحہ ا طبع جدید
[2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۷

یزید بن زیاد جنھیں ابوالشعثار کہتے تھے اور وہ ایک ماہر تیرانداز تھے۔ امام حسین علیہ السلام کے پہلو میں زمین پر گھٹنا ٹیک کر بیٹھ گئے اور سو تیر چلائے جن میں سے صرف پانچ خطا گئے۔ آپ نے اس کے لیے دعا فرمائی: خدایا اس کے تیروں کو صحیح نشانے پر لگا دے اور اس کا اجر بہشت عطا فرما، جب وہ سو تیر چلا چکے تو اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا! میرے پانچ تیر نشانے پر نہیں لگے اور میں نے پانچ دشمنوں کو ہلاک کر دیا ہے۔ پھر رجز پڑھنا شروع کر دیا!

"میں یزید ابن مہاصر ہوں، ان شیروں سے زیادہ بہادر ہوں۔ پروردگارا میں حسین بن علی (علیہما السلام) کی نصرت کر رہا ہوں، میں ابن سعد سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں"

اس کے بعد جنگ کرتے ہوئے منصب شہادت فائز ہو گئے[1]

سیاہ فام غلام جناب جون بھی ناصران امام علیہ السلام میں سے تھے۔ آپ نے اس سے کہا: تم ہمارے پاس آرام و سکون اور حوادث زمانہ سے محفوظ رہنے کے لیے آئے تھے، اب ہماری وجہ سے اپنے آپ کو مصیبت میں مبتلا نہ کرو۔ میں تمھیں جانے کی اجازت دیتا ہوں"

جون نے کہا: یا ابن رسول اللہ! میں عافیت اور راحت کے دنوں میں آپ کا کاسہ لیس تھا اور آج جبکہ مصائب و آلام کا دن ہے کیا آپ کو تنہا چھوڑ جاؤں، خدا کی قسم، میرا رنگ سیاہ ہے، میرے جسم سے بُو آتی ہے۔ میرا حسب گھٹیا ہے تو کیا آپ مجھے بہشت سے دور رکھنا چاہتے ہیں؟ کہ میرے جسم سے خوشبو آنے لگے، میرا حسب بہتر ہو جائے اور میرا چہرہ سفید و نورانی ہو جائے۔ بخدا! میں اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک میرا سیاہ خون آپ کے خون میں نہ مل جائے۔ اس کے بعد جنگ کرتے

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۰

Marfat.com

ہوئے شہید ہو گئے۔[1]

حُر بن یزید جس نے امام عالی مقام کی راہ روک لی تھی اور آپ کے بچوں اور خواتین کو ہراساں کر دیا تھا اور دو محرم الحرام سے صبح عاشور تک آپ کے دشمنوں کا مدد معاون بنا رہا تھا، ایک گھنٹے سے کم وقت میں متغیر ہو گیا۔ اس نے مہاجر بن اوس سے گفتگو کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم، اپنے آپ کو بہشت و دوزخ کے دوراہے پر دیکھ رہا ہوں لیکن بخدا، چاہے مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نذرِ آتش کر دیا جائے میں کسی چیز کو بھی بہشت پر ترجیح نہ دوں گا۔

اس وقت اس نے امام علیہ السلام کے لشکر کا رُخ کیا۔ اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور توبہ کی۔ امام عالی مقام نے فرمایا: خدا تعالیٰ تمھاری توبہ قبول کرے اور تمھاری مغفرت کرے، اپنا نام بتاؤ۔ اس نے کہا۔ میں حُر بن یزید ہوں (حُر یعنی آزاد) امام علیہ السلام نے فرمایا: تو آزاد ہے جیسے تیری ماں نے تیرا نام حُر یعنی آزاد رکھا ہے۔[2]

حُر نے اپنی بصیرت سے کام لے کر امام حسین علیہ السلام کی معیت اختیار کی۔ ابن سعد کا ساتھ چھوڑ کر امام علیہ السلام کی ہمراہی میں راہ حق میں شہید ہونا ایک دینی فریضہ تھا جس سے حُر بطور احسن عہدہ برآ ہوئے۔ شہید ہو کر نارِ جہنم سے رہائی پائی۔ جیسا کہ انھوں نے مہاجر بن اوس سے کہا تھا۔ انھوں نے جنت پالی۔

یہ سب کچھ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شہید ہو کر معرکۂ کربلا کو معرض وجود میں لانے والے اصحاب باوفا کے ایمان و بصیرت اور پاکیزگی قلب و روح کی طرف ایک اشارہ ہے۔ چونکہ اس انقلاب میں امام علیہ السلام کا مقصد احیاءِ دینِ خدا اور سنتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو از سرِ نو زندہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس لیے

---

[1] لہوف صفحہ ۶۴

[2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۲۵۔ ارشاد ص ۲۱۹

Marfat.com

آپ کے یاور و انصار بھی آپ سے پوری طرح متفق تھے اور جو کوئی مال و زر کے لالچ میں آپ کے ساتھ آگئے تھے وہ راہ ہی میں لوٹ گئے تھے اور وہ لوگ باقی رہ گئے تھے جو امام علیہ السلام کے مقام و مرتبہ سے آگاہ تھے۔ ان کی نیت اور ان کے نظریات سے واقف اور صحیح معنوں میں تربیت یافتہ مسلمان تھے۔ انھوں نے تاریخ انسانیت کو عزت و آبرو اور ابدی پاکیزگی بخشنے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ پیش کردیا۔ راہ میں اس مشن کی رُوح سے ناآشنا اور ناواقف لوگوں کا چلے جانا بہتر ثابت ہوا اور یہ مقدس مشن ہر قسم کے نقص سے پاک ہوگیا۔

کربلا میں برپا ہونے والا یہ مقدس انقلاب ہر لحاظ سے بے مثال اور مستحکم و مضبوط تھا۔ یہ حسین ابن علی (علیہما السلام)، فرزند فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے ہاتھوں پروان چڑھا تھا جو امام برحق تھے جن کی اطاعت سب کا فرض تھی۔ اور جن کے وجود بابرکت میں تمام بشری فضائل و کمالات یکجا ہوگئے تھے۔ تقوے کے اعلیٰ معیار، بشردوستی، زہد و ورع، لذائذ مادی سے بے اعتنائی، اعمال صالحہ، عدل و انصاف کے لحاظ سے آپ سب سے برتر و افضل تھے۔ زیادہ واضح الفاظ میں اس معرکۂ حق و باطل کے راہبر و راہنما امام معصوم اور تمام بشری کمالات کا مجموعہ تھے۔ آپ کے باوفا اور شایستہ اصحاب جو اس معرکے میں آپ کے معاونین کار تھے۔ تمام کے تمام عابد، زاہد، مومن، عادل اور فرض شناس تھے۔ وہ راہ خدا میں خدا کے لیے حق و انصاف کو حیاتِ ابدی بخشنے کے لیے کمربستہ ہوگئے تھے۔

شہدائے راہِ عدل کے اسامی

یہ بعید از انصاف ہوگا کہ شہدائے کربلا کی شخصیتوں کا جائزہ لینے کے بعد ان کے اسمائے گرامی کو ان اوراق کی زینت نہ بنایا جائے۔

Marfat.com

شہیدانِ بنی ہاشم کے اسماء

۱۔ حسین بن علی صلوات اللہ علیہما ۲۔ علیؑ بن الحسینؑ ۳۔ عبد اللہ بن الحسینؑ[1] ۴۔ عباسؑ بن علیؑ ۵۔ عبد اللہ بن علیؑ ۶۔ جعفر بن علیؑ ۷۔ عثمانؑ بن علی[2] ۸۔ ابو بکر بن علیؑ ۹۔ عبد اللہ بن علی[3] ۱۰۔ قاسم بن حسنؑ ۱۱۔ عبد اللہ بن حسنؑ ۱۲۔ ابو بکر بن حسنؑ[4] ۱۳۔ محمد بن عبد اللہ بن جعفر ۱۴۔ عون بن عبد اللہ بن جعفر[5] ۱۵۔ عبد اللہ بن عقیل ۱۶۔ جعفر بن عقیل ۱۷۔ عبد الرحمٰن بن عقیل ۱۸۔ محمد بن ابی سعید بن عقیل۔

امام حسینؑ کے اُن ناصرین کے نام جو بنی ہاشم میں سے نہ تھے[6]

(اُن کے نام حروفِ تہجی کے حساب سے لکھے گئے ہیں)

۱۔ ابراہیم بن حصین اسدی ۲۔ ابو الحتوف بن حارث انصاری ۳۔ ابو ثمامہ صائدی عمرو بن عبد اللہ[7] ۴۔ ابو عامر نہشلی ۵۔ احمد بن محمد ہاشمی ۶۔ ادہم بن امیہ عبدی ۷۔ اسلم ترکی غلامِ حسینؑ ۸۔ امیہ بن سعد طائی ۹۔ انس بن حارث کاہلی صحابی ۱۰۔ انیس بن معقل اصبحی

---

[1] یہ وہ ہیں جو آغوشِ امام میں گوشۂ خیمہ شہید کیے گئے۔ ارشاد ۲۲۴

[2] یہ چاروں بھائی ام البنین زوجۂ علیؑ مرتضیٰ کے بطن سے تھے۔

[3] ابو بکر اور عبد اللہ دونوں لیلیٰ دختر مسعود ثقفی زوجۂ امیر المومنین علیؑ کے بطن سے تھے۔

[4] قاسم، عبد اللہ اور ابو بکر جناب حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے بیٹے تھے۔

[5] محمد و عون عبد اللہ بن جعفر بن ابی طالب کے صاحبزادے تھے۔ عون کی والدہ زینب کبریٰ اور محمد کی ماں بنی بکر بن وائل قبیلے کی خوصار تھیں۔ نفس المہموم ص ۱۹۸-۱۹۹

[6] ارشاد مفید ص ۲۲۳-۲۲۴۔ شہدائے بنی ہاشم کی تعداد میں اختلاف ہے شیخ مفید نے امام عالی مقام کے ہمراہ ۱۸ نفر لکھے ہیں اور ہم نے ان سے نقل کیا ہے۔ مقاتل الطالبین، تاریخ طبری، تاریخ الخلفاء، عقد، مروج الذہب اور مناقب میں بالترتیب ۲۲، ۲۰، ۱۷، ۱۳ اور ۲۷ افراد کو شمار کیا ہے۔

[7] شہدائے غیر بنی ہاشم کے اسماء ارشاد مفید، طبری، مناقب ابن شہر آشوب، اعیان الشیعہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

۱۱- بریر بن خضیر ہمدانی ۱۲- بشر بن عمرو[1] ۱۳- بکر بن حی تیمی ۱۴- جابر بن حارث[2] ۱۵- جابر بن حجاج تیمی[3] ۱۶- جبلۃ بن علی شیبانی ۱۷- جون ابو مالک غلام ابوذر غفاری۔ ۱۸- جوین بن مالک تیمی ۱۹- جنادہ بن حارث انصاری[4] ۲۰- جنادۃ بن کعب انصاری۔ ۲۱- جندب بن حجر کندی[5] ۲۲- حارث بن امرئ القیس کندی ۲۳- حارث بن بنہان ۲۴- حباب بن حارث ۲۵- حباب بن عمر شعی ۲۶- حبشی ابر قاسم نہمی ۲۷- حبیب بن مظاہر اسدی[6] ۲۸- حجاج بن بدر سعدی ۲۹- حجاج بن مسروق مؤذن امامؑ ۳۰- حرث بن نبہان ۳۱- حر بن یزید (یہ وہی ہیں جو روز عاشورا امامؑ سے معافی کے خواستگار ہوئے اور آپ کی نصرت میں شہید ہوگئے۔) ۳۲- حلاس بن عمرو راسبی ۳۳- حنظلہ بن سعد شبامی[7] ۳۴- خالد بن عمرو بن خالد۔ ۳۵- زاہد بن عمرو غلام عمرو بن حمق خزاعی ۳۶- زہیر بن بشر خثعمی ۳۷- زہیر بن سلیم ازدی۔ زہیر بن قین بجلی ۳۹- زیاد بن عریب صائدی ۴۰- سالم غلام عامر عبدی۔ ۴۱- سالم بن عمرو۔ ۴۲- سعد بن حرث[8] ۴۳- سعد حضرت علیؑ کے آزاد کردہ ۴۴- سعد عمر بن خالد صیداوی کے آزاد کردہ ۴۵- سعید بن عبداللہ حنفی ۴۶- سعید بن حنظلہ تیمی ۴۷- سلمان بن مضارب بجلی۔ ۴۸- سلیمان حسین علیہ السلام کے آزاد کردہ ۴۹- سوار بن منعم نہمی ۵۰- سوید بن عمرو بن مطاع (طبری کے مطابق وہ ناصران امامؑ میں سے آخری شہید تھے)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جلد ۴ حصہ اول تالیف محسن جبل عاملی، نفس المہموم اور منتہی الآمال محدث قمی سے جمع کر کے لکھے گئے ہیں۔

[1] اعیان الشیعہ میں عمرو بن کعب درج ہے۔ [2] اعیان الشیعہ میں بشر بن عبداللہ لکھا گیا ہے۔

[3] صرف تاریخ طبری میں مذکور ہے۔

[4] اعیان الشیعہ میں جنادۃ بن حارث سلمانی درج ہے۔

[5] اعیان الشیعہ کے مطابق جندب بن حجیر خولانی ہے۔

[6] مفید اور طبری نے ان کے والد کا نام مظاہر لکھا ہے۔

[7] حنظلہ کے والد کا نام شیخ مفید نے سعد، طبری نے سعید اور دوسروں نے "عمرو" لکھا ہے

[8] اعیان الشیعہ میں سعد بن حارث درج ہوا ہے۔

۵۱۔سیف بن حارث بن سریع ۵۲۔سیف بن مالک عبدی نمیری ۵۳۔شوذب (بنی شاکر کے آزاد کردہ) ۵۴۔ضرغامۃ بن مالک ۵۵۔عائذ بن مجمع عائذی ۵۶۔عابس بن شبیب شاکری ۵۷۔عامر بن حیان بن شریح ۵۸۔عامر بن مسلم عبدی ۵۹۔عباد بن مہاجر جہنی ۶۰۔عبدالاعلیٰ بن یزید کلبی ۶۱۔عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری ۶۲۔عبدالرحمٰن بن عبداللہ یزنی[1] ۶۳۔عبدالرحمٰن بن مسعود تیمی ۶۴۔عبداللہ بن ارجی[2] ۶۵۔عبداللہ بن ابی بحر[3] ۶۶۔عبداللہ بن بشر خثعمی ۶۷۔عبداللہ بن عروہ غفاری ۶۸۔عبداللہ بن عمیر کلبی۔ ۶۹۔عبداللہ بن یزید عبدی بن زید بصری ۷۰۔عبیداللہ بن یزید عبدی بن زید بصری ۷۱۔عقبہ بن سمعان ۷۲۔عقبہ بن صلت جہنی ۷۳۔عمارۃ بن صلخب ازدی ۷۴۔عمار بن حسان طائی۔ ۷۵۔عمار بن سلامۃ دالانی ۷۶۔عمران بن کعب بن حارث حارثہ ۷۷۔عمرو بن عبداللہ جندعی ۷۸۔عمرو بن خالد ازدی ۷۹۔عمرو بن خالد صیدادی ۸۰۔عمرو بن قرظہ انصاری ۸۱۔عمرو بن مشیعہ (ضبیعہ) ۸۲۔عمرو بن جنادہ انصاری ۸۳۔عمرو بن مطاع جعفی ۸۴۔عمیر بن عبداللہ مذحجی ۸۵۔قارب بن عبداللہ دئلی ۸۶۔قاسط زہیر تغلبی ۸۷۔قاسم بن حبیب ازدی ۸۸۔قرۃ بن ابی قرۃ انصاری ۸۹۔قعنب ۹۰۔عمرو کردوس ۹۱۔تغلبی کنانہ بن عقیق تغلبی (عتیق) ۹۲۔مالک بن انس کاہلی ۹۳۔مالک بن دودان (ذودان) ۹۴۔مالک بن عبداللہ بن سریع ۹۵۔مجمع جہنی ۹۶۔مجمع بن عبداللہ عائذی (عائذی) ۹۷۔محمد بن بشر حضرمی ۹۸۔مسعود بن حجاج تیمی ۹۹۔مسلم بن عوسجہ ۱۰۰۔مسلم بن کثیر ازدی

---

[1] اعیان الشیعہ میں اس کی بجائے عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری کا نام لکھا ہے۔
[2] اعیان الشیعہ میں عبدالرحمٰن ارجی ہے
[3] اعیان الشیعہ میں کتاب الحیوان تالیف جاحظ کے حوالے سے اسے شہدائے کربلا میں سے شمار کیا گیا ہے۔

Marfat.com

۱۰۱۔ مسقط بن زہیر تغلبی ۱۰۲۔ منج بن سہم ۱۰۳۔ موقع بن ثمامہ اسدی ۱۰۴۔ نافع بن ہلال بجلی[1] ۱۰۵۔ نصر بن ابی نیزر ۱۰۶۔ نعمان بن عمرو راسبی ۱۰۷۔ نعیم بن عجلان انصاری ۱۰۸۔ واضح رومی حارث سلمانی کے آزاد کردہ ۱۰۹۔ وہب بن عبداللہ کلبی ۱۱۰۔ یحیٰی بن سلیم مازنی ۱۱۱۔ یزید بن ثبیط عبدی ۱۱۲۔ یزید بن زیاد ابوالشعثاء ۱۱۳۔ یزید بن مغفل جعفی۔

اس تعداد میں شہدائے بنی ہاشم کی تعداد یعنی سترہ نفوس بمعہ امام عالی مقام بھی شمار کر لیے جائیں تو کل تعداد ۱۳۰ ہو جاتی ہے۔

کتب رجال و احوال مردم سے رجوع کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام مردان با بصیرت اور با ایمان تھے۔ یہ لوگ رسولؐ پاک اور علی المرتضیٰ کے صحابی یا صحابیوں کی اولاد سے تھے۔ زیارت ناحیہ میں جو سید بن طاؤس نے کتاب اقبال کے چودھویں باب میں نقل کی ہے۔ امام علیہ السلام نے قریباً اسّی افراد پر سلام بھیجا ہے۔

سید بن طاؤس کی تصریح کے مطابق یہ زیارت ۲۵۲ ہجری سے متعلق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی بیان کردہ زیارات میں سے ہے اور امام زمان مہدی آخرالزماں عجل اللہ فرجہٗ ابھی متولد نہ ہوئے تھے۔ اس زیارت میں شہدائے بنی ہاشم کی تعداد ۱۷ ہے۔ اور ریان بن شبیب کی روایت میں امام رضا علیہ السلام سے ۱۸ افراد مروی ہیں۔

نفس المہموم میں محدث قمی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ ناصران امام حسین علیہ السلام ۴۵ سوار اور ۱۰۰ پیادہ نفوس پر مشتمل تھے۔

---

[1] اعیان الشیعہ اور تاریخ طبری میں "جملی" مرقوم ہے۔

Marfat.com

نقش اسیرانِ اہل بیت علیہم السّلام

جیساکہ پہلے عرض کیا گیا انقلاب کربلا کو امام حسین علیہ السلام اور ان کے اصحاب باوفا نے وجود بخشا تھا۔ اس کو اسیرانِ اہلِ بیت علیہم السلام نے بارآور فرمایا۔ بلاخوف تردید یہ کہا جاسکتا ہے اگر یہ قید نہ ہوتے اور انتہائی صبر و سکون اور بزرگی و عظمت کے ساتھ سانحہ کو کوفہ و شام میں لوگوں کے سامنے بیان نہ کرتے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کا عظیم واقعہ اس قدر شہرت نہ پاتا اور آئندہ انقلابات کی بنیاد نہ بنتا۔ امام علیہ السّلام نے اپنے بھائی محمد حنفیہ سے اپنے بچوں اور عورتوں کے متعلق فرمایا تھا: ان اللّٰہ قد شاء ان یراھن سبایا ـــ خداوند عالم چاہتا ہے کہ میرے اہل بیت قید ہوں۔ آپ کے اس فرمان کی حقیقت اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ ان اسیرانِ اہلِ بیت ہی نے انقلاب کربلا کو مکمل کرکے بارآور فرمایا۔

امام حسین علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے دین مقدس کی سربلندی کے لیے شہادت پائی تھی لیکن اس کے بعد خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بچوں اور عورتوں خاص طور پر جناب امام سجاد علیہ السلام اور زینب والا گہر سلام اللہ علیہا پر اس سے متعلق عظیم ذمہ داری عائد کردی۔

محققین میں سے ایک اس سوال کے جواب میں کہ دنیا میں کسی اور انقلاب یا تحریک کو حسینیت کے عظیم انقلاب کی سی شہرت اور عظمت کیوں نصیب نہیں ہوئی ؟ کہتا ہے اس سے قطع نظر کہ اس انقلاب کے رہبر و رہنما ہی اس کی دوسری تحریکوں سے افضلیت کا باعث ہیں۔ حسینی مشن کی فضیلت و برتری کے دیگر اسباب و عوامل میں سے ایک اہم سبب وہ فصل ہے جو امام علیہ السلام اور اصحاب باوفا کی شہادت کے بعد وجود میں آئی اور باب شہادت کا ضمیمہ بن گئی۔ یہ فصل خود دشمن نے اصرار اور جبر سے تحریک

نادانستہ طور پر اپنی ذلت و رسوائی کے اسباب بہم پہنچائے۔ نتیجتاً ایک طرف سے اسیران بیت کی اسیری اور دوسری طرف سے شہدائے کربلا کی شہادت نے ہی اس معرکۂ حق و ل کی حقیقت و اہمیت سے دنیا کو متعارف کروایا۔ شہادت شہیدانِ کربلا کے بعد دشمن حتی الوسع بربریت کا مظاہرہ کیا۔ اجسام مطاہرہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ان کے لباسوں کو ٹ لیا۔ خیام حسینی کو نذرِ آتش کر دیا اور ان کے لاشہائے مبارک کو گھوڑوں کی ٹاپوں تلے ال کر دیا۔

یہ اعمال زشت جس کے تمام تر نتائج دشمن کے مفادات کے خلاف تھے۔ کربلا سے رع ہو کر شام تک جاری رہے۔ یزید نے وحشت و بربریت پر مبنی ان غیر انسانی افعال میں ت خود بھی شرکت کی اور شام میں اپنا حصّہ ادا کیا۔ دوسری طرف اسیران کربلا نے کمال بت و بزرگی اور صبر و سکون کا ایسا مظاہرہ کیا کہ گویا ان پر کوئی مصیبت آئی ہی نہیں۔ ان کے اعزا و اقربا تیغ ستم کا لقمہ نہیں بنے۔ وہ جہاں بھی لے جائے جاتے اپنی کامرانی اور دشمن کی ذلت و رسوائی کا تذکرہ کرتے تھے۔ طاقت کے نشے میں چور بغرور دشمنوں کا تعارف تاریخ کے بدنام ترین و بدبخت ترین انسانوں کی حیثیت سے بدا تے تھے[۱]

ابن زیاد اور بنی امیہ کے سرکردہ امرا کی سب سے بڑی سیاسی غلطی شہادت م حسین علیہ السلام کے بعد عترت رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کربلا سے کوفہ پھر وہاں سے دوسرے شہروں میں تشہیر کرتے ہوئے دمشق دربار یزید میں لیجانا ۔ اس نے بنی امیہ کی حکومت کے پیکر فاسدہ پر ایک مہلک ضرب لگائی۔ اس سیاسی رش نے آل ابی سفیان کے خلاف علم بغاوت جو کربلا میں بلند ہو چکا تھا، سرنگوں نہ ہونے ۔ مذکورہ محقق بیان کرتے ہیں:

---

[۱] تلخیص از بررسی تاریخ عاشورا ص ۸۰ خطاب مرحوم ڈاکٹر آیتی۔

Marfat.com

"اگر ابن سعد اور ابن زیاد چاہتے اپنی بہتری کی خاطر ہی سہی سانحۂ کربلا کے بعد خاندانِ رسالت سے ادب و احترام سے پیش آتے اور جو مصیبتِ عظیم ان پر انھوں نے خود نازل کی تھی اس میں ان کی دلجوئی کرتے۔ ان کے شہدا کی تدفین میں مانع نہ ہوتے بلکہ ان کو اپنے کشتگان سے قبل ہی دفن کرتے اور اہل بیت علیہم السلام کو عزت و احترام اور تکریم و تجلیل سے مدینے بجھوا دیتے اور دشمن سے یہ اعمال سیاہ سرزد نہ ہوتے اور دوسری طرف اہل بیت کو بنیادِ ظلم متزلزل کر دینے والی تبلیغات کا موقع نہ ملتا تو لازمی طور پر شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور کربلا کے خونیں واقعے کو دنیا میں اتنی مقبولیت و شہرت نہ ملتی اور امام علیہ السلام کے دشمن اس حد تک دنیا میں بے آبرو اور رسوا نہ ہوتے۔ یہ بھی خدا کی قدرت ہے کہ دشمن نے اپنے ہاتھوں سے کربلا میں ہونے والے ظلم عظیم کی پردہ دری کرنے والے مبلغین کو قیدی بنا کر مختلف شہروں میں گھمایا اور اپنے آپ کو ذلیل و رسوا کروالیا[۱]

یقیناً خدا تعالیٰ کبھی اس کی اجازت نہ دیتا کہ بنی امیہ سید الشہدا فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خونِ ناحق سے بھی ہاتھ رنگین کریں اور تاریخ میں عزت و آبرو سے ان کا تذکرہ ہو۔

خاندانِ رسالت کے یہ اسیر اپنے مقصد سے پوری طرح آشنا تھے۔ وہ ان تمام مصائب و آلام میں حواس باختہ نہ تھے، اور ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ جس گروہ کے روبرو ہوتے، اپنے مقصد سے متعلق گفتگو کرتے۔ انھیں اپنی کامیابی کا یقین تھا۔ امام حسین علیہ السلام نے آخری الوداع کے موقع پر ایمان و ایقان سے بھرپور دل کے ساتھ اہلِ حرم کو یوں خطاب فرمایا:

---

[۱] تلخیص از بررسی تاریخ عاشورا ص ۸۷ خطاب مرحوم دکتر آیتی

"مصائب و مشکلات برداشت کرنے کے لیے آمادہ ہو جاؤ، لیکن جان لو کہ خدائے مہربان ہمیشہ تمہارا نگہبان رہے گا اور تمہاری حمایت کرتا رہے گا۔ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ آخر کار ان دشمنوں کے شر سے تمہیں نجات دے گا۔ اور تمام کام بخیر و خوبی انجام پائیں گے۔ تمہارے دشمن مصائب و مشکلات میں مبتلا کیے جائیں گے۔ ان مصیبتوں کے عوض جو تم پر نازل ہوں گی عزت و تکریم اور نعمات گوناں گوں سے نوازے جاؤ گے۔ شکوہ و شکایت نہ کرو اور وہ بات زبان پر نہ لاؤ جو خدا تعالیٰ کے نزدیک تمہارے مراتب کو کم کر دے[۵]۔"

امام عالی مقام کے اس پُر از حقایق خطبے نے خواتین حرم اور خواہران و دختران کو حوصلہ ہمت اور تحمّل و بُردباری بخش دی۔ انھوں نے اپنے فرض سے مکمل آگاہی پالی۔ چنانچہ اپنے فرض کو انھوں نے کمال صبر اور بے پناہ حوصلے کے ساتھ پورا کیا۔

اعدائے نے خود وہ کچھ کیا جو نہ چاہتے تھے

دشمنان امام علیہ السلام بخوبی جانتے تھے کہ تمام تر قدرت و حکومت کے باوجود بھی اسلام کی عظیم ہستی حسین ابن علی علیہم السلام کو قتل کرنا آسان کام نہیں۔ یہ ظلم عظیم اور بیدردانہ بے رحمانہ کشت و خون ان کے لیے مصیبت بن جائے گا اور مسلمان اس خونیں سانحے کے بعد خاموشی اختیار نہ کریں گے۔ لہٰذا ابتدا میں ان کی کوشش یہی رہی کہ امام علیہ السلام کو زندہ ہی گرفتار کر کے ابن زیاد کے پاس لے جائیں اور اس واقعہ کو معمولی بنا دیں اور لوگوں کے لیے اس کی کوئی اہمیت نہ رہے۔ جب وہ اس مقصد میں کامیاب اور آپ کے خونِ ناحق سے زمین رنگ لیے تو کوشش کرنے لگے کہ وہ اس ظلم پر پردہ ڈال دیں اور مسلمانوں کو اس سے

---

۵ نفس المہموم ص ۲۰۰

Marfat.com

بے خبر ہی رکھیں تاکہ لوگوں کے متوقع ردِ عمل اور بغاوت سے بچے رہیں۔ وہ اس سعی میں تھے کہ حسین ابن علی علیہما السلام کا نام بھی نہ لیں۔ ان کے فضائل کا کوئی تذکرہ نہ ہو اور ان کو مختصراً معمولی لفظوں میں یاد کیا جائے۔

اسی وجہ سے شہداء کے اجسام پاکیزہ کو ان لوگوں نے دفن نہ کیا۔ نہ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔ وہ لوگوں کو بتانا چاہتے تھے کہ (معاذ اللہ) یہ مقتولین تدفین کے قابل بھی نہیں ہیں۔ ان کی نماز جنازہ اور تجہیز و تکفین کا انتظام فرائض دینی میں سے نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اسیران اہل بیت علیہم السلام کو انتہائی دردناک اور پست و خراب حال میں وارد کوفہ کیا تاکہ لوگ ان کو کسی عظیم خاندان کے افراد نہ سمجھیں۔

سنان بن انس امام حسین علیہ السلام کو شہید کرنے کے بعد عمر بن سعد کے پاس گیا اور چند شعر پڑھے جن کا مفہوم یہ تھا:

میرے رکاب تک سونے چاندی کے ڈھیر لگا دو۔ میں نے اس عظیم
ہستی کو قتل کیا ہے جو ماں اور باپ دونوں طرف سے اعلیٰ نسب میں بہترین تھا۔

ابن سعد نے کہا: تم پاگل ہو، ہاں یقیناً تم اس قدر دیوانے ہو کہ گویا تم ہمیشہ ہی صاحب خرد نہ تھے۔ اس کے بعد کہا: اُسے میرے سامنے لاؤ۔ جب وہ آیا تو اپنی چھڑی سے اسے زور سے ضرب لگائی۔ اور کہا: اے احمق! تو اس قسم کی بات کرتا ہے! حسین علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ بخدا اگر تو نے ایسی بات ابن زیاد کے سامنے کی تو تیری گردن مار دی جائے گی۔[1]

ابن طلحہ مطالب السؤل میں لکھتے ہیں کہ بشر بن مالک امام علیہ السلام کے سر مبارک کو ابن زیاد کے پاس لے گیا اور وہی شعر پڑھے جو سنان نے ابن سعد کے سامنے پڑھے تھے۔ ابن زیاد اس سے سخت برہم ہوا اور کہا: جب تمھیں معلوم تھا کہ حسین (علیہ السلام) ان فضائل کا حامل ہے تو تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ خدا کی قسم، تم مجھ سے کوئی معاوضہ اور انعام

[1] تاریخ طبری جلد ۲ ص ۳۴۷

Marfat.com

نہ پاؤ گے اور تمھیں بھی ان کے ساتھ ملائے دیتا ہوں۔ پس تلوار سنبھالی اور اس کا سر قلم کر دیا۔[1]

اس سے دشمنانِ امام علیہ السلام کے اس جذبہ کی نشان دہی ہوتی ہے کہ وہ حتیٰ الامکان اس سعی میں تھے کہ امام حسین علیہ السلام کا نام نہ لیا جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ قاتلین امام علیہ السلام آپ کو بہترین خلق نہ کہیں۔ وہ اپنے مقتول کو ایک معمولی انسان ظاہر کریں۔ اور کہیں کہ ہم نے ایک چھوٹی سی بغاوت کو کچل دیا ہے جو امن عامہ کو تباہ کرنے والی تھی۔ باغیوں کا قتل کرنا جائز بلکہ واجب ہوتا ہے۔

ان تمام تدابیر اور احتیاطوں کے باوجود بھی انھوں نے اپنے ہاتھوں ہی سے اسباب بہم پہنچائے کہ اسیرانِ کربلا اپنے تمام فضائل، واقعاتِ کربلا، تمام مظالم اور ذلت و رسوائیوں کو لوگوں کے سامنے بیان کرتے تھے۔ کوچوں، بازاروں، میدانوں اور گھروں کے دروازوں پر جہاں کسی سننے والے کو دیکھا اس سے اپنے آپ کو متعارف کروایا اور بنی امیہ کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ حتیٰ کہ مجلس ابن زیاد، یزید کا محل اور دمشق کی جامع مسجد بھی بعض اوقات ان مبلغوں کے لیے منبر بنا رہا۔

آخر یزید اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور اسے احساس ہو گیا کہ اہلبیت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوفہ اور شام لانا ایک غلطی تھی اور بہتر یہی تھا کہ ان کے ذریعے سے ایک اور سر دردی مول نہ لی جاتی اور انھیں شہروں اور بازاروں میں ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کا موقع نہ دیا جاتا۔ لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ یہ ممکن نہ تھا کہ لوگوں کے دلوں سے ان مظلوموں کی باتوں کو محو کر دیا جائے اور ان کے ذہنوں سے ان دلخراش مناظر کی یاد مٹا دی جائے کہ وہ اہلِ بیت علیہم السلام کو آیت تطہیر کے حامل سمجھنے کی بجائے خارجی، مفسد اور فتنہ پرور قرار دے کر واجب القتل محسوب کریں۔

عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی اسیری کے دوران عاشورا کی تاریخ کو حرف بہ حرف لوگوں کے دل و دماغ پر ثبت کر دیا، اب خلافت میں یہ طاقت نہ تھی کہ وہ

---

[1] مطالب السؤل ابن طلحہ شافعی ص ۷۹

اپنی سیہ کاریوں اور ذلت و رسوائی کو مسلمانوں کی یادوں سے نکال دے یا کم از کم تاراجی خیا
اور اطفال شیرخوار کے قتل کو جو ان کی بربریت کی مستند مثال تھی صفحات تاریخ سے محو کر دیں
جب مؤرخین نے تاریخ نویسی کے لیے قلم سنبھالا اور واقعات کو اوراق تاریخ
درج کرنے کی کوشش کی تو جو کچھ لوگوں کی مدد سے معلوم ہو سکا۔ اس کو بہ تفصیل آیندہ نسل
کے بوڑھوں اور جوانوں کے لیے تحریر کر دیا۔ مثلاً انھوں نے اس طرح لکھا ہے کہ امام حسین علیہ ال
کا پیراہن مبارک اسحٰق بن حیوہ حضرمی نے آپ کے جسم پاک سے اتارا تھا۔

زیر جامہ ابجر بن کعب نے لیا تھا[1]۔ اخنس بن مرثد نے آپ کا عمامہ مبارک قبضہ میں ک
آپ کی شمشیر بنی دارم کے کسی فرد نے حاصل کر لی[2]۔ آپ کا اونٹ کے بالوں سے بنا ہوا ج
قیس بن اشعث نے لیا۔ بعد میں یہ عمل اس کا لقب ہو گیا اور اس کو قیس قطیفہ کہنے لگے
آپ کی نعلین پاک اسود بن خالد اور انگشتری بجدل بن سلیم کلبی نے لوٹ لی تھی[3]۔

امام عالیمقام کے جسد مبارک میں تینتیس زخم نیزے کے اور چونتیس گھاؤ تلوار کے ش
کیے گئے[5]۔ مورخین نے لکھا ہے کہ ابن سعد کے حکم سے دس افراد آپ کے جسم مبارک
بے ادبی کرتے رہے ان کے نام حسب ذیل ہیں:

اسحٰق بن حیوۃ، اخنس بن مرثد، حکیم بن طفیل، عمرو بن صبیح، رجاء بن منقذ، سالم
خثیمہ، واحظ بن ناعم، صالح بن وہب، ہانی بن شبث، اسید بن مالک لعنہم اللہ۔ ان
بارے میں تحقیق کے بعد یہ لکھا گیا ہے کہ یہ سب ناجائز اولاد تھے[6]۔

---

[1] طبری و لہوف میں بجر بن کعب اور ارشاد میں بجر کعب لکھا ہے۔

[2] ارشاد مفید ص ۲۲۹

[3] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۹

[4،5] لہوف ص ۷۷-۷۹

[6] لہوف ص ۸۰-۸۱ طبری ج ۴ ص ۳۴۷ پر اور مفید ارشاد میں ص ۲۲۷ پر دس نفوس تذکرہ کر کے صرف پہلے دو کا نام لکھتے ہیں۔ اخنس بن مرثد کو طبری میں اخنش لکھا گیا ہے۔

Marfat.com

اہل تاریخ نے یہ بھی متعین کیا کہ امام علیہ السلام کے طفل شیر خوار کو تیر کس نے مارا ؟ کن لوگوں نے پانی بند کر دیا، اس کا حکم دینے والے کون تھے ؟ اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کو کون لوگ شام تک لے گئے وغیرہ...... یہ اس کا نمونہ ہیں کہ تاریخ نے اس واقعہ کو جزئیات کے ساتھ اپنے دامن میں محفوظ کر کے دشمن پران میں ردو بدل کے راستے مسدود کر دیے ہیں۔

ایسے مظالم اور سیہ کاریوں نے بنی امیہ اور اسلام کو متفرق کر کے ایک دوسرے سے بہت دور کر دیا تاکہ آئندہ کوئی اُس بوڑھے آدمی کی طرح غلط فہمی کا شکار نہ ہو جس نے شام میں جناب سجاد علیہ السلام سے کہا تھا : میں اس خدا کی حمد و ثنا بجا لاتا ہوں جس نے شاخِ فتنہ انگیزی اور ہنگامہ خیزی کو قطع کر دیا اور امیر المومنین یزید کو کامیاب و بامراد کیا۔

حالاتِ کوفہ کا دگرگوں ہونا : اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام کو سب سے پہلے وارد کوفہ ہونے کا موقع ملا۔ اہل کوفہ قیدی بچوں کی تباہ حالی اور حرمان نصیبی کو دیکھ کر انہیں صدقہ کی روٹیاں اور کھجوریں دینے لگے۔ جناب ام کلثوم بنتِ علی المرتضیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر بآوازِ بلند فرمایا : **یا اهل الکوفة ان الصدقة علینا حرام** —— اے اہل کوفہ صدقہ ہم آل محمدؐ پر حرام ہے۔ خاندانِ رسالت کے بچوں کو صدقہ نہ دو اور اس کے بعد آپ نے بچوں کے ہاتھ سے بلکہ ان کے دہنوں سے نکال کر نان و خرما زمین پر پھینک دیا۔[1]

عالی حوصلگی کے اس کام نے تماشا دیکھنے والوں کی نہج فکر کو بدل کر رکھ دیا اور اسیروں کی عظمت و عصمت کو واضح کر دیا۔ غالباً اس واقعہ کے بعد ہی "سیّد طاؤس" کے بقول ایک ضعیفہ نے سقفِ خانہ سے آواز دی اور کہا : تم کس خاندان کے اسیر ہو ؟ اپنی معرفت کرواؤ۔ اہل بیت علیہم السلام ایسے ہی سوال کے منتظر تھے۔ جواب میں کہا : ہم قیدی آل محمدؐ ہیں۔ خداوند عالم جانتا ہے کہ اس مختصر سے جملے کو سُن کر اہل کوفہ کے دل ان کے سینوں میں اپنی جگہ سے

---

[1] نفس المهموم ص ۲۱۳

ہل گئے اور بقول سید مذکور انھوں نے بآواز بلند گریہ شروع کر دیا۔

امام زین العابدین علیہ السلام، جناب زینبؑ کبریٰ، ام کلثومؑ اور فاطمہؑ صغریٰ کو گفتگو کرنے کا یہ بہترین موقع ہاتھ آیا تو انھوں نے داستانِ ظلم اس طرح سنائی کہ تماشے کے لیے آنے والے یہ لوگ بآواز بلند رونے چلّانے لگے۔ امامؑ چہارم نے ان گریہ کناں عورتوں، مردوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور ان کی خاموشی کے بعد آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد اور رسول پاک پر درود و سلام بھیج کر فرمایا:

"میں علی الحسین بن علی بن ابی طالب ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس کی بے حرمتی کی گئی ہے جس کے جسم مبارک کو ان کا لباس و اثاثہ لوٹ کر عریاں کر دیا گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں کہ جس کا سر لبِ فرات پر قلم کر دیا گیا۔ بغیر اس کے کہ انھوں نے کسی کا خون بہایا ہو یا کسی کا حق غصب کیا ہو۔ میں ان کا نورِ نظر ہوں۔ جنھیں ظلم و ستم سے قتل کر دیا گیا۔ جب ان میں مقابلے کی تاب نہ رہ گئی تو انھیں شہید کر دیا۔ ہمارے لیے یہی فخر کافی ہے کہ ہم نے دوسروں کی طرح یزید کی بیعت نہ کی اور باطل کے خلاف خاموشی اختیار نہیں کی۔ راہِ خدا میں ایسا ثباتِ قدم دکھایا کہ ہمارا خون بہا دیا گیا اور ہم دشمنوں کے ہاتھوں اسیر ہو گئے۔

اے لوگو! تمھیں خدا کی قسم دیتا ہوں کیا تم جانتے ہو؟ کہ تم نے ہی میرے والد گرامی قدر کو خط لکھے اور انھیں فریب دیا۔ ان کی بیعت کی اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کیا اور پھر ان سے ہی جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ تم پر بربادی و تباہی ہو اس عمل کی بنا پر جو تم نے پیش کیا ہے۔ تم نے جو تدبیر کی اس سے تم پر بدبختی نازل ہو کل قیامت میں رسولؐ خدا کے روبرو کس منہ سے جاؤ گے۔ جب وہ تم سے کہیں گے تم نے میرے اہل بیت کو قتل کیا ہے اور میری بے حرمتی کی ہے۔ اس کے بعد اب تم میری امت نہیں رہے۔"

Marfat.com

راوی کہتا ہے جب آپ کا کلام یہاں تک پہنچا تو ہر طرف سے آواز بلند ہوئی۔ لوگ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔ تم نے بہت برا کیا، اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کر لیا اور کچھ پتہ ہی نہ چلا۔

امام علیہ السلام نے اس شور گریہ اور آہ وبکا میں جو بلند سے بلند تر ہو رہا تھا۔ فرمایا: خدا تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائے جو میری نصیحت کو قبول کرلے اور خدا اور رسولؐ و اہل بیت کے بارے میں میری وصیت پر عمل پیرا ہو۔ کیونکہ ہم پر رسولؐ خدا کی پیروی ضروری ہے۔

لوگوں نے بآواز بلند کہا: اے فرزند رسولؐ! ہم آپ کی باتوں کو سن رہے ہیں اور آپ کی اطاعت پر راضی ہیں۔ ہم آپ سے کیے گئے وعدوں پر کسی دوسری طرف متوجہ ہوئے بغیر قائم رہیں گے۔ آپ پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہو آپ جو فرمائیں گے ہم مانیں گے۔ جس سے جنگ کا حکم دیں گے جنگ کریں گے۔ جس سے صلح وآشتی کا فرمان دیں، وہی کریں گے۔ ہم ضرور یزید (لعنہ اللہ) کو گرفتار کریں گے اور جس نے بھی آپ پر ظلم کیا ہے اس سے ہم بیزار ہیں۔

امام زین العابدین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"افسوس صد افسوس، اے پیمان شکن اور بہانہ ساز لوگو تم کو اپنے مقاصد حاصل نہ ہوں اور تمھاری خواہشات پوری نہ ہوں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ مجھ سے وہی سلوک کرو جو میرے بزرگوں کے ساتھ کیا ہے۔ خدا کی قسم، ہرگز نہیں، میرا زخم دل ابھی تازہ ہے، ابھی کل ہی تو میرے والد بزرگوار صلوٰۃ اللہ علیہ اور ان کے اہل بیت کو قتل کردیا گیا ہے۔

ہنوز رسول خدا، والد بزرگوار اور ان کے یاور و انصار اصحاب کا داغ میرے دل سے دور نہیں ہوا اور اس غم سے میرا دم میرے سینے میں رکتا ہے اس کی تلخیوں نے میری زندگی کو تلخ کردیا ہے ان کے غم سے میرا سینہ معمور ہے اور اس کی گنجائش بھی میرے دل میں نہیں ہے، میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ نہ ہمارا

ساتھ دو نہ ہماری مخالفت کرو۔ نہ ہماری حمایت کرو اور نہ ہی ہمیں قتل کرو۔"
اس کے بعد آپ نے چند اشعار پڑھے جن کا مفہوم حسب ذیل ہے :

"میرے والد بزرگوار حسینؑ کی شہادت تعجب انگیز نہیں کہ ان کے والد علیؑ ابن ابی طالب کو جو ان سے بہتر تھے، کیا شہید نہ کیا گیا تھا؟ اے اہل کوفہ، شہادت حسین بن علی (علیہما السلام) سے خوش نہ ہو کہ یہ گناہ عظیم تھا جس کا ارتکاب تم نے کیا ہے۔ میری جان ان پر فدا ہو جو لب فرات پر مارے گئے۔ ان کے قاتلوں کو سزا نار جہنم ہے۔ پھر فرمایا: ہم تم سے اس وقت بالکل راضی ہوں گے کہ نہ ہمارا ساتھ دو اور نہ ہماری مخالفت کرو، نہ ہماری مدد کرو اور نہ ہی ہم سے جنگ پر آمادہ ہو جاؤ۔"[۱]

آخری جملے میں وہی بات پھر فرمائی جو اشعار پڑھنے سے قبل فرمائی تھی۔ آپ کی یہ خواہش نہ تھی کہ اہل کوفہ اسی وقت ان کی مدد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اور ظالموں سے بدلہ لیں۔ اور آل ابی سفیان کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیں۔ کیونکہ ان دنوں یہ ممکن نہ تھا۔ بلکہ آپ کی خواہش یہ تھی کہ سانحہ کربلا آب و تاب حاصل کر کے تاریخ کا درخشاں باب بن جائے۔ اور لوگ اس مقدس مشن کی حقیقت اور امام حسین علیہ السلام کی عظیم قربانی کو سمجھیں اور جان لیں کہ ان کا مقصد دین اور حق و انصاف کے احیا کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ بصورت دیگر وہ دوسروں کی طرح خاموشی اختیار کر لیتے۔ یزید کے ساتھ ان کی جنگ نور حق کی ظلمت باطل سے پیکار تھی اور یہ ظلم و عدل کے درمیان کشمکش تھی۔ لوگ آگاہ ہو جائیں کہ عوام کی فلاح و رہبری کا دعوے کرنے والے بنی امیہ ظالم اور دنیا پرست ہیں۔ انھوں نے ظلم و ستم کے ریشوں سے بنے ہوئے کرتے میں پناہ لے رکھی ہے اور اس پہ مزید تاریں روز بنتے رہتے ہیں اور اس کے جال میں لوگوں کو جکڑ کر ان کے دین و دنیا کو برباد کر رہے ہیں۔

آپ کے کلام بلاغت نظام نے لوگوں کے دلوں پر گہرا اثر کیا۔ ان کے بشاش چہرے جو تماشا دیکھنے کے تصور میں خوشی سے معمور تھے، مرجھا گئے اور اپنے کیے پر نادم ہو کر ایک دوسرے پر لعنت ملامت کرنے لگے۔ انھوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اور امامؑ چہارم کے ساتھ مدد کا

[۱] نفس المهموم ص ۲۱۳

Marfat.com

وعدہ کرنے لگے۔ یہ سب اس کی دلیل ہے کہ ان میں فکری انقلاب آ گیا تھا اور ان کی نظر میں عدل وانصاف کے پیکر حسین علیہ السلام تھے۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کا کوفہ میں خطبہ

کوفے میں اہل کوفہ کے سامنے خطبہ ارشاد کرنے والوں میں سے اس دن جناب زینب علیا امام حسین علیہ السلام کی جاں نثار بہن بھی تھیں۔ انھوں نے اپنی رواں و مؤثر گفتگو میں کربلا کے خونیں واقعہ امام عالیمقام سیدالشہدا علیہ السّلام کی عظمت و سربلندی اور ان کے اعلیٰ مقاصد اور ان کے قاتلین کے ظلم و ستم کو بہترین انداز میں بیان فرمایا۔ بشیر بن خزیم کے بقول زینب (سلام اللہ علیہا) سے زیادہ باکمال مقررہ اور عالم کسی اور عورت کو نہیں دیکھا۔ خدا کی قسم اس انداز میں خطاب فرماتی ہیں جیسے ان کے آتشیں الفاظ علی بن ابی طالب علیہ السلام کی زبان مقدس سے ادا ہو رہے ہوں۔ لوگوں کے سانس سینوں میں رک گئے۔ اونٹوں کی گردنوں میں بندھی ہوئی گھنٹیاں تک خاموش ہو گئیں۔ پھر اس مکرمہ و مخدرہ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا اور رسول خدا اور اہل بیت پر درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا:

"امابعد اے اہل کوفہ، اے مکار اور فریب کارو! اب تم ہمارے لیے آنسو بہا رہے ہو۔ تمھاری آنکھیں ہمیشہ اشکبار رہیں اور تمھارے لب نالہ و فریاد سے رہائی نہ پائیں۔ تمھاری داستان اس عورت کی داستان ہے جو سوت کو مضبوط کات کر پھر اپنے ہاتھوں سے توڑ دے۔ تم اپنے وعدوں سے دوسروں کو دھوکہ دیتے ہو۔ کیا خودپسندی، عیب جوئی، کینہ پروری، کنیزوں جیسی چاپلوسی اور دشمنوں کی طرح طعنہ زنی کے علاوہ بھی کچھ تم جانتے ہو؟

تم اس گھاس کی مانند ہو جو کوڑا کرکٹ کے ڈھیر پر اگ آتی ہے۔ تم وہ چونا ہو جو

Marfat.com

قبروں کو سفید اور مزین کرنے کے کام آتا ہے۔ تم نے آخرت کے لیے بدترین زادِ سفر تیار کیا ہے۔ خداوند عالم تم سے ناراض ہو کر تمہیں داخلِ جہنم فرمائے گا اور تم اس میں ہی رہو گے۔ کیا تم ہم پر رو رہے ہو اور ہمارے لیے آنسو بہا رہے ہو۔ ہاں ہاں بخدا خوب روؤ اور بہت کم ہنسو، کیونکہ اپنے دامن پر تم نے ذلت و رسوائی کا داغ لگا لیا ہے جو کسی صورت بھی دُھل نہ سکے گا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ تم اس خواری و مذلت سے اپنا دامن پاک کر سکو جو تم نے خاتم النبیینؐ کے فرزند، معدنِ رسالت اور جوانانِ بہشت کے سردار کو قتل کر کے اپنے لیے مقدر کر لی ہے۔ یہ وہ ہستی تھے جو نیکوکاروں کی پناہ گاہ، راہنمائے دین اور آموزگارِ شریعت تھے۔

آگاہ ہو جاؤ، کہ تم نے آخرت کے لیے عذاب کا ذخیرہ کر لیا ہے۔ تم پر بربادی ہو۔ حوادث زمانہ کی چکی کے پاٹ میں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پس جاؤ۔ تم نے اپنی کوشش و سعی میں ناکامی و نامرادی پائی ہے۔ تم نے اپنے لیے ہلاکت کے سوا اور کچھ حاصل نہیں کیا۔ اس سودے میں تمہیں نقصان کے علاوہ اور کچھ نہیں ملا۔ غضبِ الٰہی کا تم پر نزول لازم ہے اور ذلت و رسوائی یقینی ہے۔

تم پر تُف ہے، کیا تم جانتے ہو کہ تم نے جگر گوشۂ رسولؐ کے قتل سے رسولؐ کو کتنی اذیت دی ہے؟ کس کی ذریت کو تم نے قیدی بنا لیا ہے؟ کس کا خونِ مقدس تم نے ریگزارِ کربلا میں بہا دیا ہے۔ کس کی عزت و ناموس کی بے حرمتی کی ہے؟ تم نے ایسے عجیب واقعہ اور ایسے عظیم المیے کو جنم دیا ہے جو اپنی عظمت و بزرگی میں کونین میں بے مثال و بے نظیر ہے۔ کیا تم متعجب ہو گے اگر اس سانحے اور ظلم عظیم پر آسمان سے خون برسنے لگے۔ آخرت کا عذاب رسواکن ہے؟ وہاں کسی کی مدد حاصل نہ ہو گی۔ تم اس عارضی غلبے سے مغرور اور خوش نہ ہو جاؤ۔ کہ خداوند عالم اعمال کی سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ اسے انتقام کا موقع ہاتھ

سے نکل جانے کا خوف نہیں ہے۔ اس کا عذاب ظالموں کے تعاقب میں ہے۔"

راوی کہتا ہے خدا کی قسم، میں نے لوگوں کو اس دن حیرت واستعجاب میں غرق پایا۔ وہ حسرت وندامت سے انگشت بدنداں تھے۔ میرے پاس کھڑا ہوا ایک ضعیف آدمی اس خطبے کو سن کر اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ خاندانِ رسالت تم پر میرے ماں باپ نثار ہوں۔ تمھارے بوڑھے سب بوڑھوں سے افضل، تمھارے جوان بہترین جوان۔ تمھاری خواتین سب عورتوں سے افضل، تمھاری نسل سب نسلوں سے بہتر نسل ہے جو کبھی اپنی قدر ومنزلت سے محروم نہیں ہو سکتی۔[1]

اس دن کے بہترین اور شعلہ بیان مقررین میں فاطمہ صغریٰ اور جناب ام کلثوم بنت علی مرتضیٰ علیہا السلام بھی تھیں۔ ان دونوں نے بھی امام حسین علیہ السلام اور خاندانِ رسالت کی عصمت وعظمت اور بنی امیہ کے مظالم اور قاتلین امامؑ کے جور وستم کو بہترین اور مؤثر ترین انداز میں بیان فرمایا۔ عترت پاک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان بیانات کا یہ اثر ہوا کہ اہل کوفہ نے واقعۂ کربلا کو خوش دلی اور مسرت سے قبول نہ کیا بلکہ ان کے نہج فکر میں عمومی تبدیلی نے ابن زیاد کو مشوش وپریشان اور لرزہ براندام کر دیا۔

دربار کوفے میں مجلس ابن زیاد پر ایک نظر

اب اس کا موقع آگیا ہے کہ دیکھا جائے کہ عترت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربار ابن زیاد میں کس ہمت وحوصلہ اور جرأت رندانہ سے کام لے کر گفتگو فرمائی اور اس سے کس سربلندی وفتح وکامرانی سے باہر آئے۔ آپ اس مرد کو چشم تصور سے دیکھیں جو حریص، ظالم، انسان دشمن، خود پسند، ناپاک وبخیل، مغرور، بظاہر فاتح وغالب ہو اور اپنے احباب واعلاؤں اور فرماں بردار

---

[1] لہوف ص ۶۶ - ۶۸

جلادوں کے جھرمٹ میں اپنے محل میں بیٹھا ہوا ہو۔ ایسے ظالم کے سامنے حق گوئی اور اس کی سیہ کاریوں پر اعتراض شیر دلی اور بشری طاقت سے برتر طاقت کا تقاضا کرتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ زینب عُلیا نے کس طرح اس کو شرمندہ و سرافگندہ کر دیا۔

ابن زیاد کے کارندے اسیروں کو اس کے روبرو لاتے۔ اس دن ہر شخص کو دارالامارۃ میں جانے کی اجازت تھی۔ جو بھی چاہتا وہ گورنر کے محل میں جاکر اسیروں کی حالت تباہ اور ابن زیاد کا ان سے سلوک دیکھ سکتا تھا۔ یہ ظالم نشۂ غرور و تمکنت میں چور ان افعال کا مرتکب ہوا کہ جس سے اس کی انتہا درجے کی پستی و فرومایگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے سید الشہداء علیہ السلام کے سرِ مبارک کو تخت پر اپنے پہلو میں رکھ لیا اور مسکراتے ہوئے اپنی ناپاک چھڑی سے آپ کے دندان سے بے ادبی کرنے لگا۔

زید بن ارقم صحابی وہاں موجود تھے۔ وہ اس انتہائی بے ادبی کو نہ دیکھ سکے اور کہا: اپنی ناپاک چھڑی کو ابا عبداللہ (علیہ السلام) کے لبوں سے اٹھا لو۔ قسم ہے اس خدا کی جو لاشریک ہے۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مُبارک ہونٹوں کو حسین (علیہ السلام) کے ہونٹوں پر اتنی مرتبہ دیکھا ہے کہ جس کا شمار نہیں۔ اس کے بعد وہ ضبط گریہ نہ کر سکے اور ان کی بات منقطع ہو گئی۔

ابن زیاد اس پر سخت برہم ہوا اور کہا: خدا کرے تم روتے ہی رہو۔ کیا اس پر روتے ہو کہ خدا تعالیٰ نے ہمیں فتح و کامرانی سے نوازا ہے۔ اگر تو کم خرد پیرِ فرتوت نہ ہوتا تو میں تیری گردن مار دیتا۔ زید بن ارقم اس سے زیادہ صبر نہ کر سکے اور اس منحوس مجلس سے اُٹھ کر چلے آئے۔[1]

ابن زیاد نے اس دن زیدؓ بن ارقم کی بات کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسے قتل کی دھمکی دی۔ اسے یہ معلوم نہ تھا کہ صفحاتِ تاریخ اس مجلس کی روئداد کو محفوظ کر لیں گے۔ اور بعد میں آنے والے ہی اس سلسلہ میں انصاف کریں گے۔ دنیا والے یزید اور اس کو ظالم و ستم گار

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۲۸

کے علاوہ اور کوئی مقام نہ دیں گے۔ اور تاریخ اسلام میں انھیں حلقہ اسلامی سے خارج تصور کیا جائے گا۔ لیکن ایک جابر و ظالم حاکم کا بیمار ذہن ان حقایق کا تصور کیسے کر سکتا ہے جو انسانیت اور عزت و شرافت کو اقتدار اور دولت وزر کے لیے قربان کر چکا ہو جس کی فکرِ ناقص اور فہم کج، لذائذ و شہواتِ دنیا کی کثافتوں کے دائرے سے باہر ہی نہ نکل سکے۔ وہ ان واقعات کے دور رس نتایج کا کیا اندازہ کر سکتا ہے۔

جناب زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا بہت سادے اور پُرانے لباس میں داخل ہو کر قصر امارت کے ایک گوشے میں تشریف فرما ہوئیں۔ اور کنیزوں نے آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ ابن زیاد نے پوچھا کہ یہ گوشے میں کنیزوں کے ساتھ جانے والی خاتون کون ہے؟ اس مخدرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس نے پھر سوال کیا تو کنیزوں میں سے ایک نے کہا: یہ زینبؑ بنتِ فاطمہ بنت رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں[۱]۔ ظاہر تھا کہ ابن زیاد خاموش نہ رہے گا۔ اور بیہودہ گوئی کرے گا۔ چنانچہ جناب زینبؑ کے لیے لازم تھا کہ وہ کمال صبر و سکون اور تحمل و بردباری سے اس کا جواب دیں۔ کیونکہ جواب نہ دیا جاتا تو اس کی لاف زنی اسیروں کی شکست پر دلالت کرتی۔

بعض ظالم و ستم گار اپنی سنگدلی و شقاوت کے باوجود ذاتی طور پر کمینہ اور پست فطرت نہیں ہوتے یعنی انسانی اصولوں کو کاملاً پیروں تلے نہیں روند دیتے۔ بطور مثال اگر کسی کو قتل کریں تو اس کا لباس نہیں اتارتے یا پھر کسی پر ظلم و زیادتی کرتے ہوئے یا کسی کو قتل کرتے ہوئے اگر کوئی بچہ یا عورت ان سے اس کام سے دست کش ہونے کی اپیل کرے تو وہ مان لیتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ ستمگار ہونے کے ساتھ ساتھ بنیادی طور ذلیل و کمینہ ہوتے ہیں اور انسانیت کا کوئی احترام نہیں کرتے۔

مشہور ہے کہ ایک دن چنگیز نے اپنے سپاہیوں سے پوچھا کہ آیا تم میں سے کسی کو

---

[۱] الجزائر از حسن صدر

Marfat.com

دوران جنگ کبھی کسی پر رحم آیا؟ ایک سپاہی نے جواب دیا: میں ایک گھر میں داخل ہوا اور شیر خوار بچے کے منہ میں نیزہ کی انی داخل کر دی۔ وہ بچہ سمجھا کہ میری ماں مجھے دودھ پلانے لگی ہے۔ وہ اس کو چوسنے لگا۔ میں نے اس کا گلا چیر دیا۔ لیکن مجھے اس سے دلی دکھ ہوا۔ چنگیز نے حکم دیا کہ اس سپاہی کو فوراً قتل کر دیا جائے کیونکہ جو اس قسم کی معمولی صورت حال پر رحم کھائے وہ جنگ میں نہیں چل سکتا۔[1]

معروف فرانسیسی سپہ سالار بوژو نے الجزائر کے حریت پسندوں کے متعلق جنہوں نے استعمار کے خلاف علم بغاوت بلند کر رکھا تھا۔ حکم دیا کہ جو غار جنگ اور فرار میں ان کی پناہ گاہیں ہیں۔ ان میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے راستوں کو ایندھن اور لکڑیوں سے پُر کر کے اُن پر تیل اور آتش گیر مادہ چھڑک کر آگ لگا دی جائے تاکہ یہ لوٹریاں چل کر خاکستر ہو جائیں سپاہیوں نے اس پر عمل کیا اور بہت سے مجاہدین کو زندہ جلا ڈالا۔[2]

لٹریون فرانسیسی نے الجزائر کی خونیں تحریک انقلاب کو دبانے کے لیے محنت کش غریب مزدوروں اور حواس باختہ لوگوں کو اس پر مامور کیا۔ جب ان کو اس مقصد کے لیے ناکافی پایا تو حکم دیا کہ دو ہزار پھاڑ کھانے والے کتوں کو تربیت دی جائے تاکہ یہ مزدور سپاہی جہاں بھی قیام کریں ان تربیت کردہ کتوں کو عورتوں اور جنگجو جوانوں پر چھوڑ دیں۔[3] یہ سب کچھ دوسرے درجے کے ظالموں کا نمونۂ عمل ہے۔

اب ہم اصل مطلب کی طرف پھر لوٹتے ہیں۔ ابن زیاد ظالم و ستمگر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک پست اور نجس و ناپاک آدمی تھا۔ سید الشہداء علیہ السلام نے کربلا میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں ابن زیاد کو (دعی بن الدعی) کہا۔ دعی اس کو کہتے جو ساختہ اور منہ بولا بیٹا ہو۔ اور پاکیزہ نسب کا حامل نہ ہو۔ تاریخ گواہ ہے کہ اس کا باپ زیاد زنا کی پیداوار تھا۔ اس کی ماں مرجانہ ایک بدکار اور آوارہ عورت تھی۔ سراقہ باہلی اپنے شعر میں اس کی ماں کی طرف اشارہ کر کے

---

[1] ا، [2] و [3] الجزائر از حسن صدر

کہتا ہے: زیاد جہاں کہیں بھی ہو اس پر خدا کی لعنت ہو اور اس کے بیٹے پر اور اس عورت پر جس کے نا مشروع شوہر بہت سے تھے۔[۱]

غالباً یہی وجہ تھی کہ زینبؑ کبریٰ جب اس محفل میں داخل ہوئیں تو ایک گوشے میں تشریف فرما ہوئیں تاکہ پہچانی نہ جائیں کیونکہ جانتی تھیں کہ وہ ایک کمینے ظالم کے روبرو ہیں۔ ابن زیاد میں اگر مردانگی اور نجابت کی کوئی رمق بھی ہوتی تو وہ ان اسیروں سے حسن سلوک سے پیش آتا۔ ان کے زخموں پر نمک پاشی نہ کرتا، طعنہ زنی نہ کرتا اور فرزند پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کو اپنی فتح و کامرانی محسوب نہ کرتا۔

بہرصورت جب زینبؑ علیا کو اس نے پہچان لیا تو کہا، خدا کا شکر ہے کہ جس نے تمہارے مردوں کو قتل کیا اور تمہیں ذلیل و رسوا کیا۔ اس کا خیال تھا کہ شاید آپ اس کے جواب میں سرافگندہ و خاموش رہیں گی۔ لیکن علی مرتضیٰ علیہ السلام کی جری بیٹی نے کمال جرأت و دلیری سے اس کے جواب میں کہا: "الحمد للہ الذی اکرمنا بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وطہرنا من الرجس تطہیراً۔ انما یفتضح الفاسق ویکذب الفاجر وہو غیرنا والحمد للہ" شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں پیغمبری سے سرفراز فرمایا، ہر قسم کی نجاست اور آلودگی سے ہمیں پاک و پاکیزہ کر دیا۔ فاسق و فاجر کے لیے رسوائی ہے اور بدکار انسانوں کا کام دروغ گوئی ہے۔ تشکر بے پایاں ہے خدا کے لیے، فاسق و فاجر دوسرے ہیں نہ کہ ہم....."

ابن زیاد آپ کے اس سخت جواب سے حواس باختہ ہو گیا۔ اس کی بدطینتی کی رگ پھڑک اٹھی اور کہا، تم نے دیکھا کہ خدا نے تمہارے بھائی اور تمہارے خاندان کے ساتھ کیا کیا۔[۲]

---

[۱] تحفۃ الاحباب ص ۲۰۴
لعن اللہ حیث حل زیاداً او ابنہ والعجوز ذات البعول
[۲] ارشاد مفید ص ۲۸۸

Marfat.com

شہزادی کونین نے جواب دیا: میں نے بھلائی اور بہتری کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔ ان کی شہادت کوئی نیا کام نہیں۔ ہمارے افراد خاندان کی شہادت مشیت ایزدی تھی۔ وہ خواب گاہ میں ہیں لیکن عنقریب ہی روز قیامت میں خدا انھیں اور تمہیں ایک جگہ پر جمع فرمائے گا تاکہ اس ظلم کا جواب دو۔ اس دن کا انتظار کرو۔ جب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ اُخروی فلاح اور نجات کس کے لیے ہے؟ اے مرجانہ کے بیٹے! تمھاری ماں تمھارے لیے سوگوار ہو۔[1]

جناب زینب سلام اللہ علیہا نے یہ گفتگو فرمائی اور فاسق و فاجر کو بے نقاب کر دیا۔ انھوں نے خاندان رسالت کا تعارف پیکر ہائے نورانی اور پاک و پاکیزہ انسانوں کی حیثیت سے کروایا۔ ابن زیاد کو ایسے جواب اور ردعمل کی توقع نہ تھی۔ وہ انتہائی ذلیل ہوا۔

"ھبلتك امك۔ تمھاری ماں تمھارا ماتم کرے۔" عربوں میں یہ بات سخت تکلیف دہ اور حوصلہ شکن ہوتی ہے۔ جب کسی کو دوسرا یہ بات کہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تمھاری ماں نے تم جیسے نالائق اور نااہل بیٹے کو جنم دیا جو باعث فخر و مباہات ہونے کی بجائے اس قابل ہے کہ مر جائے اور ماں اس کے غم میں نوحہ کناں ہو۔

بنت علی علیہ السلام نے اس پر ایک اور ہولناک ضرب یہ لگائی کہ اس کی ماں مرجانہ کا نام سر دربار لیا کہ جس کی ذلت و رسوائی کی داستان سے سب آگاہ تھے۔ مؤلف جس وقت بھی اس مجلس اور اس میں ارشاد کیے گئے جناب زینب سلام اللہ علیہا کے خطبے کو پردۂ بصیرت پر مجسم دیکھتا ہے تو ان کی عظمت و شجاعت اور استقامت اسے بحر حیرت میں غوطہ زن کر دیتی ہے۔ تصور کیجئے کہ ایک قیدی خاتون کو ابن زیاد جیسے ظالم کے روبرو ایسا سخت اور درشت اور مبنی بر حقیقت جواب دینے کے لیے کس دل گردے اور جرأت و دلیری کی ضرورت ہوگی۔

صفحات تاریخ کی ورق گردانی سے بطور نمونہ بھی کوئی ایسا واقعہ نہ ملے گا کہ جب جناب زینب سلام اللہ علیہا یا امام زین العابدین علیہ السلام نے ابن زیاد یا یزید کو امیرالمؤمنین کہا

---

[1] نفس المهموم ص ۲۱۷ - لہوف ص ۹۵

Marfat.com

کر خطاب کیا ہو۔ ان بزرگوں نے جب بھی کلام فرمایا تو انھیں صرف "یا بن زیاد" اور "یا یزید" کہہ کر مخاطب کیا۔

بات یہ ہو رہی تھی کہ ابن زیاد نے جب یہ سخت و درشت اور کھرا جواب سنا تو آگ بگولہ ہو گیا۔ اگر حاضرین میں سے عمرو بن حریث سفارش نہ کرتا تو ممکن تھا کہ وہ خواہرِ امامؑ کے قتل کا حکم دے دیتا۔ اس شفاعت کے باوجود بھی وہ شدید غیض و غضب میں حواس باختہ ہو چکا تھا اور سرِ دربار اس رسوائی اور شرمندگی نے اسے بدحواس کر دیا تھا۔

وہ زور سے چلّایا: "خدا نے تمھارے بھائی اور تمھارے خاندان کے دوسرے سرکشوں کے قتل سے میرے دل کو شفا دی ہے۔"

جناب زینبؑ نے جواباً فرمایا: ہاں مجھے اپنی جان کی قسم، تم نے میرے بہادروں کو قتل کر دیا۔ خاندان کو نیست و نابود کر دیا۔ تم نے ہماری شاخیں قطع کر دیں اور جڑیں اکھاڑ دیں اگر تیرے دل کی شفا و تسلی اس میں مضمر تھی تو یقیناً تو نے وہ پا لی۔[۱]

اس کے بعد سید سجادؑ کو اس کے روبرو لائے۔ اس نے آپ سے پوچھا: تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا: میں علیؑ بن الحسینؑ ہوں۔ وہ بولا، کیا خدا نے علیؑ بن الحسینؑ کو قتل نہیں کیا؟ فرمایا: میرے علیؑ نامی بھائی کو کربلا میں لوگوں نے قتل کر دیا۔ (یعنی ان کے قتل کو خدا سے نسبت نہ دے بلکہ ان کے قاتل تو انسان تھے۔) بولا نہیں۔ خدا نے انھیں مارا ہے۔ امام علیہ السلام نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی: "اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا" یعنی خدا رُوح کو ہنگام مرگ قبضے میں کر لیتا ہے، لیکن اس کا مارنے والا خدا نہیں ہوتا۔ جب آپ نے اس کی باتوں کا مدلل جواب دیا تو وہ غصے میں آ گیا اور کہا: تم میں اب بھی اتنی جرأت ہے کہ میری باتوں کا جواب دیتے ہو؟ انھیں لے جاؤ اور سر قلم کر دو۔[۲]

---

[۱] ارشاد مفید ص ۲۲۸ کامل ابن اثیر جلد ۴، ص ۲۹۶

[۲] ارشاد مفید ص ۲۲۸

Marfat.com

سید بن طاؤس لہوف میں لکھتے ہیں کہ اس پر امام سجادؑ نے جواب دیا: ابن زیاد، موت سے ڈراتے ہو۔ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ راہِ حق میں مارا جانا ہماری سیرت و عادت ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ شہادت ہمارے لیے سرفرازی اور عزت و تکریم کا باعث ہے[1]

المختصر یہ کہ مجلس کوفہ کا واقعہ ابن زیاد اور بنی امیہ کی رسوائی پر منتج ہوا۔ ہم نے دیکھا کہ یہ ظالم و سیہ کار بالآخر سید سجاد اور زینب کبریٰ سلام اللہ علیہما کے مدلل جوابات کے مقابلے میں لاجواب ہو کر شرمندہ ہو گیا۔ اور آپ کو قتل کروانے کی دھمکی دی۔

قصر یزید کا ایک جائزہ

شام میں جناب سید سجاد علیہ السلام اور اسیران کربلا کو کوفے جیسے بلکہ اس سے بہتر و مناسب مواقع میسر آئے اور انھوں نے ہر ایک سے بطور احسن استفادہ کیا۔ اہلِ شام آلِ ابی سفیان کے محب و معتقد تھے۔ بنو امیہ کے زہریلے پراپیگنڈے نے اہل شام کے دلوں میں خانوادۂ نبوت کے لیے کوئی جگہ نہ چھوڑی تھی۔ بلکہ وہ ان سے فتنہ پرور اور بدامنی پھیلانے والے عناصر کی حیثیت سے متعارف تھے۔ اہل شام میں سے بہت سے لوگوں کے دل بغض اہلبیت علیہم السلام سے معمور تھے۔

مجھے اس وقت یاد نہیں کہ میں نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ بنو امیہ کے زوال اور بنی عباس کے برسر اقتدار آنے پر اہل شام میں سے متعدد لوگوں نے عباسی خلیفہ کے سامنے قسم کھائی اور کہا: ہم اب تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خویش و اقربا میں بنی امیہ کے علاوہ اور کسی کو نہ شمار کرتے تھے نہ سمجھتے تھے۔

کسی انسان یا گروہ کے خلاف تہمتیں اور ناروا منسوب باتیں سالوں بلکہ صدیوں تک

---

[1] لہوف ص ۹۶

Marfat.com

کسی قوم کو بے خبری میں رکھ سکتی ہیں۔ آج تیرہ صدیاں گزرنے بعد بھی دیکھا گیا ہے کہ جامعہ الازہر کے مفتیوں کی کانگریس نے متفقہ فتوای دیا ہے کہ ابوذر غفاریؓ مال و دولت سے متعلق اشتراکی نظریات رکھتے تھے۔

لجنۃ الازھر کو یہ اشتباہ اس لیے ہوا کہ ابوذر غفاری رحمہ اللہ نے خلافتِ سوم کی معاشی پالیسیوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تھا۔ انھوں نے خلافتِ سوم اور بنی امیہ کی ان کے ساتھ غیر انسانی روش اور جلاوطنی کو جائز قرار دینے اور انھیں حق پر ثابت کرنے کے لیے ابوذر پر یہ تہمت لگائی ہے۔[1]

آل ابی سفیان نے مقدور بھر کوشش کی کہ علی علیہ السلام اور ان کے افراد خانوادہ کو فتنہ انگیز، گڑبڑ پھیلانے والے اور امامت کی عقیدت کا مرکز بننے کی اہلیت سے محروم افراد کی حیثیت سے پیش کیا جائے۔

معاویہ سے لے کر عمر بن عبدالعزیز کے دور تک حضرت علی علیہ السلام پر سب و شتم دینی فریضے کی طرح جاری رہا۔ جیساکہ مذکور ہو چکا جنگ صفین میں ایک شخص نے اہل کوفہ سے کہا کہ میں معاویہ کی ہمراہی میں تم سے جنگ کرنے اس لیے آیا ہوں کہ میں نے سن رکھا ہے کہ تمھارا امام علی ابن ابی طالب (علیہ السلام)، نماز نہیں پڑھتا اور نہ ہی تم لوگ نماز پڑھتے ہو۔[2]

ان حالات کی روشنی میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جناب سید سجاد علیہ السلام اور زینبؑ بنتِ علیؑ کا اہل شام کے اذہان کو حقائق سے روشناس کروانے کا فریضہ کس قدر دشوار اور نازک نوعیت کا تھا۔ کوفہ کے حالات ایک ادنیٰ سی کوشش سے متغیر ہو گئے اور لوگوں کے خیالات میں انقلاب آ گیا کیونکہ علیؑ اور ان کے افراد خاندان وہاں مشہور و معروف تھے۔

دمشق بنی اُمیہ کا ناقابل تسخیر قلعہ تھا، لیکن اس کے باوجود بھی اسیران کربلا نے کمال

---

[1] امینی نے کتاب الغدیر جلد ۸ ص ۳۶۱ پر الازھر کے اس فتویٰ کو درج کرنے کے بعد اس کا جواب لکھا ہے

[2] کتاب صفین ص ۴ ۳۵۴ طبع مصر بنقل بررسی تاریخ عاشورا ص ۳۲

Marfat.com

بصیرت سے کام لے کر خلافت اموی کا پردہ چاک کر دیا اور انہیں ذلیل و رسوا کر دیا۔ یہاں تک کہ مروان بن حکم نے یزید سے کہا کہ اب ان کا شام میں رہنا تمہارے لیے بہتری کا باعث نہیں[۵۱]۔ اس وقت جھوٹ کے سیاہ بادل چھٹ گئے اور آفتاب حقیقت اپنی آب و تاب سے ضوفشاں تھا۔

امام سید سجاد علیہ السّلام اور ایک مرد شامی کی گفتگو

جن ایام میں اسیران اہلبیت علیہم السلام کو مسجد دمشق کے پہلو میں رکھا گیا تھا۔ اہل شام میں سے ایک بوڑھا آدمی جو غلط فہمیوں کا شکار تھا، سید سجاد کے پاس آیا اور کہا: خدا کا شکر ہے کہ جس نے تم لوگوں کو قتل اور نابود کر دیا۔ اور فتنہ و فساد کی شاخیں قطع کر دیں۔ اس کے بعد اس نے بہت کچھ ناروا و ناسزا کہا اور بے ادبی کی۔ امام چہارم اس وقت تک صبر فرماتے رہے جب تک اس کی بات مکمل ہو گئی۔ پھر ارشاد فرمایا: تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے کہا کیوں؟ آپ نے فرمایا، کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی، قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربیٰ[۵۲] اس نے کہا کیوں؟ فرمایا: پیغمبر اسلام کے قرابت دار ہم ہیں۔ پھر فرمایا: یہ آیت پڑھی ہے: واٰت ذا القربیٰ حقہ[۵۳]؟ کہا: ہاں پڑھ رکھی ہے۔ پس ارشاد فرمایا: اس آیت سے ہم ہی مراد ہیں۔ پھر استفسار فرمایا: یہ آیت پڑھ رکھی ہے؟ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا[۵۴]؟

---

[۵۱] کامل بہائی جلد ۲ ص ۲۹۹ طبع جدید
[۵۲] اسراء آیت ۲۶
[۵۳] احزاب آیت ۳۳
[۵۴] شوریٰ آیت ۲۳

اس نے کہا یہ سوال کیوں فرمایا ؟

آپ نے ارشاد فرمایا : ہم وہ اہل بیت ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کی عصمت و طہارت کی گواہی دی ہے۔

اس مرد ضعیف نے یہ باتیں سُن کر خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچان لیا اور بکمال ندامت و شرمندگی سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا : خدایا میں توبہ کرتا ہوں میں دشمنان آل محمدؐ اور قاتلین اہل بیتؑ سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ میں قرآن کو اب تک پڑھتا رہا لیکن ان کو ابھی تک نہیں پہچانا تھا۔[1] یہ بات اس نے تین بار کہی۔

جب وہ شامی امام سجاد علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس کا کیا حال تھا ؟ اور جب اس نے آپ کے ارشاداتِ گرامی کو سُنا تو اس کے دل میں ہیجان بپا ہوگیا۔ اور اس نے کھلم کھلا بنی اُمیہ اور سید الشہداء علیہ السلام کے قاتلوں سے بیزاری کا اظہار کیا۔ سید بن طاؤس کے مطابق یزید نے اس واقعہ کو سُن کر اس مرد ضعیف کے قتل کا حکم دے دیا۔[2]

امام جعفر صادق علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں : جب علی بن الحسین (علیہما السلام) دمشق میں داخل ہوئے تو ابراہیم ابن طلحہ سامنے آگیا اور (طنزیہ لہجہ) میں کہا : اے علی بن الحسین اس معرکہ میں فتح کس کو ہوئی ؟ امام علیہ السلام نے ارشاد فرمایا : اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو تو نماز کے وقت اذان دو اور اقامت کہو۔[3] اس منکر اور بد طینت انسان نے طعنہ زنی کے لیے مذکورہ بات کہی تھی وہ امام حسین علیہ السلام کی ظاہری شکست سے خوش تھا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ سید الشہداء کی شہادت شکست نہیں بلکہ وجہ افتخار ہے۔ حق و عدل کی راہ میں جدوجہد کو شکست کہاں ؟ بلکہ شکست اور جاودانی ذلت و رو سیاہی تو یزید کے حصے میں آئی تھی۔

---

[1] نفس المہموم ص ۲۳۲

[2] لہوف ص ۱۰۶

[3] نفس المہموم ص ۲۳۳

Marfat.com

امام زین العابدین علیہ السلام نے اس شخص کو یہ احساس دلایا کہ ہم آلِ محمدؐ علیہم السلام کو عزت و شرف اور عصمت و طہارت کا وہ مقام حاصل ہے جہاں شکست اور تنزل کا گزر نہیں۔ اس پر نظر نہ کرو کہ آج یہ خاندان اسیر و گرفتار ہے بلکہ یہ سوچو کہ اگر تم مسلمان ہو تو ہر نماز کے وقت "اشہد ان محمد رسول اللہ" ضرور کہو گے۔ ہم اسی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد اور وارث ہیں۔ کیا یہ قرین عقل ہے کہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعلائے کلمۂ حق اور راہِ خدا و دین اسلام میں جاں نثار کرنا شکست سمجھا جائے؟

مجلس یزید کی حالت ابن زیاد کی محفل سے ملتی جلتی نقل کی گئی ہے۔ مصری مصنف محمود عقاد لکھتا ہے:

قصر یزید میں ابن زیاد کا دربار اپنے لوازمات کے ساتھ پھر موجود تھا۔ اگر کچھ لوگ ان دونوں درباروں کے واقعات کو باہم مخلوط سمجھیں تو تعجب انگیز بات نہیں کیونکہ دونوں درباروں کا طرز عمل اور احوال و اوضاع اس کے مقتضی تھے کہ ان دونوں مقامات پر ایک ہی قسم کا عمل ہو اور سوالات ایک ہی طرح سے کیے جائیں۔ پھر ان کے جوابات بھی اسی قسم کے اور اسی انداز میں دیے جائیں[1]۔

بہرکیف یہ ضروری تھا کہ اسیرانِ اہل بیت علیہم السلام اس منحوس مجلس سے بھی دربار زیاد کی طرح سربلند و کامران لوٹیں اور یزید اور اس کے تابعین کو معلوم ہو جائے کہ مکافاتِ عمل سے بچنا محال ہے۔ اسیران کربلا داخلِ دربار ہوئے۔ ظاہر ہے پہلے یزید کی باری تھی کہ وہ نامناسب و ناروا اور فضول باتیں کر کے اپنے لیے مضرت بہم پہنچاتے۔

درحقیقت ظالم و ستم گار اس کے علاوہ کیا کرتے ہیں اور کیا کر سکتے ہیں کہ لاف زنی کریں، طعنہ زنی کریں اور انسانیت سے گرے ہوئے کام کریں۔ یزید کو اپنی فتح کے نشے جہالت اور تعصب نے اندھا کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے دربار میں لوگوں کی موجودگی میں

---

[1] ابوالشہداء تالیف عقاد ترجمہ معزی

سرِ مبارک سید الشہدا علیہ السلام پر اپنی چھڑی سے ضرب لگائی اور بے ادبی و گستاخی کا مرتکب ہوا۔

مشہور مورخین اور بزرگان اہل سنت مثلاً طبری، ابن اثیر، ابن حجر مکی، سبط ابن جوزی، ابن صباغ مالکی، شبلنجی اور صبان وغیرہ، ان سب نے یزید کی اس سیہ کاری اور گستاخی کا تصریحاً ذکر کیا ہے۔ کیا یزید نے اپنے اس بد ترین عمل سے اپنی ذلت و رسوائی اور بے دینی کی دستاویز پر مہر تصدیق ثبت نہیں کی۔ ایک ایسے شخص کا یہ عمل کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ جو اسلام کے نام پر لوگوں کا حاکم بنا ہوا ہو۔ اپنے آپ کو پیغمبرؐ اسلام کا جانشین اور ان کی شریعت کا اجرا کرنے والا تصور کرتا ہو اور پھر اپنی چھڑی سے فرزند رسولؐ کے دندان مبارک سے بے ادبی کرتا ہو؟ جب تک یہ دنیا باقی ہے اور اس میں عدل و انصاف کا وجود قائم ہے۔ یزید ہر انصاف پسند منصف کے نزدیک روسیاہ و ذلیل شمار ہوگا۔

قدرت نے اس عمل سیاہ اور انسانیت سے گرے ہوئے فعل کو لوگوں سے اوجھل نہیں رہنے دیا۔

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو برزہ اسلمی اس منظر کی تاب نہ لا سکے اور یزید کو امیر المومنین کہہ کر خطاب کرنے کی بجائے کہا: اے یزید! اپنی چھڑی کو حسین علیہ السلام کے سر مبارک سے اٹھا لو، خدا کی قسم، میں نے بارہا ان آنکھوں سے دیکھا ہے کہ رسول خدا ان مبارک دانتوں کو بوسہ دیتے تھے۔[1]

یزید نے نتائج سے چشم پوشی کرتے ہوئے اور اس مجلس کی ناپائداری کا تصور نہ کرتے ہوئے مستی و غرور کے عالم میں یہ اشعار پڑھنا شروع کر دیے:

لیت اشیاخی ببدر شھدوا　　جزع الخزرج من وقع الاسل

لاھلوا واستھلو فرحا　　ثم قالوا یا یزید لا تشل

قد قتلنا القوم من ساداتھم　　وعدلناہ ببدر فاعتدل

---

[1] تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۴۵، کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۹۹

Marfat.com

لعبت ہاشم بالملک فلا   خبر جاء ولا وحی نزل

لست من خندف ان لم انتقم   من بنی احمد ما کان فعل[1]

کہتا ہے:

"کاش آج میرے وہ بزرگ موجود ہوتے جو جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے تو آل محمد (علیہم السلام) کی اس وضع کو دیکھتے اور مجھ پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برساتے ہوئے کہتے تم ہمیشہ سلامت رہو۔ ہم نے ان کے بزرگوں کو قتل کر کے بدر کی شکست کا بدلہ لے لیا ہے۔ بنی ہاشم اقتدار سے کھیلتے رہے ہیں۔ ان کا مقصد صرف حکمرانی و جہاں بانی تھا ورنہ ان پر آسمان سے وحی نازل نہ ہوئی تھی۔ میں اپنی ماں (خندف) کا بیٹا نہیں اگر احمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کے کاموں کا بدلہ اس کی آل و اولاد سے نہ لے لوں۔"

یزید نے یاوہ گوئی کی۔ اس نے سید الشہدا علیہ السلام اور جوانان بنی ہاشم کے قتل کو ہاشم کے قتل کو بنی امیہ کے مقتولین بدر کا انتقام قرار دیا حالانکہ ان کو حکم رسول خدا سے واصل جہنم کیا گیا تھا۔ وہ کھلم کھلا کہہ رہا تھا کہ میں احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کاموں کا انتقام اس کی اولاد سے لے رہا ہوں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے سب درباریوں اور اسیران کربلا کے روبرو وحی الٰہی سے انکار کر دیا۔

مقام حیرت ہے کہ اب تک تو یزید امام حسین علیہ السلام کا دشمن تھا اور انھیں اپنی سلطنت کا مخالف سمجھتا تھا۔ لیکن اب اس نے رسول خدا کی مخالفت بھی اختیار کر لی اور اسلام کے مقدسات کا تمسخر اڑانے لگا۔ وہ اپنے آپ کو خلیفۂ رسول سمجھتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اُن سے ان کے کاموں کا بدلہ بھی لینا چاہتا تھا اور مکہ کے بت پرستوں

---

[1] لہوف صفحہ ۱۰۸ تذکرہ سبط ابن جوزی صفحہ ۱۴۸ باب ۹ ۔ شعر نمبر ۱ و ۲ و ۳ احمد بن ابی طاہر بغدادی نے بلاغات النساء صفحہ ۲۱ طبع نجف ۔ شعر نمبر ۱ اور ۳ کو ابو الفرج نے مقاتل الطالبین ۱۲۰ طبع مصر۔

Marfat.com

یعنی اپنے کافر آباؤ اجداد کا انتقام بہترین خدا شناسوں اور انسانیت کے دُرہائے یتیم کو قتل کر کے لے رہا تھا۔ قدرت کی مرضی یہی تھی کہ سیہ کار ظالم اپنے اور دوسروں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوں۔ یہ کتنی سچ بات ہے: "لیھلک من ہلک عن بینۃ ویحیٰی من حی عن بینۃ"۔

یزید نے جب اپنے کفر آمیز اشعار پڑھے تو علی علیہ السلام کی حق گو اور حریت پسند بیٹی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا اٹھ کھڑی ہوئیں اور زبان مبارک پردہ جرأت مندانہ اور بنیاد ظلم کو متزلزل کرنے والے کلمات جاری ہوئے کہ قصر یزید میں لرزہ پیدا ہوا۔ آپ نے اپنے اس آتشیں خطبے میں یزید کو کافر و ستمگر کہا اُسے کئی بار امیر المومنین کے بغیر اے یزید! کہہ کر مخاطب کیا۔ اسے دشمنِ خدا اور پسر دشمن خدا کا نام دیا۔ اس کے معاونین اور متابعت کرنے والوں کو حزب شیطان سے تعبیر فرمایا۔ آپ نے بنی امیہ کی بداعمالیوں اور پستیوں کو ایک ایک کر کے شمار فرمایا۔ یہاں ہم ابتدا میں اس استجاب آور خطبے کی اصل عربی عبارت "بلاغات النساء" تالیف احمد بن طاہر[1] سے نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا ترجمہ قارئین کرام کے لیے درج کیا جائے گا۔

ترجمہ

اے یزید! خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا ہے۔ بالآخر گناہگاروں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ آیاتِ خدا کو جھٹلاتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ (تو نے اتنے زیادہ گناہ کیے ہیں کہ اس کے نتیجے میں آیاتِ خدا کو جھٹلاتا اور ان کا تمسخر اڑاتا ہے) اے یزید! کیا تیرا خیال ہے کہ اب چونکہ ہم پر زمین و آسمان کی وسعتیں تنگ ہو گئیں ہیں۔ ہم قیدی ہو کر شہر بہ شہر پھرائے جا رہے ہیں۔ تو ہم خدا کے نزدیک بے عزت و بے آبرو ہو گئے ہیں اور تو اس کے نزدیک محترم ہو گیا ہے۔ اور یہ سب کچھ خدا کے نزدیک تیری عظمت کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ کیا تو نے اس خیال سے اپنا

---

[1] ابوالفضل احمد بن ابن طاہر بغدادی، علمائے قرن سوم میں سے ہیں جو ۲۰۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۸۰ھ میں وفات پائی۔

سرِ غرور بلند کرلیا ہے۔ کیا تیرے عجب و غرور اور تکبر کی یہی وجہ ہے؟

تو دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق دیکھ کر شاداں ہے۔ تو خوش ہے کہ تیرے کام تیری خواہش کے مطابق ہو رہے ہیں۔ جان لے کہ تیری یہ سلطنت، طاقت اور شان و شوکت چند روزہ ہے تجھے چند دنوں کی مہلت دی گئی ہے۔ اس کے بعد تیرے لیے رسواکن عذاب ہے۔ اور یہ وہ عذاب ہے کہ خدا فرماتا ہے: "کافر یہ گمان نہ کریں کہ اگر ہم انھیں مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کی بھلائی و بہتری ہے۔ ہم انھیں صرف اس لیے موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنے گناہوں میں اضافہ کرلیں اور ان کے لیے ایسا عذاب ہے جو انھیں ذلیل و خوار کردے گا۔"

اے ہمارے آزاد کردہ غلاموں کے بیٹے! (اے کہ تو ان کا فرزند ہے جن کو میرے جد رسولؐ خدا نے روز فتح مکہ آزاد کردیا اور کہا: **فاذھبوا فانتم الطلقا**۔ کیا یہ انصاف ہے؟ کیا یہ عدل ہے؟ کہ تو نے اپنی عورتوں اور کنیزوں کو پردے میں جگہ دی ہے۔ لیکن رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بیٹیوں کو قیدی بنا رکھا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ تو نے ان کو بے کسی، مجبوری اور انتہائی غم و رنج میں جبکہ ان کے گلے کثرتِ گریہ سے رُندھے ہوتے ہیں۔ تیز رفتار اونٹوں پر سوار کرکے دشمنوں کے ذریعے بستی بستی پھرایا ہے؟ اپنے اور پرائے سب ہی ان کا تماشا دیکھنے کے لیے آتے ہیں۔ جبکہ ان کے اپنے مردوں اور حامیوں میں سے کوئی ان کے ساتھ نہیں ہے۔

اے یزید! وہ انسان ہم سے کیوں کر دشمنی و عداوت نہ کرے گا جو ہمیشہ سے ہی ہمارے ساتھ بغض و کینہ اور پرخاش رکھتا ہو۔ اے یزید! تو نے انتہائی لاپروائی سے اور اپنے آپ کو گناہگار سمجھے بغیر ہی کہہ دیا ہے۔ کاش میرے بدر میں مارے جانے والے بزرگ آج موجود ہوتے اور پھر ابا عبداللہ کے دندانِ مبارک پر چھڑی ماری، ہاں! ہاں! ایسا تم کیوں نہ کروگے، کیوں ایسے شعر نہ پڑھوگے اور اب جبکہ تو نے

Marfat.com

حسب منشا سب کچھ کر لیا ہے اور اپنے دل کو اس سے سکون دے لیا ہے۔ تو نے تقویٰ و فضیلت کی جڑیں اکھاڑ دی ہیں تو نے اولادِ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون بہایا ہے۔ آلِ عبدالمطلب کے درخشاں ستاروں کو جن سے روئے زمین فروزاں تھی تو نے ظلم و ستم کے سیاہ بادلوں میں چھپا دیا ہے۔

لیکن تو بہت جلد خدا کے حضور حاضر ہوگا اور تیرا مقام وہ ہوگا جو تیرے بدر میں مارے جانے والے آبا کا ہے۔ اس وقت تو کہے گا کہ کاش میں گونگا و بہرہ ہو جاتا اور یہ نہ کہتا: "اے کاش میرے آباؤ آلِ محمدؐ کی تباہ حالی کو دیکھتے تو باآوازِ بلند مجھے شاباش دیتے ہوئے کہتے یزید تو ہمیشہ سلامت رہے۔"

اس مقام پر بنتِ علی علیہ السلام نے دُعا فرمائی: "خُدایا ہمارا حق ان سے دلا دے اور جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ان سے انتقام لے۔" اس کے بعد پھر یزید کی طرف متوجہ ہوئیں اور فرمایا: "خُدا کی قسم، تم نے اپنا گوشت ہی کاٹا ہے اور اپنی کھال ہی نوچی ہے۔ تو عنقریب ہی رسولِ پاکؐ کے روبرو ہوگا اور دیکھے گا کہ تیرے خیال کے برعکس ان کی تمام آل و اولاد بہشت بریں میں مقیم ہوگی۔ جس روز خداوندِ عالم ذریتِ رسولؐ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مجتمع فرمائے گا تو ان سب کو خلد بریں میں مقام عطا فرمائے گا۔ اور یہ خدا کے اس فرمان کے مطابق ہے: "یہ گمان نہ کرو کہ شہدائے راہِ حق مردہ ہیں، بلکہ وہ تو زندہ ہیں اور وہ اپنے خدا سے رزق پاتے ہیں۔"

تیرا باپ معاویہ جس نے تجھے مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے۔ جلد جان لے گا کہ ستمگروں کا بُرا انجام ہوتا ہے اور کس کے لیے بدترین مقام ہے۔ کس کی قوت و طاقت کمتر درجے کی ہے۔ اس دن انصاف خدا کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داد طلبی فرمائیں گے۔ پھر تیرے اعضا و جوارح ہی تیرے خلاف گواہی دیں گے۔

اے دشمنِ خدا اور دشمنِ خدا کے فرزند! اگرچہ قسم ہے خدائے بزرگ و برتر کی کہ میں تم

Marfat.com

کو انتہائی ناچیز و کم تر سمجھتی ہوں اور اپنی لعنت و ملامت کے قابل بھی نہیں گردانتی، لیکن کیا کروں کہ آنکھیں اشکبار اور دل غم زدہ ہیں۔ (شدت غم اور قلبی اندوہ نے مجھے ان باتوں کے کہنے پر مجبور کیا ہے۔) تجھے ملامت و سرزنش کرنے سے کیا حاصل ہو گا؟ ہمارے شہید تو اس سے زندہ نہ ہوں گے۔ میرے بھائی حسین علیہ السلام شہید ہو چکے اور شیطان کی فوجیں دنیا کے نااہل و نالائق ترین افراد کے پاس لے آئی ہے۔ تاکہ وہ محارم الٰہی کی بے حرمتی کا خدا سے بزرگ کے مال سے معاوضہ لیں۔ ہمارا خون ان کے ہاتھوں سے ٹپک رہا ہے۔ ان کے دہنوں سے ہمارے گوشت کی بُو آ رہی ہے۔ شہیدان کربلا علیہم السلام کے اجسام مطہرہ جنگل میں بے گور و کفن درندوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے گئے ہیں۔

اگر تو نے آج ہم اہل بیت کے قتل کو غنیمت سمجھ رکھا ہے تو بہت جلد ہی تجھے معلوم ہو جائیگا کہ تجھے اپنی سیاہ کاریوں اور بداعمالیوں کی مکافات ضرور ملے گی۔ اس دن تیرے پاس ان سیاہ کاریوں کے سوا اور کوئی عمل نہ ہو گا۔ پھر تو ابن زیاد پسر مرجانہ کو چیخ چیخ کر بلائے گا اور وہ تجھے بہ آواز بلند پکارے گا اور تم ایک دوسرے سے مدد چاہو گے۔ یہ وہ دن ہو گا۔ جب عدل الٰہی کی میزان کے قریب تم اور تمہارا باپ تکرار کرتے ہوئے باہم دست و گریبان ہو جاؤ گے۔ اس دن جان لو گے کہ تمھارے باپ نے تمھارے لیے بہترین توشۂ آخرت یہ تیار کیا تھا کہ تم ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون ناحق سے اپنے ہاتھ رنگ لو۔

قسم ہے خدائے قادر و توانا کی، میں اس کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتی۔ اس کے علاوہ کسی اور کے سامنے شکایت نہیں کرتی۔ پس تو اپنی بدطینتی کو بروئے کار لا کر جو چاہتا ہے کر لے۔ خدا کی قسم تو ہم سے جو پست اور گھٹیا سلوک کر رہا ہے یہ پستی و ذلت تیرے لیے ابدی ہے۔ خداوند عالم کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے سردار جوانان بہشت سید الشہدا کے مشن کو سعادت و خوش بختی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور باغ جنان کو ان کے لیے مخصوص کر دیا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور ان کو اپنی مزید نعمات و

Marfat.com

عنایات سے نوازے۔ان پر اپنے الطاف و اکرام کو اور زیادہ کرے۔کیونکہ وہ صاحب اختیار و قوی ہے۔"

مؤلف اپنی اس بے بضاعتی اور قلم نارسا و ناتواں کے ساتھ کس طرح شیر خدا علی مرتضیٰ علیہ السلام کی حریت پسند بیٹی کی عظیم شخصیت اور ان کے قوی و مستحکم قلب و روح کی تعریف کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کرے؟ خدایا، اس ستم رسیدہ، داغ دیدہ اور اسیر ظلم مخدرہ عصمت کی جرأت و مردانگی اور ایمان و ایقانِ کامل و مستحکم کا کیسے اندازہ کروں کہ وہ ظالم اور خونخوار درباریوں اور تماشائیوں کے روبرو یزید کو مخاطب کرکے فرماتی ہیں، تو نے سر غرور بلند کر رکھا ہے؟ اے آزاد کردہ غلاموں کی اولاد، دشمن خدا اور پسر دشمن خدا، خدا کی قسم میں تمھیں اپنی لعنت و ملامت کے قابل بھی نہیں سمجھتی۔تیرا باپ معاویہ کہ جس نے تجھ کو مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے جلد کیفر کردار کو پہنچے گا

اسے امیر المومنین کہنے کی بجائے "یا یزید" یا صرف اس کا نام لیتی ہیں جو اس کے لیے انتہائی ذلت تھی۔آپ نے واضح کر دیا کہ ہم اہل بیتِ رسالت علیہم السلام زنجیر ستم میں جکڑے ہونے کے باوجود بھی یزید کو امیر المومنین نہیں کہہ سکتے اور اس کو رسول پاک کا جانشین نہیں سمجھتے۔

کوئی خطیب یا ادیب اپنے سامعین یا قارئین کے لیے اس عظمت و جرأت اور حریت کو بطور احسن کیسے بیان کر سکتا ہے۔اس حریت و آزادی پسندی پر آفرین ہو۔قوت ایمان سے معمور قلب اور عظیم و بزرگ رُوح پر صد آفرین ہو۔مسلمان کی حالت تو یہ ہے

مسلمان اگر پای ریزی زرش ۔۔۔ وگر تیغ ہندی نہی بر سرش
امید و ہراسش نباشد زکس ۔۔۔ براین است بنیاد توحید و بس

بنتِ علی (علیہ السلام) کے ان کلمات نے یزید کے سر پر مثل گرز کام کیا اور اس کو درباریوں کے سامنے لرزہ براندام اور سرافگندہ کر دیا۔اس نے مجبور ہو کر اپنی روسیاہی اور

ذلت کو کچھ کم کرنے اور دختر فاطمہ سلام اللہ علیہا کی باتوں کا کچھ نہ کچھ جواب دینے کے لیے تمسخرانہ انداز میں کہا:

یاصیحۃ تحمد من صوائح　　ماھون الموت علی النوائح[1]

اس کا مقصود یہ تھا کہ نوحہ کناں خواتین غم و اندوہ میں ایسی ہی بات کہتی ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی باتیں ستم دیدہ لوگوں سے بعید نہیں۔ اس نے جناب زینب کبریٰ کی باتوں کو شدتِ غم سے کہی ہوئی باتیں قرار دیا۔ لیکن سب جانتے تھے کہ معاملہ برعکس ہے۔

ابھی اہلبیت اطہار علیہم السلام دربار یزید سے باہر نہ لے جائے گئے تھے کہ اہل شام میں سے ایک شخص کی نظر فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام پر پڑ گئی۔ اس نے یزید سے درخواست کی کہ اس کو بطور کنیز یہ بچّی دے دی جائے۔ یہ معصومہ اس بات کو سن کر خوفزدہ ہوئی۔ پس وہ اپنی پھوپی زینب کبریٰ سلام اللہ علیہا کی گود میں گر پڑیں اور ان سے لپٹ گئیں۔

بنت علیؑ نے جس طرح دربار کوفہ میں سید سجاد علیہ السلام کی حفاظت فرمائی تھی اور انھیں قتل ہونے سے بچایا تھا۔ یہاں بھی انھوں نے یہی روش اختیار کی۔ آپ نے جونہی اس شامی کی یہ گستاخانہ بات سنی، بلا خوف و خطر بآواز بلند اس سے کہا:

اے ذلیل دروغ گو، خدا کی قسم، نہ تجھے اور نہ اس کو (یزید) یہ جرأت ہو سکتی ہے۔

یزید اس بات سے برہم ہوا اور کہا: تم نے جھوٹ کہا، اگر میں چاہوں تو یہ کام کر سکتا ہوں

مخدرہ نے فرمایا: بخدا۔ اللہ نے تمھیں ایسی اجازت نہیں دی۔ لیکن یہ کہ تو ہمارے دین سے خارج ہو کر دوسرا دین اختیار کر لے۔

اس پر یزید کا پارہ اور چڑھ گیا۔ وہ چلاّیا: تم مجھے اس قسم کے جواب دیتی ہو تمھارے باپ دادا اور بھائی دین سے خارج ہو گئے ہیں۔ زینب والاجاہ علیہا السلام جو اس کا

---

[1] لہوف ص ۱۱۱

پورا مقابلہ کر رہی تھیں۔ جواب میں گویا ہوئیں:

"اگر تو مسلمان ہوتا تو تجھے معلوم ہوتا کہ خدا کے دین اور میرے والد و بھائی کے دین سے ہی تیرے باپ دادا نے راہ پائی ہے۔"

یزید کے پاس اس بات کو جھٹلانے کے سوا اور کوئی جواب نہ تھا۔

بولا: تم جھوٹ کہتی ہو۔

آپ نے فرمایا: تم ظلم و ستم اور اپنی حکومت و طاقت کے بل بوتے پر ایسی نامناسب و ناروا باتیں کرتے ہو۔

یزید شرمندہ ہو کر خاموش ہو گیا۔ اس شامی نے اپنی بات پھر دہرائی۔ یزید نے جو اس بات سے پہلے ہی جلا بیٹھا تھا، چیخ کر کہا: دفع ہو جاؤ، خدا تمھیں موت دے۔[1]

اس واقعے نے بھی یزید کو مزید رسوا کیا اور خواہر امام علیہ السلام نے اپنے دلائل اور جرأت مندی سے اس کو شرمندہ کر دیا۔ خدا پر مکمل ایمان اور صحیح خطوط پر تربیت انسان کو ایسی طاقت دیتی ہے کہ وہ شکست کو کبھی قبول نہیں کرتا۔ اس قضیے سے ہمیں علامہ اقبال" لاہوری کے یہ شعر یاد آتے ہیں:

میارا بزم بر ساحل کہ آں جا — نوای زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش در آویز — حیاتِ جاودان اندر ستیز است

مسجد دمشق میں جناب سیّد سجاد علیہ السّلام کا خطبہ

شام میں حضرت امام زین العابدین علیہ السّلام کو بہترین موقع اس وقت میسر آیا جب آپ دمشق کی مسجد میں منبر پر تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا۔ قتمہ

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۲۱ ۔ تاریخ طبری ج ۶ ص ۲۶۵

Marfat.com

یوں ہوا کہ روز جمعہ جب سرکاری خطیب یزید کے حکم سے منبر پر چڑھ گیا تو اس نے حضرت علی اور جناب حسین علیہما السلام کی شان میں گستاخی کی اور معاویہ و یزید کی تعریف و توصیف کی۔ سیّد سجاد جو اس اجتماع میں موجود تھے، فوراً گویا ہوئے:

افسوس ہے تم پر اے خطیب کہ تم مخلوق کی خوشنودی کے لیے خدا کو ناراض کر رہے ہو، جان لو! کہ تمہارا مقام آتش جہنم میں ہے۔[1]

اس امر کا ذکر یہاں لازمی معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانے میں دنیا کی خاطر دین فروخت کرنے والے غافلوں کا گروہ خطیب و مبلغ کا مقدس روپ دھار کر ظالموں اور سیہ کاروں کا پورا پورا ساتھ دیتا رہا ہے۔ ان لوگوں نے جاہ و منصب اور مال و دولت کے لیے ہمیشہ ظلم اور ظالموں کی حمایت کی ہے۔ اور مجالس و محافل میں ان کے ناجائز اور غیر انسانی افعال کو غلط بیانی اور جھوٹ کا سہارا لے کر اسلام سے مطابق کرتے رہے ہیں اور آج کل بھی کر رہے ہیں۔

مثلاً ابوہریرہ زر و مال اور مقام و مرتبہ کے لیے بنی اُمیّہ کی حمایت میں کمربستہ ہو گئے اور حضرت علی علیہ السّلام کی مذمت میں احادیث وضع کیں اور معاویہ کی شان اس قدر بڑھائی کہ کہا: میں نے رسولؐ پاک کو کہتے سنا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تین افراد کو امینِ وحی بنایا ہے۔ میں، جبرئیل اور معاویہ۔[2] ابوہریرہ رسولؐ پاک کے زمانے میں گدائی کرتے تھے۔ اور لقمۂ نان کے حصول کے لیے راستے میں بیٹھ جاتے تھے اور کہتے تھے، میری قرأت سنو، وہ اسی طرح اپنا پیٹ بھرتے تھے[3] لیکن عہد معاویہ میں وہ محل میں رہنے لگے ان کا قصر عقیق میں تھا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو معاویہ نے حاکم مدینہ کو ان کے بیٹوں کی حمایت اور ان سے ہمدردانہ سلوک کا حکم بھیجا۔[4]

---

[1] لہوف ۱۱۲

[2] لب کتاب شیخ المغیرہ ابوہریرہ تالیف ابوریہ ص ۸۸، ترجمہ محمد وحید

[3] صحیح بخاری جز ۶، ۷ کتاب الاطعمہ باب ۳۱ حدیث ۲ شیخ المضیرہ ص ۴۱

[4] احوال ابوہریرہ کے لیے "ابوہریرہ" تالیف شرف الدین عاملیؒ سے رجوع فرمائیں۔

Marfat.com

ہر دور میں ایسے افراد موجود رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو حق و انصاف کو پسِ پشت ڈال کر ظالموں کی حمایت پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں کہ شام کا سرکاری خطیب اور بنی اُمیہ کا نمک خوار سید سجاد علیہ السلام کے سامنے یزید اور معاویہ کی ثنا خوانی کرے اور مخلوق میں سے بہترین افراد کی شان میں گستاخی کرے اور برائیوں کو اُن سے منسوب کرے۔

ڈاکٹر وردی نے ابن جبیر سے روایت بیان کی ہے کہ جس وقت بغداد میں خطیب نے خلیفہ اور اس کی ماں کی موجودگی میں وعظ شروع کیا تو ابتدا میں خلیفہ کی مدح کی پھر اس کی ماں کی اور اس کے لیے سلامتی کی دعا مانگی اور اس کی ماں کو "الستر الاشرف والجناب الارأف" کا لقب دیا۔ اس کے بعد وعظ شروع کیا ..... یہاں تک کہ آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اس کے بعد ڈاکٹر مذکور لکھتے ہیں۔ عجیب بات ہے کہ جب خطیب خلیفہ کا نام لیتا تو اس کے لیے دعا کرتا اور تمنا کرتا کہ اس کا بابرکت اور عظیم وجود سایۂ عاطفت بن کر روئے زمین پر باقی رہے۔ لیکن جس وقت وہ خلیفہ کی رعایا کی طرف متوجہ ہوتا تو ان کی مذمت کرتا اور انھیں ڈراتا دھمکاتا، گویا رعایا ظالم ہے اور مظلوم خلیفہ کی ذات ہے[1]۔

جس زمانے میں حضرت امام موسٰی بن جعفر علیہ السلام ہارون الرشید عباسی کے حکم سے مقید تھے۔ خوشامدی اور ابن الوقت مبلغوں اور خطیبوں نے خلیفہ کے گرد حلقہ باندھ رکھا تھا۔ اور وہ سونے چاندی کی تھیلیوں کی خاطر آیت اولوا الامر منکم کا مصداق انھیں ٹھہرا رہے تھے۔

وہ واقعات جن کے سننے سے انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو اہل سنت کے مشہور عالم "دمیری" نے "حیاۃ الحیوان" میں نقل کیا ہے، مختصراً یوں ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ بنا تو اس نے عمر بن

---

[1] نقش وعاظ در اسلام ص ۵۳

Marfat.com

عبدالعزیز کی طرح عدل وانصاف سے کام لیا۔ چالیس دن تک وہ حکومت کرتا رہا۔

اسی اثنا میں اہلِ شام میں سے چالیس علماء اس کی خدمت میں آئے اور قسمیں کھا کھا کر اسے یقین دلایا کہ قیامت میں خلفا کے لیے جزا و سزا اور باز پرس نہیں ہے۔ خلیفہ نے ان کی باتوں پر یقین کر لیا اور دھوکا کھایا[۱]۔ اس نے عیاشی شروع کر دی۔ پھر اس کی بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کا معاملہ یہاں تک پہنچا کہ کوئی مسلمان انھیں نہ سُنے اور کوئی کافر انھیں نہ دیکھے تو بہتر ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دین کو دنیا کی خاطر قربان کرنے والے انسانوں کو کس طرح بدعملی اور سیہ کاری سکھاتے رہے ہیں۔ خداوند عالم قرآن پاک میں نخر انبیا سے فرماتا ہے:

لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین[۲]۔۔۔ اگر تم مشرک ہو جاؤ تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

پھر ارشاد ہوتا ہے: ولا تجعل مع اللہ الٰھاً اٰخر فتلقیٰ فی جھنم ملوماً مد حوراً[۳]۔۔۔ خدا کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ۔ ورنہ ملامت زدہ اور راندہ ہو کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ گے۔ لیکن یہ ذلیل اور پست انسان کہتے ہیں: "خلفا کے لیے احتساب اور عذاب نہیں ہے"۔

مؤلف نے بعض اوقات کئی افراد سے سُن رکھا تھا کہ امرا و سلاطین نماز، روزہ اور احکام دینی کی بجا آوری کے مکلف نہیں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ان سے اس کا تقاضا نہیں کیا۔ لیکن جب مذکورہ واقعات نظر سے گزرے تو معلوم ہوا کہ عوام کے ان خیالات کی بنیاد تاریخی ہے۔

ہمیں بھولنا نہ چاہیے کہ اس گروہ کے برعکس خطیبوں اور مبلغوں کی ایک جماعت بھی تھی اور ہے جو ہمیشہ لوگوں کی اصلاح اور ہدایت، معاشرے کی بیداری اور ظلم و بیداد و

---

[۱] حیاۃ الحیوان دمیری جلد ۱ ص ۱۰۱، احوال یزید بن عبدالملک۔

[۲] سورۂ زمر آیت ۶۵

[۳] سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۹

Marfat.com

نا انصافی کے خاتمے کے لیے کوشش کرتی تھی اور کرتی ہے۔ یہ لوگ ائمہ اطہار علیہم السلام کی طرح کبھی آزادی اور کبھی پابندیوں کے تحت زندگی گزارتے ہیں اور ہمیشہ خدا تعالیٰ کی رضا جوئی اور لوگوں کی اصلاح احوال کو مد نظر رکھتے ہیں۔ دنیا پرستی، جاہ طلبی اور مادی و نفسانی اغراض سے مبرا ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی مدد ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اور ان کو ان کے مقاصد میں کامیابی سے ہمکنار فرماتا ہے۔

ہم اصل مطلب سے دور نکل آئے، بات یہ ہو رہی تھی کہ خطیب شام نے جب امیر المومنین علی علیہ السلام اور سید الشہداء علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کی تو سید سجاد علیہ السلام نے اس کو فوراً ٹوکا اور اس کے بعد یزید سے کہا: اے یزید! اجازت دے کہ میں اس منبر چوبی پر جا کر چند باتیں کروں۔ جن سے خدائے لایزال راضی ہو اور اہل مجلس کے لیے اجر و ثواب کا باعث ہوں۔

یزید اجازت نہ دیتا تھا۔ حاضرین نے اس سے درخواست کی کہ اجازت دی جائے۔ یزید نے کہا: اگر یہ بالائے منبر جائے گا۔ تو مجھے اور آل ابی سفیان کو ذلیل و رسوا کرے گا۔ وہ بولے یہ کیا بات کر سکتے ہیں؟ یزید نے کہا: یہ اس خاندان کے فرد ہیں کہ جنھیں علم و دانش بچپن میں شیر مادر میں ملا کر پلایا گیا ہے۔ آخر کار لوگوں کے اصرار پر یزید کو مجبوراً اجازت دینا پڑی۔ اور امام علیہ السلام منبر پر تشریف فرما ہوئے[1] آپ نے ایسا خطبہ ارشاد فرمایا کہ سامعین کے دل ہل گئے۔ ان کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ مجلس درہم برہم ہو گئی اور ہر طرف سے شور و غل کی آواز بلند ہونے لگی۔ آپ نے سب سے پہلے اسلام میں اہل بیت علیہم السلام کی اہمیت اور مقام و مرتبہ پر روشنی ڈالی۔ پھر واقعہ کربلا کی تفاصیل بیان کرتے ہوئے لشکر کوفہ کی حیوانیت اور ظلم و ستم کا تذکرہ فرمایا۔ اپنے خطبے میں خدا تعالیٰ کی تعریف و توصیف کے بعد یوں فرماتے ہیں۔

---

[1] کامل بہائی جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ طبع حیدریہ۔ نفس المہموم ص ۲۴۳

Marfat.com

ترجمہ

یعنی خداوند عالم نے ہمیں علم، حلم، شجاعت اور سخاوت عطا فرمائی۔ مومنین کے دلوں میں ہماری محبت جاگزیں کر دی۔ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہم میں سے منتخب فرمایا۔ ان کے وصی اور نائب علی مرتضیٰ (علیہ السلام) بھی ہم ہی سے ہیں۔ سیّد الشہداء حمزہ اور جعفر طیار جو باغِ جناں میں محوِ پرواز ہیں ہم سے ہیں۔ اس اُمت کے دو فرزندانِ رشید حسنؑ و حسینؑ اور مہدیؑ موعود جو دجّال کو قتل کریں گے ہم اہل بیت رسالت ہی میں سے ہیں۔

لوگو! جو کوئی مجھے جانتا ہے کم جانتا ہے اور جو کوئی نہیں جانتا اس کو میں اپنے حسب نسب سے روشناس کرواتا ہوں۔ میں مکہ و منیٰ کا بیٹا ہوں، میں چشمۂ زمزم اور کوہِ صفا کا فرزند ہوں۔ میں اس کا بیٹا ہوں جس نے رکن (حجر الاسود[1]) کو چادر سے اُٹھا کر دیوار کعبہ میں رکھ دیا تھا۔ میں ان کا پسر ہوں جنھوں نے سب سے بہتر احرام باندھا اور طواف وسعی (مناسک حج) کو بجا لائے اور فریضۂ حج ادا کیا۔ میں ان کا نورِ نظر ہوں جو حکمِ خدا سے مسجدِ اقصیٰ لے جائے گئے وہ میرے جد ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ تک گئے، میں ان کا فرزند ہوں جن کے حق میں ارشاد باری ہے: دنیٰ فتدلیٰ فکان قاب قوسین او ادنیٰ۔

میں ان کا نورِ بصر ہوں کہ جب خدائے عزوجل نے وحی نازل کرنا چاہی تو ان پر نازل فرمائی۔ میں اس حسین (علیہ السلام) کا بیٹا ہوں جس کو کربلا میں شہید کر دیا گیا۔ میں علی مرتضیٰ (علیہ السلام) کا فرزند ہوں، میں محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا

---

[1] حجر الاسود کو نصب کرنے کی داستان کی طرف اشارہ ہے۔ قبائل مکہ تعمیر کعبہ کے بعد حجر اسود کی تنصیب باہم دست و گریباں تھے۔ پیغمبر اسلام کی تجویز پر حجر اسود کو چادر میں رکھ کر سب نے اٹھا لیا۔ اور آپ نے اپنے دستِ مبارک سے اس کو اٹھا کر اس کی جگہ پر نصب فرما دیا۔

نورِ نظر ہیں فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی راحتِ جان ، میں خدیجہ کبریٰ رضی اللہ عنہا کا سکونِ قلب ہوں ۔ میں سدرۃ منتہا کا فرزند اور شجر طوبیٰ کا پسر ہوں ۔ میں اس کا بیٹا ہوں جو خون میں نہا گیا جس پر جن تاریکی میں اور پرندے ہوا میں نوحہ خوانی کرتے اور آنسو بہاتے تھے ۔

امام زین العابدین کا خطبہ ابھی یہاں تک پہنچا تھا کہ مجلس درہم برہم ہو گئی ۔ اور حاضرین کی آہ وزاری کا شور ساری مسجد میں بلند ہو گیا ۔ امام نے اس خطبے میں واضح کیا کہ ہمارا خاندان افتخارات کا حامل ہے "علم و دانش جو بنیاد فضیلت ہے ، حلم و بردباری ، سخاوت و بخشش اور طاقتِ نطق جو انسان کی عظمت اور زینت کا سبب ہیں ۔ شجاعت و دلیری جو راہنمائی اور راہبری کی بنیاد ہیں اور مومنین کی قلبی محبت کا مرکز ہونا جو حقیقی اقتدار و حکومت کا نشان ہے ۔ یہ سب ہمیں عطا کیا گیا ہے اور خدا کی رضا یہی تھی ۔ اسلام کی بڑی بڑی شخصیتیں ہمارے خاندان میں پروان چڑھی ہیں ۔ علیؑ مرتضیٰ وصی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ، سید الشہداء حمزہؓ قتیلِ اُحد ، جعفرؓ طیار شہید موتہ امتِ مسلمہ کے فرزندانِ عظیم حسنؑ و حسینؑ جو سردار جوانانِ بہشت ہیں اور مہدی موعود کہ جو عالم اسلام کی از سر نو تشکیل فرمائیں گے ۔ سب کے سب ہمارے خاندان میں سے ہیں ۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پیغمبر اسلام اور قرآن مجید کے لانے والے بھی بنی ہاشم ہی سے ہیں "۔

کیا یزید ان تمام افتخارات کو ہم سے چھین سکتا ہے اور ان کو اپنے یا اپنے خاندان بنو امیہ کے نام منسوب کر سکتا ہے ۔ کیا وہ ان تمام فضائل و مناقب کے باوصف ہمیں تاریخ عالم سے محو کر سکتا ہے ۔ کیا وہ اپنے آپ کو دینِ خدا کے مخلص ترین افراد علیؑ ، حمزہؓ ، جعفر ، حسنین علیہم السلام کے روپ میں ظاہر کر سکتا ہے ؟ کیا وہ ہمارے اس تعلق سے انکار کر سکتا ہے جو ہمیں مکہ ، منیٰ زمزم ، صفا ، سعی ، طواف ، مسجد اقصیٰ ، سدرۃ المنتہیٰ ، قاب قوسین ، شجرۂ طوبیٰ اور روحِ آسمانی سے ہے ۔ کیا اس پاک و پاکیزہ شریعت اور ان شعائر دینی کا

Marfat.com

بنیان گزار میرے سوا اور کوئی بھی ہو سکتا ہے؟

مسجد کی وضع خراب تر ہو رہی تھی۔ یزید انجام سے بے حد خائف ہوا۔ اور اس نے آپ کا سلسلۂ کلام قطع کرنے کے لیے مؤذن کو اذان کا حکم دیا۔ آپ نے مجبوراً احترام کلام خدا کے لیے خاموشی اختیار فرمائی۔

مؤذن نے کہا: اللّٰہ اکبر اللّٰہ،

امام علیہ السلام نے بالائے منبر سے فرمایا: خداوند قدوس سے بزرگ تر اور عظیم تر ہستی کوئی نہیں۔

مؤذن نے کہا: اشہد ان لا الٰہ الا اللّٰہ۔

آپ گویا ہوئے: میرا گوشت پوست، میرا خون اور میرے جسم کا رواں رواں خدا کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔

مؤذن نے پھر کہا: اشہد ان محمدً رسول اللّٰہ۔

آپ اس موقع کے منتظر تھے۔ آپ نے عمامہ سر سے اتارا اور فرمایا: تجھے انہی محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم) کی قسم کہ جن کی رسالت کی تو نے گواہی دی۔ تھوڑی دیر خاموش ہو جا۔ اس وقت آپ نے یزید کی طرف اپنا رخ مبارک موڑا اور کہا: اے یزید، یہ پیغمبرؐ اکرم تمہارے جد ہیں یا ہمارے جد؟ اگر تو کہے کہ میرے جد ہیں تو سب جانتے ہیں کہ تو جھوٹ بولتا ہے اور اگر تو کہے کہ ہمارے دادا ہیں تو تو نے میرے والد کو کیوں قتل کروایا ہے۔ ان کا مال و اسباب کیوں لوٹا ہے اور ان کی عورتوں، بچوں کو کیوں قیدی بنایا ہے یہ کہہ کر آپ نے اپنا گریبان چاک کر لیا۔ اور فرمایا: خدا کی قسم میرے سوا دنیا میں کوئی بھی رسولؐ خدا کو اپنا جد نہیں کہہ سکتا۔ پھر کیوں اس شخص نے میرے والد امام حسین علیہ السلام کو خنجر ستم سے شہید کر دیا اور ہمیں روم کے غیر مسلموں کی طرح قیدی بنا لیا۔ پھر یزید کو مخاطب کر کے کہا: اے یزید! تو اس ظلم عظیم کا مرتکب ہوا ہے۔ یہ اندوہناک حادثہ

تیری وجہ سے ہوا ہے۔ تو کس طرح محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو رسول اللہ کہتا ہے اور رو بہ قبلہ کھڑا ہوتا ہے؟ افسوس ہے تم پر، جب روز قیامت میرے جد اور والد تیرے خلاف داد خواہی کریں گے۔

یزید نے حکم دیا کہ اقامت کہی جائے، لیکن مسجد کا اجتماع درہم برہم ہو گیا۔ متعدد لوگوں نے نماز نہ پڑھی اور عالم پریشانی میں ادھر اُدھر چلے گئے[۱]

اس واقعے کے بعد یزید نے اپنے خواص میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ جناب سید سجاد علیہ السلام کو ایک مخصوص باغ میں لے جا کر قتل کر دیا جائے اور میت کو خفیہ طور پر دفن کر دیا جائے۔ لیکن آپ کی کرامت سے اللہ تعالیٰ نے اس جلاد کو ہلاک کر دیا اور آپ کے لیے کھودی ہوئی قبر میں وہ خود دفن ہو گیا۔[۲]

آپ کی موقع شناسی، اس خطبے سے جھلکنے والا آپ کا صریح لہجہ، اور روحانی عظمت وجرأت تعجب انگیز ہے۔ اس قسم کے خطبات نے ہی واقعۂ کربلا کو بار آور کیا اور لوگوں کے دلوں میں بنی امیہ کے ظالموں کے خلاف نفرت بھر دی۔

اسیرانِ کربلا نے بڑی محنت سے تیار کردہ طریق کار کے مطابق اپنے اوپر عائد ہونے والے فرائض کو کوفہ و شام اور دوسرے مقامات پر بحسن و خوبی انجام دیا۔ جہاں کہیں انہیں لوگوں کو خطاب کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ انھوں نے اپنے مصائب و آلام کو فراموش کر کے حقائق کو اس طرح کھلم کھلا بغیر کسی خوف کے بیان کیا کہ دشمن کے لیے ان سے انکار اور ان کو چھپانا ممکن نہ رہا۔

شام کے حالات جناب سید سجاد علیہ السلام اور حضرت زینب علیا کی شعلہ بیانیوں اور خطبات بلیغ کی وجہ سے مکمل طور پر تبدیل ہو گئے۔ لوگوں نے یزید کو اس ظلم عظیم کے

---

[۱] کامل بہائی ج ۲ ص ۳۱۰۔ نفس المہموم ص ۲۴۲۔ بحار ج ۴۵ ص ۱۳۸

[۲] نفس المہموم ص ۲۴۴

Marfat.com

ارتکاب پر گالیاں دینا شروع کردیں اور اس بدعملی پر مورد تنقید بنایا۔[1]

عباس محمود عقاد لکھتے ہیں: یزید کو سب سے زیادہ سرزنش اس کے افراد خاندان نے کی اور اس کو سخت سست کہا۔[2]

معاملہ یہاں تک پہنچا کہ عماد الدین طبری کے مطابق اہلِ دمشق اس کوشش میں تھے کہ وہ یزید کے محل پر دھاوا بول کر اُسے قتل کردیں۔ چنانچہ مروان بن حکم نے جو ان بگڑتے ہوئے حالات پر نظر رکھتا تھا۔ یزید کو کہا کہ اب ان (اہل بیت علیہم السلام) کا شام میں مزید رہنا تیرے لیے سود مند نہیں۔[3]

اگر اسیران اہل بیت علیہم السلام اس قسم کے جرأت مندانہ خطبے ارشاد نہ فرماتے تو حالات اس طرح دگرگوں نہ ہوتے۔ قاتلان شہدائے کربلا اس قدر ذلیل وخوار نہ ہوتے اور حسینی مشن جو بنی امیہ کی بیخ کنی اور انسانیت کو درس ابدی دینے کے لیے تھا۔ ان شاندار نتائج سے ہرگز ہم کنار نہ ہوتا۔

جلال الدین عبدالرحمٰن سیوطیؒ "الجامع الصغیر" میں رسولؐ خدا سے روایت کرتے ہیں: اذا اراد اللہ انفاذ قضائہ وقدرہ سلب ذوی العقول عقولھم حتی ینفذ فیھم قضائہ وقدرہ فاذا مضی امرہ رد الیھم عقولھم ووقعت الندامۃ۔[4]

یعنی جب خداوند عالم قضا وقدر کو انجام دینا چاہتا ہے تو خردمندوں کی عقل ان سے سلب فرمالیتا ہے تاکہ ان سے متعلق قضا وقدر انجام پالے۔ پھر عقل ان کو واپس دے دیتا ہے تو اس وقت وہ اپنے کیے پر نادم ہوتے ہیں۔

خداوند عالم نے یزید اور دوسرے قاتلان امام حسین علیہ السلام سے ان کی عقل لے

---

[1] کامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۰

[2] ابوالشہداء ص ۱۹ ترجمہ معزی

[3] کامل بہائی جلد ۲ ص ۳۰۲ طبع جدید

[4] الجامع الصغیر ص ۱۸ باب الف طبع مصر

لی تھی تاکہ ان زبردست وقوی مبلغوں کو شہر بہ شہر لیجائیں اور اپنے ہاتھوں اپنی روسیاہی اور زوال و بربادی کے سامان مہیا کرلیں۔

مدینہ منورہ کو اسیروں کی واپسی!

بالآخر یزید مجبور ہوگیا کہ وہ ابن زیاد کو کربلا کے خونیں معرکے کا اصل ذمہ دار قرار دے کر بظاہر اس سے بیزاری کا اظہار کرے اور اس پر لعنت بھیجے۔ شیخ مفید لکھتے ہیں یزید نے جناب سجاد علیہ السلام کو بلایا اور کہا، خدا ابن مرجانہ (ابن زیاد) پر لعنت بھیجے، خدا کی قسم اگر میں آپ کے والد کے روبرو ہوتا تو وہ جو کہتے اسے مان لیتا اور جہاں تک ممکن ہوتا ان کے قتل سے باز رہتا، لیکن تقدیر یہی تھی کہ ایسی صورتِ حال پیش آئے۔ آپ مدینہ جاکر اپنی ہر ضرورت مجھے لکھ سکتے ہیں۔ اور پھر نعمان بن بشیر صحابی کو کہا کہ امام زین العابدینؑ علیہ السلام کو اہل بیت کے ہمراہ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ مدینہ پہنچا دے۔[1]

ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بھی جائزہ لیا جائے کہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے یہ بزرگ کس حالت میں وارد مدینہ ہوئے۔ مدینہ سے باہر امام علیہ السلام اہل مدینہ کے روبرو کس طرح ہوئے اور ان سے کیا گفتگو فرمائی۔

جناب امام زین العابدین علیہ السّلام نے داخل مدینہ ہونے سے قبل ایک شخص بشیر بن جذلم کو شہر میں بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو شہادتِ امام حسین علیہ السلام اور ورود سید سجاد علیہ السلام سے باخبر کردے۔ اس شخص کی نوحہ خوانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہادت امام علیہ السلام کے اعلان سے اسناد واقعہ کربلا میں ایک سند کا اضافہ اور کردے اور شہر مدینہ کو جو کہ ان اسیروں کی واپسی کا ہمیشہ سے منتظر تھا۔ نالہ و فریاد اور جوش و خروش سے پُر کردے۔ اور تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز کردے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر داخل مدینہ ہوا اور بآواز

---

[1] ارشاد ص ۲۴۱ کیا ابن زیاد ہی واقعہ کربلا کا اصل ذمہ دار تھا اور یزید کو اس معاملے سے آگاہی تھی یا نہیں؟ اس پر آئندہ باب میں بحث ہوگی۔

Marfat.com

بلند روتے ہوئے کہنے لگا۔

یا اھل یثرب لا مقام لکم بھا   قتل الحسین فادمعی مدرار
الجسم منہ بکربلاء مضرج   والرأس منہ علی القناۃ یدار

اے اہل مدینہ تم اس شہر میں کس امید پر رہ رہے ہو، حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے ہیں۔ میری آنکھیں اشکبار ہیں۔ ان کا جسم کربلا میں خون میں لت پت ہے اور ان کا سر مبارک نیزے پر شہروں میں پھرا گیا ہے۔ اس کے بعد کہا، میں علیؑ بن الحسینؑ کا پیغامبر ہوں۔ وہ اہل بیت رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ شہر کے باہر مقیم ہیں۔ اس خبر کے سنتے ہی مرد اور عورتیں بیرون شہر روانہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ راستے مسدود ہو گئے۔ اور مدینہ کے حالات غیر معمولی طور پر دگرگوں ہو گئے۔[1]

لوگوں نے جب امام عالی مقام علیہ السلام کے چہرۂ اقدس پر حزن و ملال اور ان کو گریہ کناں دیکھا تو اس قدر نالہ و شیون کیا کہ زبان و قلم سے اس کو بیان کرنا دشوار ہے۔ آپ نے ان کو اشارے سے خاموش کرایا اور ارشاد فرمایا:

حمد بے پایاں ہے اس خدا کے لیے جو مخلوق کا پروردگار، روز جزا کا مالک اور خلائق کا آفریدگار ہے۔ وہ خدا جس کے ادراک سے عقل عاری ہے جس کی عظمت و بلندی کے سامنے آسمان پست ہیں۔ وہ اللہ جو سینوں کے رازوں کا امین ہے۔ میں پروردگار عالم کا ان شدید حوادث، سخت مصائب الم انگیز نامساعد حالات اور دردناک آلام پر بے حد و حساب تشکر بجا لاتا ہوں۔

اے لوگو! میں جس خدا کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ اس نے ہمیں شدید مصائب و مشکلات سے دوچار کر دیا۔ اسلام کی عمارت میں بہت بڑا شگاف پیدا ہو گیا ہے میرے والد ابا عبداللہ اور ان کے ساتھی شہید کر دیے گئے۔ ان کی خواتین اور بچوں کو قیدی بنا لیا گیا۔ ان کے سر اقدس کو نیزے پر بلند کر دیا گیا۔ ان کو شہر بہ شہر پھرایا

---

[1] لہوف ص ۱۱۹

Marfat.com

گیا۔ یہ وہ مصیبت عظیم ہے جس کی کوئی نظیر نہیں، تم میں سے کون لوگ ہیں جو ان کی شہادت پر خوش ہوں گے اور وہ کون سے دل ہیں جو ان کے غم میں ملول نہ ہوں گے اور کون سی آنکھ ہے جو اشکبار نہ ہو گی۔

اے گروہ مردم، ہمیں منتشر و پریشان کر دیا گیا۔ وطن سے دور ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیا گیا گویا ہم کافر اور دین سے خارج ہیں۔ اگرچہ ہم نے کوئی گناہ نہ کیا تھا۔ ہم محرمات تو کیا، مکروہات کے مرتکب بھی نہ ہوئے تھے۔ ہم نے دین کی بنیادوں کو کوئی نقصان نہ پہنچایا تھا۔ ہمارے آبا نے بھی ایسی مشکلات برداشت نہیں کیں اور یہ سب کچھ (دشمنوں کے لیے) دھوکہ تھا۔ خدا کی قسم، اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان (دشمنوں) کو ہم سے جنگ کا حکم دیتے تو وہ اس کے علاوہ اور کوئی کام نہ کرتے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا تعالیٰ کی طرف سے ہم پر یہ مصیبت کتنی عظیم، دردناک، طاقت سوز، تلخ اور دشوار تھی۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان شدید مشکلات و مصائب برداشت کرنے پر اجر عظیم عطا فرمائے۔ وہ ذات قادر و توانا ہے وہی ظالموں سے مظلوموں کا انتقام لینے والی ہستی ہے[1]۔

جناب سید سجاد علیہ السلام نے اس خطبے میں واقعہ کربلا کی تفاصیل اور قاتلان امام حسین علیہ السلام کے وحشی پن اور ظلم و ستم سے مسلمانان مدینہ کو آگاہ فرمایا۔ آپ نے دشمن کی ذلت و پستی اور خاندان نبوت کی سربلندی و سرفرازی کو اظہر من الشمس بنا دیا۔ تاکہ یہ مقدس مشن کائنات کے بحر ناپیدا کنار میں اپنا مقام بنا لے۔ شہیدان راہ حق اور شعلہ بیان خطبہ گروں کی شخصیتیں صفحات تاریخ پر ہمیشہ ہی درخشاں و تابندہ رہیں۔

امام چہارم کا کلام تکمیل کو پہنچا اور اہل بیت رسالت علیہم السلام اپنے اپنے گھروں میں

---

[1] لہوف ص ۱۲۱-۱۲۲

Marfat.com

داخل ہوئے۔ راہِ حق میں اپنا ہدیۂ جان پیش کرنے کا اعزاز امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھی شہداء کے لیے صفحاتِ تاریخ پر ثبت ہو گیا اور دشمن کے حصے میں ابدی ذلت و رسوائی آئی۔

کیا یزید قتلِ امام حسین علیہ السّلام سے بیخبر اور ناخوش تھا؟

اربابِ تاریخ اور مقاتل نویسوں نے لکھا ہے: جب خانوادۂ نبوت کے اسیروں کو شام لے جایا گیا اور حادثۂ کربلا کو یزید کے گوش گزار کیا گیا تو اس نے گردن جھکا کر سوچنا شروع کر دیا اور پھر کہا: اگر تم حسین علیہ السلام کو قتل نہ کرتے تو بھی میں تمہاری اطاعت گزاری سے خوش ہو جاتا، اگر میں تمہاری جگہ وہاں ان کے روبرو ہوتا تو میں انھیں قتل نہ کرتا اور ان سے چشم پوشی کرتا[1]۔ یہ بھی مذکور ہوا ہے کہ یزید نے واقعہ کربلا جب سنا تو کہا: مجھے نہ تو اباعبداللہ علیہ السّلام کے خروج کا علم ہے نہ ان کے مارے جانے کی اطلاع[2]۔

اس قسم کی روایات شیعہ اور سنّی دونوں قسم کے مؤرخین نے نقل کی ہیں۔ اسی بنا پر بعض لوگ یزید کو اس سلسلہ میں ذمہ دار نہیں سمجھتے اور اس کو اس گناہ کبیرہ سے مبرّا گردانتے ہیں۔ وہ خود بھی اپنے آپ کو اس سے بری اور ابن مرجانہ کو گناہ گار سمجھتا تھا۔

اس کے برعکس دوسرا گروہ ابن زیاد کی ان تمام بداعمالیوں کو یزید کے احکام کے مطابق سمجھتا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اس کے حکم کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔

اب ہمیں دیکھنا ہے کہ حقیقت کس طرف ہے؟ کیا یزید کو کیے کرائے گناہ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری ابن مرجانہ پر ہے؟ یا ان تمام مظالم کا ارتکاب حکم یزید سے کیا گیا ہے؟ اور ابن زیاد نے صرف اس کے احکام پر عمل کروایا ہے؟ ہم معتبر مآخذوں

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۴۰

[2] الامامہ والسیاسۃ جلد ۲ ص ■

سے دستیاب روایات کا ذکر یہاں کریں گے تاکہ اصل حقیقت واضح ہو اور ... ان دونوں مکاتب فکر میں سے حق پر کون ہے۔

۱۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم یعقوبی اپنی مشہور اور مستند تاریخ میں لکھتے ہیں: جب حسین ابن علی علیہما السلام مکہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئے تو یزید نے اپنے حاکم ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسین علیہ السلام اہل کوفہ کی دعوت پر مکہ سے کوفے کی طرف محو سفر ہیں۔ تیرے اور تیرے شہر کے لیے یہ بڑی آزمائش ہے۔ اگر تو حسین (علیہ السلام) کو قتل کر دے تو کیا ہی اچھا ہو، ورنہ جان لے کہ میں تجھے تیرے دادا عبید کے نسب کی طرف لوٹا دوں گا۔[۱]

۲۔ عزالدین ابن اثیر نے تاریخ کامل میں مسافر بن شریح سے روایت درج کی ہے کہ یزید کی ہلاکت اور بصرہ میں بغاوت کے بعد میں ابن زیاد کو شام لے گیا۔ راہ میں میرے سوال کے جواب میں اس نے کہا: میں نے حسین (علیہ السلام) کو اس لیے شہید کیا کہ یزید نے مجھ کو اپنی یا حسین (علیہ السلام) کی ہلاکت میں سے ایک کو انتخاب کرنے کا حق دیا تھا۔ میں نے ان کے قتل کو منتخب کر لیا۔[۲]

۳۔ ابن صباغ مالکی، ابن طلحہ شامی اور سید مومن شبلنجی اور دوسرے لوگوں نے نقل کیا ہے کہ ابن زیاد نے جب امام حسین علیہ السلام کے ورود کربلا کی اطلاع پائی تو مندرجہ ذیل مضمون کا خط انھیں ارسال کیا:

> امیر المومنین یزید نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس وقت تک نہ آرام سے سوؤں اور نہ ہی سیر ہو کر کھانا کھاؤں جب تک آپ یزید کی حکومت کو تسلیم نہ کر لیں ورنہ آپ کو قتل کر دیا جائے۔ والسلام[۳]

---

[۱] تاریخ کامل ج ۳ ص ۳۲۴ واقعات سال ۶۴ ہجری۔ تاریخ طبری میں اس واقعہ میں رد و بدل کیا گیا ہے۔ عبدالوہاب نجار نے حاشیہ کامل میں اس پر اعتراض کیا ہے۔

[۲] الفصول المہمہ ۲۰۱۔ مطالب السؤول ص ۷۵۔ نور الابصار ص ۱۲۹

[۳] عقد الفرید ۲ ص ۲۱۰

۴- ابن عبد ربہ اندلسی عقد الفرید میں لکھتا ہے: امام حسین علیہ السلام حکومت یزید سے ناخوش اور ناراض عازم کوفہ ہوئے۔ یزید نے اس کی اطلاع موصول ہونے پر ابن زیاد کو لکھا مجھے خبر ملی ہے کہ حسین علیہ السلام کوفے کی طرف روانہ ہو چکے ہیں۔ اب تم دونوں میں سے ایک راہ اختیار کر لو یا تو سعی و کوشش کرو اور اپنی حکومت کو باقی رکھو، نہیں تو غلاموں کی سی صورت اختیار کر لو۔ ابن زیاد نے اس خط کو پانے کے بعد امام علیہ السلام کو شہید کر کے ان کا سر مبارک یزید کے پاس بھیج دیا[۱]۔

۵- سبط ابن جوزی لکھتے ہیں: واقعۂ کربلا کے بعد یزید نے ابن زیاد کو شام بلایا اور اسے بہت سا مال و دولت اور بے بہا و بیش قیمت تحایف سے نوازا۔ اور اس کو اتنا تقرب بخشا کہ اپنے حرم میں اسے داخلے کی اجازت دی۔ ایک رات وہ حالت نشہ میں جبکہ ابن زیاد اس کی دائیں طرف بیٹھا ہوا تھا، ساقی مجلس کو مخاطب کر کے کہ رہا تھا: ؎

اسقنی شربہ تروی مشاشی	ثم مل فاسق مثلہا ابن زیاد
صاحب السر والامانۃ عندی	ولتسدید مغنمی وجہادی
قاتل الخارجی اعنی حسیناً	ومبید الاعداء والحساد[۲]

یعنی مجھے وہ جام شراب پلا کر جو میری نرم ہڈیوں کو سیراب کر دے۔ ابن زیاد کو بھی ایسا ہی جام دے۔ یہ میرا رازدار اور با اعتماد ساتھی ہے۔ میری خلافت کی بنیاد اس کے ہاتھوں استوار ہوتی ہے۔ یہی ہے جس نے باغی حسین (علیہ السلام) کو قتل کیا اور میرے دشمنوں اور بدخواہوں کو تباہ و برباد کر دیا۔

قارئین کرام خود ہی انصاف سے کام لیں کہ کیا ان تمام شواہد مذکورہ کے بعد بھی یزید کا دعوائے صحیح گردانا جا سکتا ہے؟ کہ اسے امام حسین علیہ السلام کے علم بغاوت بلند کرنے اور

۱۔ عقد الفرید ۲ صفحہ ۲۱۸

۲۔ تذکرہ ص ۱۴۲ باب ۹۔ شعر اول و دوم مروج الذہب مسعودی میں بھی نقل کیے گئے ہیں۔

Marfat.com

ان کی شہادت کی کوئی اطلاع نہیں اور حادثہ کربلا اس کی آگاہی کے بغیر ہی وقوع پذیر ہوا ہے۔ اگر وہ ابن زیاد کی جگہ ہوتا تو امام علیہ السلام کو شہید نہ کرتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر یزید کی یہ باتیں سچ ہیں تو اس نے ابن زیاد کو معزول کیوں نہ کر دیا؟ اور اس کو سزا کیوں نہ دی؟ اس کو اپنا ہمراز و امین کیوں کہا اور اس قدر مال و دولت اور تحائف سے اُسے کیوں نوازا؟

اگر وہ واقعۂ کربلا سے بے خبر تھا اور اس سے ناراض و ناخوش تھا تو اس نے امام علیہ السلام کے سر مُبارک کو دفن کیوں نہ کر دیا؟ اور آپ کی شہادت پر فخر و مباہات کا اظہار کیوں کیا؟ اس نے آپ کی شہادت کو اپنے بدر کے قاتلوں کا انتقام شمار کیا اور اپنی چھڑی کو آپ کے دندان مبارک پر کیوں مارا؟ آخر یہ سب اس نے کیوں کیا؟

یزید نے ابن زیاد پر لعنت کی اور اس سے بیزاری کا اظہار کیا۔ پھر امام زین العابدین علیہ السلام سے معذرت کرتے ہوئے کہا: مجھے سانحۂ کربلا کی مطلق خبر نہیں ہوئی۔ ظالم حکمرانوں کی صدیوں سے یہی عادت اور سیاست ہے کہ وہ اپنے گناہوں کو دوسروں کے نامۂ عمل میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرتے ہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ ایک طرف ظالم و ستمگر حکمران اپنے غیر انسانی اعمال کو اپنے عمّال کے ذمے لگا دیتے ہیں اور دوسری طرف یہ مطیع و فرماں بردار عمّال بھی المأمور معذور کے مصداق اپنے آپ کو بے جرم و بے خطا اور ظلم و ستم سے مبرّا ظاہر کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے حکم سے شہدائے کربلا کو شہید کروانے کے بعد مناسب یہی سمجھا کہ اپنے آپ کو بے گناہ ظاہر کرے اور کہے: مجھے تو اس واقعے کی کوئی خبر نہیں، مرجانہ کے بیٹے نے میرے حکم کے بغیر ہی یہ سب کچھ کیا ہے۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں: راویوں نے لکھا ہے کہ یزید اپنے آپ کو ان حالات میں حسین علیہ السلام کے قتل سے بری سمجھتا تھا اور اس کا ذمہ دار ابن زیاد کو کہتا تھا۔ لیکن جیسا کہ ہم جانتے ہیں اس کو کوئی سزا نہ دی گئی۔ اس کے اختیارات میں کوئی کمی نہیں کی گئی۔ اس

سے قبل معاویہ نے بھی حجر بن عدی کو بے جرم و بے خطا قتل کروانے کے بعد اس کی ذمہ داری زیاد پر ڈالتے ہوئے کہا تھا: سمیہؓ کے بیٹے (زیاد) نے مجھے اس کام پر مائل کیا تھا۔[1]

عباس محمود عقاد لکھتے ہیں: حسین علیہ السلام کے تمام خاندان کو ختم کرنے کا پروگرام اس طرح وضع کیا گیا تھا کہ یزید عملی طور پر اس میں کوئی حصّہ نہ لے، بلکہ اپنے عمّال و حکام کے وسیلے سے اس میں ہاتھ ڈالے تاکہ جب چاہے اس بدنامی کے داغ سے خود کو بچا سکے۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ تمام مورخین کے بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ تاریخ کا دامن ایسے کسی واقعے سے خالی ہے کہ یزید نے اپنے عمّال یا امرا اور سپہ سالاروں یا لشکریوں میں کسی کو کربلا میں توڑے جانے والے مظالم کی بنا پر سرزنش کی ہو یا سزا دی ہو۔ بلکہ اس کی حکومت کا نظام امرا اور لشکریوں کے انھی ظالمانہ طور طریقوں پر چلتا رہا جو کربلا میں اختیار کیے گئے تھے۔[2]

اس دور کے لوگوں پر مقدس حسینی مشن کے اثرات

امام حسین علیہ السلام نے اپنے اعزا و اقارب اور اصحاب باوفا کے ساتھ روز عاشورا جام شہادت نوش کیا اور اہل بیت علیہم السلام قید و بند کی مصیبت میں گرفتار ہو گئے۔ یہ سب کچھ ایک ہی دن میں ہو گیا۔ مسلمان شہروں میں اپنی زندگی کے معمولات پورے کر رہے تھے۔ خلافت نے اس کی اطلاع گرد و نواح میں لوگوں کو اس لیے دی کہ وہ اس سے عبرت حاصل کریں اور حکومت کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں نہ لائیں اور یہ جان لیں کہ حکومت کے خلاف تحریک چلانیوالے خواہ ان کا قائد حسین ابن فاطمہ (علیہا السلام) ہی ہو، فتنہ پرور اور مفسد سمجھے جائیں گے۔ ان لوگوں سے امن عامہ کو خطرہ لاحق ہو گا۔ حکومت کا فرض ان کی سرکوبی ہے اور وہ اس فتنہ

---

[1] علی و دو فرزندش ص ۹۸

[2] ابوالشہداء ص ۱۹۴-۱۹۵ ترجمہ معزی

کے خاتمے کی کوشش میں حق بجانب ہے۔

اس حساب سے تو امام حسین بن علی علیہما السلام مغلوب و شکست خوردہ اور ان کے بالمقابل یزید کامیاب و فاتح شمار ہوگا۔ لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہوا بلکہ اس نے تاریخ کا ایک نیا باب لکھدیا۔ اس کے اثرات بڑی تیزی اور سرعت سے دور دور تک پھیل گئے جیسے ایک موج طوفانی سمندر میں دور تک پھیل جاتی ہے۔ ان حیران کن تیز رفتار اثرات نے ان تصورات اور غلط اندازوں کو درہم برہم کر دیا۔ اور بالآخر مکمل و قطعی کامیابی امام حسین علیہ السلام کے لیے اور ابدی ذلت و رسوائی اور شکست یزید کے لیے محسوب ہونے لگی۔ اور یہ حقیقت اس قدر واضح و روشن ہوئی کہ کسی کے لیے اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

ولینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وأتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر۔ وللہ عاقبۃ الامور۔ (سورہ حج آیۃ ۴۰،۴۱)

جو لوگ خدا کی مدد کرتے ہیں تو خداوند تعالیٰ ان کی مدد ضرور کرتا ہے اور وہ توانا و قوی ہے۔ خدا کے مددگار وہ لوگ ہیں کہ اگر دنیا میں انھیں قدرت اور شان و شوکت دے دی جائے تو وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لوگوں کو اچھے کاموں کی دعوت دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور تمام کام خدا کے حکم سے انجام پاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سید الشہدا علیہ السلام ترویج دین، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فروغ کے لیے سر بکف میدان کربلا میں آئے اور شہید ہو کر دین الٰہی کی مدد کی۔ ظاہر ہے اپنے وعدے کے مطابق خدا نے بھی ان کی مدد فرمائی اور راہِ حق میں ان کی اس قربانی کو بارآور کیا۔ امام عالی مقام کی کامیابی و کامرانی اس احترام کا نتیجہ ہے جو انسانی فطرت کو حق اور حقیقت کے سلسلے میں ودیعت کیا

کیا گیا ہے۔ خدا پرستی عدل و انصاف، عمل، عظمت، عزت نفس، غیرت مندی اور انسان دوستی وہ حقائق ہیں جن کا احترام انسان کا ضمیر ہمیشہ سے کرتا آیا ہے اور کرتا رہے گا۔

آج تک دُنیا کی کسی قوم کو کسی سیہ کار اور ظالم وجابر انسان کی قدردانی اور اس سے محبت اگر کرتے ہوئے نہیں دیکھا گیا! اور اگر لوگوں کے سامنے کسی ایسے انسان کی جھوٹی تعریف کی جائے اور وہ بھی اس سے محبت اور اس کا احترام کرنے لگیں تو یہ اس سبب سے ہوتا ہے کہ لوگ اس جھوٹے پراپیگنڈے کے زیر اثر اس (ظالم وجابر) کو اچھائیوں اور خوبیوں کا حامل سمجھنے لگتے ہیں حقیقت میں یہ احترام اور توصیف ان اچھی عادات کے لیے ہوتی ہے جن کا لوگوں کو اس شخص کی نسبت گمان ہوتا ہے۔ انسان کو اس معاملے میں تمیز کرنے یا فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں ہوتا، بلکہ انسان کی فطرت اور وجدان کا تقاضا ہوتا ہے جو قدرت کی طرف سے اسے ودیعت کی گئی ہے

امام حسین علیہ السلام کی فتح وکامرانی باطل پران کے غلبے اور یزید کی حقیقی شکست نے اسی سبب جنم لیا۔ کیونکہ آپ ایمان وعدل اور اعلیٰ انسانی صفات کے مقام بلند پر فائز تھے جہاں زوال کا گزر نہیں اور یزید ذلت و فرومائیگی اور ظلم وستم کی وجہ سے اس پست ترین مقام پر تھا کہ انسانی ضمیر کسی صورت بھی اس کی فتح کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔

یہاں ہم سیدالشہداء کے مشن کے اثرات کا جائزہ لیں گے۔ اور عالم بشریت کے لیے جو درس اس میں مضمر ہے اس کی وضاحت کریں گے۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ جب ہم پانی کو آگ پر رکھتے ہیں تو کھولنے سے پہلے اس کی تہ میں سے بلبلے اوپر کی طرف آتے ہیں اور سطح پر آتے آتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس طرح پانی آہستہ آہستہ جوش کھانے لگتا ہے۔

کسی معاشرے کی ظالم حکومت کے خلاف بغاوت اسی کی مثال ہے۔ اوّل اوّل حکومت کے اقدامات پر تنقید، ناپسندیدگی کا اظہار، عدل وانصاف کا مطالبہ اور دادخواہی تہ دیگ میں اُٹھنے والے بلبلوں کی مانند ہیں۔ اطرافِ سلطنت سے ہونے والے یہ مطالبات آہستہ آہستہ شدید ہوتے جاتے ہیں اور بالآخر معاشرے کی دیگ اُبلنے لگتی ہے۔ اور ظلم کی طاقتوں

Marfat.com

اس قدر جھنجھوڑا جاتا ہے کہ وہ معاشرے سے یوں نکل جاتے ہیں جیسے اُبلتی ہوئی دیگ سے بے مصرف جھاگ باہر گر جاتی ہے۔

امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کے بعد فوراً ہی احتجاج کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ بنی امیہ کی منحوس سلطنت کے اراکین کو ان کے مقام و مرتبے سے گرانے کا پیش خیمہ تھیں۔ سنان بن انس ابھی قتل گاہ امام عالیمقام سے باہر نہ نکلا تھا کہ اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا: تو نے حسین ابن علی۔ رسولؐ خدا کی بیٹی فاطمہ علیہا السّلام کے فرزند کو قتل کیا ہے۔ تو نے اس ہستی کا رشتۂ جسم و جاں منقطع کیا ہے کہ جو تمام عرب میں افضل ترین ہے۔ جو یہاں بنی امیہ کو اس کے اقتدار سے محروم کرنے آیا تھا۔ اب تو اپنے آقاؤں کے پاس جا اور اپنا انعام لے۔ جان لے کہ اگر وہ اپنے تمام تر خزانوں کو قتل حسین (علیہ السلام) کے انعام میں تجھے دے دیں تو بھی بہت کم ہوگا۔[۱]

اس قسم کی باتوں سے ان کی ندامت اور پریشانی کا اظہار ہوتا ہے ورنہ انھیں امام علیہ السلام کی توصیف کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور نہ ہی ان کے لیے عرب کی عظیم ہستی اور نواسۂ رسولؐ کے الفاظ استعمال کرنے کی احتیاج۔

جس وقت اہل لشکر تاراجی خیام اہلبیت علیہم السلام کے لیے بڑھے تو بنی بکر بن وائل کی ایک عورت جو اپنے شوہر کے ساتھ لشکر ابن سعد میں موجود تھی، اس دلخراش منظر کی تاب نہ لاسکی اور تلوار اُٹھا کر خیام کی طرف دوڑ پڑی۔ وہ چلّا رہی تھی۔ اے آل بنی بکر بن وائل کیا تمھارے لیے جائز ہے کہ تم دیکھتے رہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کے خیمے لوٹ لیے جائیں۔ حکومت صرف خدا کے لیے ہے۔ کوئی ہے؟ جو فرزند رسولؐ کے خونِ ناحق کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑا ہو۔ اس کے شوہر نے اس کو پکڑ لیا اور اس کو اس کے خیمے میں پہنچا دیا۔[۲]

---

[۱] تاریخ طبری جلد ۴ ص ۳۴۷ کامل ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۹۵

[۲] لہوف ۷۸

خولی بن یزید روز عاشورا وقت عصر ہی امام عالیمقام علیہ السّلام کا سر مبارک لے کر کوفے روانہ ہو گیا۔ تاکہ ابن زیاد کے پاس لے جائے۔ لیکن وہ تاخیر سے پہنچا۔ رات ہو جانے کی وجہ سے محل کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ اور ایک جگہ رکھ کر بستر پر لیٹ گیا۔ اس کی بیوی نے پوچھا: آج کے حالات کیسے رہے؟ اس نے کہا: حسین (علیہ السّلام) کا سر لے آیا ہوں۔ اتنا انعام اور معاوضہ لوں گا کہ ہمیں زندگی بھر کے لیے کسی قسم کی احتیاج نہ رہے گی۔ اس عورت کا دل لرز اٹھا اور اس نے کہا افسوس ہے تجھ پر..... فرزند پیغمبر (علیہما السلام) کا سر لے آیا ہے؟ خدا کی قسم میں کبھی اس تکیے پر تیرے ساتھ سر نہ رکھوں گی۔ یہ کہا اور بستر سے اٹھ گئی۔[1]

زید بن ارقم صحابی نے جب ابن زیاد کو سر مبارک امام علیہ السّلام کے ساتھ بے ادبی کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے فریاد کرتے ہوئے کہا: حسین علیہ السلام کے دندان مبارک سے اپنی چھڑی ہٹا لے۔ بخدا میں نے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان پر بوسے دیتے دیکھا ہے۔ جب وہ دربار زیاد سے باہر نکل رہے تھے تو انھوں نے کہا: اے قوم عرب! آج کے بعد تم اپنی آزادی کھو بیٹھو گے اور غلاموں کی طرح رہو گے۔ تم نے فرزند فاطمہ (سلام اللہ علیہا) کو قتل کر دیا ہے اور ابن مرجانہ کو اپنا امیر بنا لیا ہے۔ تم دیکھ لو گے کہ وہ تمھارے اشراف کو کیسے قتل کرے گا اور مفسدوں اور شریروں کو اپنی خدمت پر مامور کر کے انھیں بداعمالیوں کا موقع دے گا۔[2]

کربلا کے خونچکاں واقعے پر لوگوں کے ابتدائی ردعمل کے یہ مختلف نمونے تھے۔ اس کی ابتدا امام علیہ السّلام کے دشمنوں سے ہوئی اور پھر اس میں رفتہ رفتہ وسعت ہوتی گئی۔

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۴۸
[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۳۴۹

Marfat.com

ابن زیاد واقعۂ کربلا سے لوگوں کو مطلع کرنے کے لیے کوفے کی جامع مسجد میں گیا اور منبر پر بیٹھ کے لوگوں سے کہا: الحمد لله الذی اظهر الحق واهله ونصر امیر المؤمنین یزید وحزبه وقتل الکذاب ابن الکذاب وشیعته[۱]

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے حق اور اہل حق کو فتح دی۔ امیر المؤمنین یزید اور اس کی جماعت کی مدد کی اور کاذب ابن کاذب کو اس کے ساتھیوں اور پیروؤں کے ہمراہ ہلاک کر دیا۔

ایک محقق کے مطابق اگر اس موقع پر تاریخ ابن زیاد کا تھوڑا سا بھی ساتھ دے دیتی اور اسی مجلس میں اس کو جواب نہ دیا جاتا تو ممکن ہے یہ تقریر جو مسلمانوں کے امیر نے مسلمانوں کی مسجد میں مسلمانوں کی موجودگی میں کی تھی ایک مدت تک لوگوں کو شک و شبہ میں مبتلا رکھتی ..... کہ شاید حقیقت ایسے ہی تھی ..... اور حق اس شخص کے ساتھ ہی تھا جس نے خانۂ خدا میں بالائے منبر سے اس واقعہ پر اس شد و مد سے خدا کا شکر ادا کیا لوگ سوچتے کہ حسین ابن علی (علیہما السلام) کو قتل کر کے اچھا کام کیا گیا ہے۔ لیکن تاریخ نے یہاں بھی اپنا فرض ادا کیا۔ اور اس سے پیشتر کہ ایک شخص بھی مسجد سے باہر جاتا ایک جاں نثار اور سر بکف مسلمان سے اس کا جواب دلوا دیا[۲]

ابن زیاد اپنی بات جاری رکھنا چاہتا تھا کہ عبداللہ بن عفیف ازدی جو شیعان امیر المؤمنین علی بن ابیطالب علیہ السلام میں سے تھے، اٹھ کھڑے ہوئے اور باآواز بلند کہا: یا ابن مرجانه ان الکذاب من الکذاب انت وابوک والذی ولاک وابوه یا ابن مرجانه اتقتلون ابناء النبیین وتکلمون بکلام الصدیقین[۳]

---

[۱] تاریخ طبری ج ۴ ص ۲۲۹۔ ارشاد مفید ص ۳۵۱۔ عربی متن ارشاد مفید سے نقل کیا گیا۔
[۲] بررسی تاریخ عاشورا ص ۱۲۴
[۳] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۱ - ارشاد مفید ص ۲۲۹

Marfat.com

اے ابن مرجانہ تو جھوٹا ہے تیرا باپ بھی جھوٹا ہے اور وہ بھی جس نے تجھے حکومت عراق دی ہے اور اس کا باپ بھی۔ مرجانہ کے بیٹے، کیا تم اولاد پیغمبر (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کو قتل کرنے کے بعد حق گوئی اور حق کی ہمراہی کا دعویٰ کرتے ہو؟ ابن زیاد نے کہا اسے گرفتار کر لو۔ عبداللہ کے قبیلے کے جوان اس کی حمایت میں کھڑے ہو گئے اور ان کو جلادوں سے آزاد کروا کر لے گئے۔ ابن زیاد کا عوام سے انتہائی سخت اور ظالمانہ سلوک اس کا متقاضی تھا کہ ایسے واقعات دوبارہ وقوع پذیر نہ ہوں۔ چنانچہ اس نے عبداللہ کے قتل کا حکم دے دیا اور رات کو شہید کر دیا گیا[1]

لیکن وہ اپنا فرض پورا کر چکے تھے اور اپنی حق گوئی سے حالات کو بنی امیہ کے زوال کے لیے تیزی سے سازگار بنانے میں اپنا کردار ادا کر چکے تھے۔

جب امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے دربار میں لے جایا گیا تو یحیٰی بن حکم نے جو مروان بن حکم کا بھائی تھا شدت غم و اندوہ سے نوحہ خوانی شروع کر دی اور کہا:

لھام بجنب الطف ادنی قرابۃ	من ابن زیاد العبد ذی الحسب الوغل
سمیۃ امسی نسلھا عدد الحصی	ولیس لآل المصطفیٰ الیوم من نسل[2]

وہ مقتولین جو طف کی سرزمین (کربلا) پر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ہمارے قرابت دار ہیں۔ بہ نسبت زیاد کے بیٹے کے جو ہمارا غلام ہے۔ اور جسے جھوٹ موٹ بنی امیہ کے ساتھ نسبت دی گئی ہے۔ عجبا! سمیہ کی نسل تو ریگ صحرا کی طرح زیادہ ہو جائے لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نسل نیست و نابود ہو جائے۔ یزید نے اس اموی نوحہ خواں کے سینے پر ضرب لگاتے ہوئے کہا: خاموش ہو جا۔

یہی یحیٰی تھا جس نے امام حسین علیہ السلام کے سر مبارک لانے والوں سے پوچھا، تم

---

[1] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۱، ارشاد مفید ص ۲۲۹

[2] " " " ص ۳۵۲، " " ۲۳۰ میں دوسرے شعر کا آخری مصرع یوں ہے — "وبنت رسول اللہ لیس لھا نسل"

Marfat.com

نے کیا کارگزاری دکھائی ہے؟ بولے، ان کے اٹھارہ فرد ہمارے شہر کے قریب آئے ہوئے تھے ان سب کو ہم نے قتل کر دیا۔ یہ ان کے سر ہیں اور یہ ان کی عورتیں۔ یحییٰ نے کہا: تم روز قیامت میں پیدار ال محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم ہو گئے ہو۔ آج کے بعد میں کسی کام میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔ یہ کہ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور وہاں سے چلا گیا[1]۔

یزید کی بیوی ہند بنت عبد اللہ عامر نے جب سُنا کہ امام علیہ السّلام کا سر مقدس یزید کے سامنے لایا گیا ہے تو وہ شدتِ غم سے ہراساں ہو کر مجلس یزید میں آئی اور کہا: اے امیر المومنین! کیا یہ فاطمہ بنت رسولؐ کے فرزند حسین (علیہ السلام) کا سر ہے؟ کہا۔ ہاں۔ اس پر گریہ کر[2]۔

مصری مصنف عباس محمود عقاد لکھتا ہے:

سانحۂ کربلا کو ابھی زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ یزید کو اس کے خاندان کے افراد نے ہی سب سے زیادہ بُرا بھلا کہا۔ اس نے دیکھا کہ یحییٰ برادر مروان بن حکم بھری مجلس میں اُٹھ کھڑا ہوا اور نوحہ خوانی شروع کر دی۔ پھر اس نے اس کے فرمانبردار اور جاں نثار غلام ابن زیاد پر سب کے سامنے زبان طعن دراز کی۔ یزید نے دیکھا کہ اس کی عورتوں اور فرزندوں نے اس المناک واقعے کو سننے کے بعد رونا دھونا شروع کر دیا ہے اور ان کی آہ و زاری نے اس کو سکون و آرام سے محروم کر دیا ہے۔ سب سے بُری حالت میں اس نے اپنے فرزند دلبند اور جانشین معاویہ کو دیکھا جس کی آنکھیں اس وقت سے خشک نہ ہوئی تھیں جب سے اس نے کربلا کا دلخراش واقعہ سُنا تھا۔ اگر اس سے اس کے نالہ و شیون کا سبب پوچھا جاتا تو وہ یہ بہانا بنا دیتا کہ وہ کربلا کے شہیدوں کے لیے نہیں بلکہ اپنے اموی آبا کے لیے روتا ہے[3]۔

شیخ مفید اور طبری نے نقل کیا ہے کہ جب ابن زیاد نے سید الشہدا علیہ السلام کا سر مبارک یزید کے پاس بھیجا تو عبد الملک بن حارث کو حکم دیا کہ وہ مدینہ روانہ ہو جائے اور حاکم مدینہ عمرو بن سعید عاص کو حسین (علیہ السلام) کے قتل کا مژدہ سنائے۔ عبد الملک نے معذرت کی اور کہا بہتر ہے اسے

[1،2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۹

[3] ابوالشہداء صفحہ ۱۹۷ ترجمہ معزی

Marfat.com

اس سے معاف رکھا جائے۔ لیکن ابن زیاد نے اسے ڈرا دھمکا کر راضی کر لیا اور اس کی جوتی میں چند درہم رکھ کر کہا، بہانہ سازی نہ کرو۔ جلد روانہ ہو جاؤ۔ تاکہ تم سے قبل یہ خبر مدینہ نہ پہنچ سکے۔

عبدالملک کہتا ہے: جب میں مدینہ میں داخل ہوا تو قریش میں سے ایک شخص نے مجھے دیکھ کر اندازہ کر لیا کہ میں عراق سے آ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا: عراق سے کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا۔ خبر حاکم مدینہ کے لیے ہے اسی سے کہی جائے گی۔ (اس قریشی نے جان لیا کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے) وہ بولا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ حسین ابن علی علیہ السّلام شہید کر دیے گئے۔

جب میں عمرو بن سعید کے پاس گیا تو اس نے کہا: عراق سے کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا وہ خبر لایا ہوں جو امیر کو خوش حال کر دے گی۔ حسین ابن علی (علیہما السلام) قتل ہو گئے۔ اس نے کہا۔ جاؤ اور لوگوں کو اس کی اطلاع دے دو۔ میں باہر آیا اور لوگوں سے با آواز بلند کہا: حسین ابن علی (علیہما السلام) عراق میں قتل کر دیے گئے۔ خدا کی قسم! اس خبر سے زنان بنی ہاشم کے گھروں سے اس قدر زور کی آواز گریہ بلند ہوئی کہ میں نے تمام عمر نہ سنی تھی۔۔۔۔ پس میں حاکم کے پاس آیا تو اس نے مجھے دیکھ کر اور زنان ہاشمی کے نالہ و فریاد کو سن کر ہنستے ہوئے کہا:

عجت نساء بنی زیاد عجة
کعجیج نسوتنا غداة الارنب[1]

زنان بنی زیاد نے آہ و فغاں کی جیسے ہماری عورتوں نے جنگ ارنب میں صبح حرب کی تھی۔ پھر کہا: ھٰذہ واعیة بواعیة عثمان۔ آج ہاشمی عورتوں کی گریہ و زاری اس نالہ و فریاد کا بدلہ ہے جو بنی امیہ کی عورتوں نے عثمان کی شہادت پر کیا تھا۔[2]

---

[1] یہ شعر عمرو بن معدیکرب کا ہے۔ ارنب کی جنگ بنی زبید اور بنی زیاد کے درمیان ہوئی تھی۔ تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۶
[2] تاریخ طبری ج ۴ ص ۳۵۶۔ ارشاد ص ۲۳۱-۲۳۲

Marfat.com

عمرو بن سعید حاکم مدینہ نے یہ بات طنز اور تشنیع سے کہی تھی۔ وہ خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ اس کے بعد وہ منبر پر چڑھ گیا اور لوگوں کو سرکاری طور پر شہادت امام علیہ السّلام کی خبر دی اور یزید کے لیے دعائے خیر کی[۱]۔ اس اموی حکمران نے طنز سے قطع نظر، شہادتِ عثمان کو بھی خاندان علی ابن ابیطالب کے ذمے لگایا۔ بہتر ہے اس کا جواب عباس محمود عقاد مصری مصنف سے سنیں:

وہ اپنی کتاب ابوالشہداء میں حاکم مدینہ کی اس طنز کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: اس طنز کا اطلاق حسین علیہ السلام پر کسی صورت میں نہیں ہوتا۔ کیونکہ آپ ہی وہ ہستی ہیں جنہوں نے عثمان اور ان کے افراد خانہ کو پانی پہنچانے اور دشمنوں سے ان کے دفاع کے لیے سعی و کوشش کی اور اس میں کئی ایک شدید ضربات آپ کو لگیں۔ حاکم مدینہ کی یہ باتیں احمقانہ طنز کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام کے طرز عمل اور اس کی طنز میں کوئی مناسبت نہیں[۲]۔

ابن زیاد نے عبدالملک کو بہت اصرار کے بعد مدینہ بھیجا تھا۔ حاکم مدینہ نے اس سانحہ کا اعلان انتہائی خوشی سے لوگوں کے سامنے کیا۔ اور زنان ہاشمی کے نالہ و شیون کا مذاق اڑایا۔ لیکن ابن زیاد کو معلوم تھا نہ حاکم مدینہ کو کہ وہ لوگوں کے دل میں کیسے بیج بو رہے ہیں اور کس انتشار و افتراق کے لیے زمین ہموار کر رہے ہیں؟

اس طرح اہل مدینہ شہادت امام علیہ السّلام سے واقف ہوئے۔ ہاشمی خواتین نے نوحہ خوانی شروع کر دی۔ دل اس صدمے سے پھٹ پڑے۔ ام لقمان بنت عقیل اپنی بہنوں کے جھرمٹ میں گھر سے باہر نکلیں وہ رو رو کر کہہ رہی تھیں:

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم سے پوچھیں گے کہ تم جو کہ اُمّتِ آخرالزماں ہو، میری رحلت کے بعد تم نے میرے خاندان سے کیا سلوک کیا؟ تم نے ان کی خواتین کو اسیر کر لیا۔ ان کے مردوں کو قتل کر دیا ہے۔ اور ان کو ان کے پاکیزہ خون میں نہلا دیا ہے۔ میری خیرخواہی کا کیا یہی بدلہ تھا کہ تم نے

---

[۱] ارشاد ص ۲۲۲

[۲] ابوالشہدا ص ۱۹۹ ترجمہ معزی

Marfat.com

میرے خاندان کے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا۔[1] شہر کی صورت حال بتدریج بدلتی گئی۔ مجالس عزا برپا ہوئیں۔ مرد بھی بنی ہاشم کی عورتوں اور مردوں کے ساتھ آہ وزاری میں شریک ہو گئے۔ یہ سلسلہ ابھی جاری تھا کہ امام سجاد علیہ السّلام اسیران کربلا کے ساتھ شام سے واپس آ گئے۔

طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

جب حسین علیہ السّلام پر ٹوٹنے والے مصائب کی خبر حجاز پہنچی تو لوگوں پر خصوصاً صالح اور نکوکاروں پر بہت گراں گزری۔ لوگ بیک دل اور بیک زبان ہو کر کہہ رہے تھے: یزید خدا تعالیٰ کے احکامات کی مخالفت میں بہت آگے نکل گیا ہے۔ اس کی اطاعت واجب نہیں بلکہ جب بھی ممکن ہو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کر دینا چاہیے۔ چنانچہ حجاز میں ابن زبیر کو مقبولیت حاصل ہوئی۔۔۔۔ یزید اس کوشش میں تھا کہ جس طرح اس نے حسین (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے نجات حاصل کی ہے اسی طرح ابن زبیر سے بھی چھٹکارا پا لے۔ اسی اثنا میں اسے مدینے کے حالات خراب ہونے کی خبر موصول ہوئی کہ لوگ اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں اور وہ کھلم کھلا اس کے خلاف باتیں کر رہے ہیں۔ یزید نے اپنے متعین کردہ حاکم کو لکھا کہ اہل مدینہ کا ایک نمائندہ وفد شام بھیجا جائے۔ جب یہ گروہ اس کے پاس آیا۔ اس نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ ہر فرد کو پچاس ہزار دینار بخشے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ جس کام کو ایک ہاتھ سے خراب کر چکا ہے دوسرے ہاتھ سے درست کرے گا۔ لیکن اہل مدینہ کے یہ نمائندے جب واپس آئے تو انھوں نے لوگوں کو صاف صاف بتایا کہ ہم ایک فاسق و فاجر کے پاس سے آئے ہیں جو شراب پیتا ہے کبھی نماز نہیں پڑھتا۔ نفسانی اور شہوانی خواہشات کے پیچھے چلتا ہے۔ اس کی محفل میں ساز

---

[1] ارشاد مفید ص ۲۳۲

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم — ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی — منھم اساری وقتلی ضرجوا بدم

ماکان ھذا جزائی اذ نصحت لکم — ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

Marfat.com

بجائے جاتے ہیں اور کنیزیں گا نا گاتی ہیں۔

یہ باتیں مکے پہنچیں تو ابن زبیر نے اس کی برائیوں میں اور اضافہ کر کے لوگوں کو بتائیں۔ اس کے بعد اہل مدینہ نے شورش کر دی اور یزید کے مقرر کردہ حاکم شہر کو باہر نکال دیا۔[۱]

یزید کے خلاف بغاوت کرنے والوں کا رہنما عبداللہ بن حنظلہ تھا۔ جس کو کثرت زہد و تقویٰ کی وجہ سے "راہبِ اُمّت" کا لقب دیا گیا تھا۔ اس نے لوگوں سے کہا:

اے گروہِ مردم! خدائے واحد سے ڈرتے رہو، خدا کی قسم، ہم یزید کے خلاف بغاوت نہ کرتے، اگر ہم اس بات سے نہ ڈرتے کہ ہم پر آسمان سے سنگ باری ہوگی۔ یزید وہ شخص ہے جس کی دست بردِ شہوت سے اس کی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں بھی محفوظ نہیں۔ وہ شراب پیتا ہے۔ نماز نہیں پڑھتا بخدا، اگر ایک فرد بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں اکیلا ہی علم بغاوت کو بلند رکھوں گا اور خوشنودی خدا کے لیے اس سے دست کش نہ ہوں گا۔[۲]

یزید نے جو کہ ابھی حادثہ کربلا سے بھی نہ سنبھل سکا تھا، ایک ذلیل اور قتل و غارت کرنے والے شخص کو مدینے کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اس کا نام مُسلم بن عقبہ تھا۔ اسے حکم تھا کہ وہ انقلابیوں کو سرے سے ہی ختم کر دے۔ اور لوگوں کو یزید کی بیعت کی تجدید پر مجبور کرے۔ اور اگر وہ اس کے جواب میں حیل و حجت سے کام لیں تو تین دن کے لیے ان کا قتل عام کیا جائے۔ ان کا مال و دولت لوٹ لیا جائے۔ اور ان کی عزت و ناموس کو سپاہیوں کے لیے مُباح سمجھا جائے۔ یزید کا حکم تھا کہ اہل مدینہ سے کہا جائے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ وہ امیرالمومنین یزید کی بیعت کرتے ہیں اور اس کی بندگی و غلامی کا وعدہ کرتے ہیں تاکہ اُسے ان کی جان و مال اور ناموس پر حق تصرف حاصل رہے۔ اہل مدینہ

---

[۱] علی و دو فرزندش ص ۲۶۸ مترجمہ احمد آرام۔
[۲] الغدیر جلد ۱۰ ص ۲۵۶ نقل از تاریخ ابن عساکر۔

نے استقامت اختیار کی لیکن زیادہ دیر تک خونریز جنگ کی تاب نہ لاسکے۔ مسلم بن عقبہ نے ان کی شکست کے بعد شہر مدینہ پر حملہ کر دیا۔ ابن قتیبہ کے مہیا کردہ اعداد و شمار کے مطابق جانی نقصان کی تفصیل یہ ہے:

انصار و مہاجرین اور رؤسائے شہر میں سے (۱۷۰۰) ایک ہزار سات سو اور باقی اہالیان شہر میں سے (۱۰۰۰۰) دس ہزار نفوس مارے گئے۔ اس ہنگامے میں مارے جانیوالے بچوں اور عورتوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

اس لشکر کے سپاہیوں نے جس سیہ کاری اور وحشیانہ پن کا مظاہرہ کیا اس میں سے ایک واقعہ بطور نمونہ یہاں پیش کیا جاتا ہے۔ ایک سپاہی ایک انصاری کے گھر میں داخل ہوا۔ جس میں ایک عورت اور اس کے نوزائیدہ بچے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اس نے عورت سے پوچھا۔ کوئی مال و زر تمھارے پاس ہے؟ کہا۔ نہیں۔ خدا کی قسم ہمارے لیے کوئی چیز لشکریوں نے باقی نہیں چھوڑی۔ سپاہی بولا۔ بخدا! تمھیں میرے لیے کوئی نہ کوئی چیز لانا ہوگی ورنہ میں یہیں ابھی ابھی تمھیں اور تمھارے بچے کو قتل کر دوں گا۔ خوفزدہ عورت نے کہا۔ ہائے افسوس! یہ بچّہ تو ابن ابی کبشہ انصاری کا ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابھی عورت کی بات مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس ظالم نے ماں کی آغوش سے دودھ پیتے بچے کو چھین کر دیوار پر دے مارا اور اس کا ننھا سا سر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر زمین پر بکھر گیا۔[۱]

اموی حکمران چاہتے تھے کہ شہروں میں ہونے والی شورشوں کو ہر قیمت پر انتہائی سختی سے دبا دیا جائے۔ لیکن بتدریج قوت مدافعت ان میں کم ہوتی گئی اور بنی امیہ کی شان و شوکت زوال پذیر ہو گئی۔ ان کے ظلم و ستم اور وحشیانہ پن نے ابتر حالات کو اور دگرگوں کر دیا۔

---

[۱] ابزا الشہدا ص ۲۰۱، ۲۰۲ تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ یہ واقعہ تاریخ طبری، یعقوبی، کامل اور الامامہ والسیاسۃ میں نقل ہے۔

آتشِ انتقام

۶۴ھ میں کہ ابھی واقعہ کربلا کو چار سال بھی نہ ہوئے تھے، یزید ہلاک ہوگیا اور وارد جہنم ہوا۔ بنی امیہ کی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ توابین کی جماعت نے، جو کافی عرصے پہلے خفیہ طور پر تشکیل ہوئی تھی اور جس کا مقصد ظالموں کے خلاف بغاوت تھی، اپنی سرگرمیاں شروع کردیں۔ ابن زیاد جو ان دنوں بصرہ کا حاکم تھا، شرمناک طریقے سے فرار ہوکر شام کی طرف روانہ ہوگیا۔

بہت جلد مختار بن ابی عبیدہ ثقفی کی سربراہی میں ایک جماعت قائم ہوئی جس کا مقصد قاتلانِ شہدائے کربلا سے انتقام لینا تھا۔ لوگ اپنے گناہوں کی تکفیر اور امام حسین علیہ السلام کی معاونت میں ان سے جو کوتاہی ہوئی تھی اس کی تلافی کے لیے مختار کی حمایت پر آمادہ ہوگئے۔ کربلا میں ظلم وستم کرنیوالوں سے انتقام کی ابتدا ہوچکی تھی۔ خدا تعالیٰ نے دستِ انتقام کو ان پر مسلط کردیا۔ ان کو شکنجے میں کسنے اور ان کے قتل کو ان کے اعمال کا بدلہ شمار کیا گیا۔ مختار ثقفی نے عمر بن سعد اور اس کے بیٹے حفص کا سر قلم کردیا اور کہا میں نے امام حسین علیہ السلام کا انتقام عمر بن سعد سے اور علی بن الحسین علیہما السلام کا انتقام اس کے بیٹے سے لیا ہے۔ لیکن ان شہیدان باصفا نے جو مصائب و آلام برداشت کیے وہ ان ملاعنہ کے قتل کے مساوی نہیں ہوسکتے۔[1]

مختار نے امام علیہ السلام کے شیرخوار بچے کے قاتل حرملہ کو پکڑ لیا اور کہا: خدا کا شکر ہے کہ میں نے تجھے پکڑ لیا ہے۔ اس کے بعد اس کے حکم سے اس کے دونوں ہاتھ اور پیر کاٹ دیے گئے۔ اور پھر اس کو آگ میں جلا ڈالا۔[2]

---

[1] بحار ج ۴۵ ص ۳۲۷، الامامۃ والسیاستہ ج ۲ ص ۲۴

[2] بحار ج ۴۵ ص ۳۲۷

Marfat.com

جو آتشِ انتقام مختار کے ہاتھوں بھڑکی تھی اس نے معرکۂ کربلا کے تمام ظالموں کو اپنا لقمہ بنالیا نہ صرف ابن مرجانہ، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، خولی بن یزید بلکہ ان کے تمام ساتھی بھی کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔

عقاد مصری کے بقول: جس کسی نے بھی دستِ تعدی دراز کیا ہو، طعن و تشنیع کی ہو، مال و اسباب لوٹا ہو یا ایسا کام کیا ہو جس سے سانحۂ کربلا میں شرکت کا ثبوت ملتا ہو۔ تو اس کو وہ اس کی بداعمالیوں اور سیہ کاریوں کا دوگنا بلکہ چوگنا بدلہ دیتے تھے[۱]

وہ مزید لکھتے ہیں مختار اور ان کے ساتھی ان ظالموں کو سزا دینے میں اس قدر کوشش کرتے تھے کہ معاملہ قتل و غارت سے گزر کر گھروں کو ویران کرنے، جلانے اور جسموں کو نذرِ آتش کرنے تک پہنچ گیا۔ وہ فرار ہونے والوں کا تعاقب کرتے اور وہ جب بھی ہتھے چڑھتے تو انہیں گرفتار کر کے ان کے جرائم کی پاداش میں قتل کر دیتے۔ مختار اور ان کے ساتھیوں کے ذریعے ان ظالموں پر جو ایذائیں اور مشکلات اور گوناگوں مصائب روا رکھے گئے ان کو دادگری اور عدالت کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا[۲]

مختار نے ابن زیاد کا سر امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں مدینے بھجوا دیا۔ روایت ہے کہ سید الشہدا کی شہادت کے بعد سے آپ کے چہرہ مبارک پر کبھی تبسم نہ آیا تھا، لیکن اس روز ابن زیاد ملعون کے سر کو دیکھ کر فرمایا: "خدا تعالیٰ اُسے آتشِ جہنم میں مقام دے۔" اس کے بعد بہ طور شکرانہ اہلِ مدینہ میں پھل تقسیم کیا اور خانوادۂ عصمت و طہارت نے اس دن سوگ بڑھا دیا[۳]

مختار کے بارے میں تحقیق

شیخ ابو عمرو کشی نے اپنی کتاب "رجال" میں سدیر صیرفی کی امام محمد باقر علیہ السلام سے

۱، ۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۴ ط بیروت

۳۔ رجال کشی ص ۱۱۵، احوال مختار

Marfat.com

مروی یہ روایت درج کی ہے۔ مختار پر دشنام طرازی نہ کرو کہ اس نے ہمارے شہیدوں کے قاتلوں کو قتل کیا ہے اور ہمارے انتقام کے لیے کمربستہ ہو گئے۔ انھوں نے ہماری بیوگان کا نکاح کروایا۔ بیت المال میں سے وہ ہمارے خاندان میں تنگدستی و عسرت میں روپیہ تقسیم کرتا تھا۔[1] اسی مصنف نے حبیب خثعمی سے روایت کی ہے کہ امام صادق علیہ السّلام سے میں نے سُنا ہے کہ "مختار امام چہارم پر بہتان باندھتا تھا۔"

مسعودی نے لکھا ہے: "مختار نے جناب علی بن الحسین السجاد کو لکھا کہ وہ ان کی بیعت کرنا چاہتا ہے اور لوگوں کو انھیں امام تسلیم کرنے کی دعوت دینے کی خواہش رکھتا ہے۔" اس کے ساتھ اس نے خطیر رقم بھی امام علیہ السلام کی خدمت میں ارسال کی، لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور اس کے خط کا جواب بھی تحریر نہ فرمایا۔ مسجد نبوی میں اسے لوگوں کے سامنے دروغ گو اور فاجر کہا۔ اور فرمایا: یہ اس طریقہ سے حالات اپنے لیے سازگار بناتا ہے۔ مختار جب ان سے مایوس ہوا تو محمد حنفیہ کو خط لکھا اور اس سے بھی یہی مطالبہ کیا۔ لیکن جناب سید سجاد علیہ السلام نے محمد حنفیہ کو جواب دینے سے منع کر دیا۔ اور فرمایا: اس کے ظاہر اور باطن میں تضاد ہے۔[2]

مختار کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور علمائے شیعہ میں اس کے متعلق اختلاف رائے ہے۔ علامہ امینی نے کتاب "الغدیر" میں ان کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے: "علمائے بزرگ میں سے سید بن طاؤس، علامہ حلی، ابن داؤد، ابن نما، محقق اردبیلی، صاحب معالم، اور قاضی نور اللہ نے اس کو سراہا ہے۔ منتہی المقال میں ابو علی نے ان پر اعتراضات کے جوابات دیتے ہوئے اس کے متعلق تالیف ہونے والی کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ ضمنی طور پر وہ لکھتے ہیں: شہید اوّل نے جو زیارات اس کے متعلق درج کی ہیں اس سے ظاہر ہے کہ دورِ گزشتہ میں مختار کی قبر زیارت گاہوں میں شمار ہوتی تھی۔[3]

---

[1] رجال کشی صفحہ ۱۱۵ احوال مختار۔

[2] مروج الذہب جلد ۲ صفحہ ۹۸ [3] الغدیر ج ۲ ص ۳۴۳ بعد۔

Marfat.com

جامع الرواۃ میں مرحوم اردبیلی نے مختار کی مدح اور مذمت میں روایات درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ اُسے دُشنام طرازی کا نشانہ نہ بنانا چاہیے لیکن اس کی روایات پر بھی یقین نہ کرنا چاہیئے[1] علامہ مجلسیؒ نے بحار میں لکھا ہے: مختار ایمان و ایقان میں درجۂ کمال پر فائز نہ تھا اور اس نے جو کچھ کیا وہ ائمۂ دین کی اجازت سے نہ کیا تھا۔ لیکن چونکہ بہت سے نیک کام اس کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئے جن سے مومنین کی تالیفِ قلوب ہوئی لہٰذا بالآخر اس کے اعمال نجات پر منتج ہوئے اور اس آیت شریفہ کے دائرے میں آگئے کہ واٰخرون اعترفوا بذنوبھم خلطوا عملا صالحا و اٰخر سیئا عسی اللہ ان یتوب علیھم[2]۔

اس کے بعد فرماتے ہیں: میں ان کے بارے میں مذبذب ہوں۔ اگرچہ شیعہ علمائے دین عموماً ان کی تعریف کرتے ہیں[3]

لبنانی عالم محمد جواد مغنیہ الشیعہ والتشیع میں بہت سی تفاصیل بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ان سب باتوں کے باوجود بھی علامہ مجلسی سے اتفاق کرتے ہوئے کہنا چاہیئے کہ اگرچہ مختار ایمان و ایقان میں درجۂ کمال پر فائز نہ تھا..... الخ[4]

مصنف کہتا ہے: شہدائے کربلا کے قاتلوں سے انتقام لینے کے عمل میں ہم مختار کی نیت کا علم نہیں رکھتے۔ بہتر ہے ہم اس کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیں۔ کیونکہ اپنے بندوں کا حال وہی جانتا ہے۔ اور ان کے درمیان انصاف فرماتا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ مختار کا عمل بہر صورت انتقام خدا تھا۔ خداوند قدوس نے ہی اس کو ان ظالموں پر مسلط کر دیا تھا۔ اگر وہ اس جدوجہد میں اخلاص نیت رکھتا تھا اور خداوند عالم کی رضا کا طالب تھا تو بہت بہتر اور اگر وہ اپنی خلافت کے قیام کے لیے حالات کو سازگار بنانا چاہتا تھا۔ تو

---

[1] جامع الرواۃ۔ مختار

[2] کچھ لوگ وہ ہیں جنھوں نے گناہوں کا اقرار کر لیا، مگر انھوں نے کچھ اچھے اور کچھ برے کاموں کو ملا جلا کر کیا کہ خدا ان کی توبہ قبول فرمالے۔ (سورہ توبہ آیۃ ۱۰۲)

[3] بحار ج ۴۵ ص ۳۳۸ طبع جدید [4] الشیعۃ والتشیع ص ۹۲ ترجمہ کسائی

ہمراہیان عبداللہ بن زبیر اور آل ابی سفیان کی زبردست مخالفت اور عداوت کا سامنا کرتے ہوئے لوگوں کی حمایت اور امداد کے حصول کے لیے بھی کچھ کر سکتا تھا جو اس نے کیا۔

پھر بھی ہم اس کی بغاوت اور ظالموں سے بدلہ لینے کو خدائی انتقام قرار دے سکتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بدعملوں کو بخت نصر کے ہاتھوں سزا دی۔ اور قرآن پاک میں اس عمل کو اپنا عمل قرار دیا اور فرمایا: بعثنا علیکم عبادا لنا اولی بأس شدید ہم نے تم پر اپنے کچھ بندوں (بخت نصر اور اس کی فوج کو) مسلط کر دیا۔[1]

کربلا کے عظیم مشن سے اخذ نتائج میں ائمہ علیہم السلام کا کردار

کربلا میں جس انقلاب عظیم کی بنیاد رکھی گئی اس سے ائمہ علیہم السلام نے جو نتائج اخذ کیے اور جس انداز میں بہرہ اندوزی کی وہ قابل غور و فکر ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور لوگوں کے لیے اس کی تبلیغ زندگی کے ضروری درس کی حیثیت سے کی۔ زیارت کربلا، عزاداری، مصائب سید الشہداء پر گریہ اور ان مصائب کے تذکرے سے متعلق اپنے پیروکاروں کو مفصل احکامات دیے۔ زیارت عاشورا و اربعین، قاتلان امام عالیمقام پر لعنت اور پانی پیتے وقت آپ کی پیاس کو یاد کرنے سے متعلق وصیتیں فرمائیں۔ ان شعراء سے رحمت و مغفرت کا وعدہ فرمایا جو خانوادۂ اہل بیت علیہم السلام کے مکتب فکر اور سانحۂ کربلا کو اپنے اشعار میں بیان کرتے تھے۔ وہ ان کی سرپرستی بھی فرماتے تھے۔

محققین میں سے ایک کا کہنا ہے:

ائمۂ اطہار علیہم السلام شہادت سید الشہدا کے بعد لوگوں کو آپ کی شہادت گاہ کی زیارت کی تلقین فرماتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ روایات سے ایسا

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل آیۃ ۵

معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السّلام زیارت امام حسین علیہ السلام کو اسلام کی رگِ حیات تصور کرتے تھے۔ سفر حج میں جان کی سلامتی کی ضمانت کو شرطِ وجوب قرار دیتے تھے۔ جیساکہ تمام فقہا نے ایسا ہی فتویٰ دیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس کربلا کے سفر زیارت کو اس وقت زیادہ باعث ثواب قرار دیا۔ جب وہ زیادہ خطرناک ہو اور دشمن کی مخالفت و ممانعت شدید تر ہو۔ ایسے پُرخطر سفر عراق کی زیادہ سے زیادہ رغبت دلائی اور اجرِ عظیم کا سبب قرار دیا۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ حج جیسا عظیم مذہبی فریضہ تو خطرات میں باعث اجر و ثواب نہ ہو اور زیارت کربلا کی اس وقت بھی تاکید کی گئی ہے جب موت اور قتل ہونے کا امکان نوے فیصد ہو[۱]۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان حالات میں اس دور میں ائمہ علیہم السلام فریضہ کی ادائیگی اور زیارت بیت اللہ کی بقا کو حائر حسینی کی زیارت میں مضمر سمجھتے تھے ورنہ اس کی اور کوئی وجہ نہ تھی۔

امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو کوئی ہم اہل بیت[۲] علیہم السلام کے مصائب کا تذکرہ کرتا ہے اور ان پر گریہ کرتا ہے۔ وہ روزِ قیامت ہمارے ساتھ ہوگا۔ جو کوئی بھی ہمارے مصائب کو یاد کرکے روتا ہے یا رلاتا ہے تو روزِ قیامت جب لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہوں گی۔ اس کی آنکھ اشک ریز نہ ہوگی۔ جو ہماری مجلس ذکر میں قدم رکھے گا تو اس کا دل اس دن فنا نہ ہوگا جس دن افراد کے دل مرجائیں گے[۳]۔

امام جعفر صادق علیہ السّلام نے مسمع نامی شخص سے فرمایا۔ اسے مسمع تو اہل عراق میں سے ہے کیا تو قبر امام حسین علیہ السّلام کی زیارت کرتا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ میں بصرہ میں مشہور و معروف ہوں اور لوگ وہاں خلیفۂ وقت کی اطاعت کرتے ہیں۔ ہمارے دشمن

۱۔ کامل الزیارات ابن قولویہ ص ۲۹۱
۲۔ بررسی تاریخ عاشورہ صفحہ ۱۴۱ مقدمہ
۳۔ نفس المهموم ص ۱۸

ناصبیوں اور دوسروں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ مجھے خوف ہے کہ وہ سلیمان کے بیٹوں کے سامنے میری غیبت کریں گے۔ اور عرصۂ حیات کو مجھ پر تنگ کر دیں گے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا تم مصائب کربلا کو یاد کرتے ہو۔ کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ان پر گریہ کرتے ہو؟ اس نے کہا: خدا کی قسم، میری آنکھیں اتنی اشک فشانی کرتی ہیں کہ گھر کے افراد اس کا اثر میری صورت پر محسوس کرتے ہیں۔ ان آلام کی یاد مجھے کھانے سے روک دیتی ہے۔ ارشاد فرمایا: خدا تعالیٰ تیرے اشکوں کو باعث رحمت قرار دے۔ جان لے کہ تو ان تمام شیعوں میں سے ہے جو ہمارے لیے آہ و فغاں کرتے ہیں۔ ہماری خوشی میں خوش اور غم میں غم زدہ ہو جاتے ہیں۔ جب ہم حالت خوف میں ہوں تو وہ بھی خوف محسوس کرتے ہیں اور ہمارے امن و سکون میں انھیں ایک گونہ سکون ملتا ہے۔ تم وقت نزع میرے بزرگوں کو دیکھو گے کہ وہ تشریف لا کر تمھارے لیے ملک الموت کو وصیت کریں گے۔[1]

اس سلسلے میں جو کچھ بیان ہوا اس کے بغور جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات ائمۂ کرام علیہم السلام نے واقعۂ کربلا کی اس انداز سے تبلیغ کی اور اس کو ایسا مقام عطا کیا کہ اس کی تاثیر آج بھی ویسی ہی ہے جیسے صدیوں پہلے تھی اور آئندہ بھی اس میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

جیسا کہ ہم نے بیان کیا کربلا کے قاتلوں کو مختار بن ابی عبیدہ نے کیفر کردار تک پہنچایا۔ لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ اس کشت و خون اور قصاص سے بھی مقصد پورا نہ ہوا۔ امام حسین علیہ السلام کا مقدس خون اسی طرح ابل رہا تھا۔ وہ موج کی طرح ہر کہ و مہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا اور بنی امیہ کے ارکانِ حکومت کو لرزہ براندام کر رہا تھا۔ چنانچہ عبدالملک بن مروان کے علاوہ تمام خلفائے اموی

---

[1] نفس المہموم ص ۱۹

کی حکومت بے حد ناپائیدار رہی اور وہ یکے بعد دیگرے رو بہ زوال ہو گئے۔

عبدالملک کے زمانے میں حالات ظاہری طور پر پُر سکون ہو گئے۔ لیکن اس کے نمایندے حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیر کی گرفتاری کے بہانے خانہ کعبہ کو منہدم کر دیا اور اس عمل نے مسلمانوں اور اہل حجاز کی امویوں سے نفرت میں اور اضافہ کر دیا۔

عوام کا طرز فکر بنی امیہ کے حق میں نہ تھا۔ عبدالملک کے بعد یہ حکومت ڈانواں ڈول ہو گئی۔ عباسی سلطنت کی تشکیل خفیہ طور پر ہو گئی اور بالآخر مروان حمار آخری خلیفہ اموی کے قتل سے یہ گھٹیا اور پست قسم کا خاندان دائرہ خلافت اسلامی سے نکال دیا گیا[۱]۔ احمد سفاح نے امویوں کو قتل کرانے کو اپنے روزمرہ معمولات میں شامل کر لیا۔ ان دنوں بنی امیہ میں سے اسی افراد احمد سفاح کے چچا عبداللہ بن علی کے پاس آئے۔ عبداللہ نے انھیں واقعۂ کربلا کی یاد دہانی کروائی اور ان کے اسلاف کی شیعہ کاریوں کا تذکرہ کیا اور پھر ان کے قتل کا حکم دے دیا۔ اُن میں سے ایک نے فریاد کی۔ ہم قرابت دار اور ہم قوم ہیں۔ اپنوں سے یہ ظالمانہ سلوک کسی طرح بھی جائز و مناسب نہیں۔ عبداللہ نے جواب دیا: افسوس!! حسین ابن علی علیہما السلام کو شہید کرتے وقت قرابت داری کیا ہوئی تھی؟ اس کے بعد ان کے بے جان جسموں پر فرش بچھا دیا گیا۔ اور عباسی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ان پر بیٹھ گیا۔ اور کھانا کھانے لگا۔ جبکہ ان کی لاشیں فرش کے نیچے تڑپ رہی تھیں۔ اس موقع پر عبداللہ نے حاضرین سے کہا: بنی امیہ پر یہ بُرا وقت حسین بن علی (علیہما السلام) کو ناحق قتل کرنے کی وجہ سے آیا ہے[۲]۔

اس قسم کے اور بہت سے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ سید الشہداء علیہ السلام کی شہادت ہر جگہ ورد زبان تھی۔ اور ارکانِ ظلم کی بنیادوں کو متزلزل کر رہی تھی۔ سفاح

---

[۱] البتہ خلفائے بنی امیہ کی اولاد میں سے کچھ اندلس بھاگ گئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

[۲] تاریخ یعقوبی ج ۳ ص ۷۸۔ بیروت

نے اپنے چچا عبداللہ کو لکھا تھا: "بنو امیہ سے اپنے خاندان کا انتقام لے لیجئے۔" وہ بنو امیہ کی قبریں کھود کر ان کی ہڈیوں کو نذر آتش کر دیتا تھا۔ ہشام بن عبدالملک کے حنوط شدہ جسم کو قبر سے باہر نکال کر اس پر ایک سو بیس کوڑے لگوائے۔ پھر گرز سے اس کو ریزہ ریزہ کر کے آگ لگا دی گئی۔

اس کے بعد اس نے کہا: میرا باپ علی ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ اس کے کندھے پر سے چادر اتر گئی تو میں نے ان کی پشت پر تازیانوں کے نشان دیکھے۔ جب وہ نماز تمام کر چکے تو میں نے کہا: ابا جان! آپ کے جسم پر اتنے نیل کیوں پڑے ہیں؟ کہا: بیٹے، ہشام بن عبدالملک نے مجھے ساٹھ دُرّے مارے ہیں۔ یہ نشانات ان ہی کے ہیں جو تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے بعد میں نے خدا کی قسم کھا کر یہ عہد کیا تھا کہ اگر میں کبھی بنو امیہ پر غالب آ گیا تو ہر کوڑے کے بدلے ہشام کو دو کوڑے لگاؤں گا۔

اگرچہ قبریں کھودنا اور مُردوں کو جلانا شرعی طور پر ناجائز ہے لیکن جب دستِ انتقام دراز ہوتا ہے تو وہ ان امور کو پیش نظر نہیں رکھتا۔ لیکن یہ کہ بدلہ لینے والا عدل اور دینداری کا دامن نہ چھوڑ دے۔

آخری اموی خلیفہ مروان حمار کے قتل کے بعد، عباسی نمائندے عامر نے اس کی عورتوں، بیٹیوں اور کنیزوں کو صالح بن علی کے پاس بھیج دیا جو احمد سفاح کا چچا تھا جب صالح کے پاس پہنچیں تو مروان کی بڑی لڑکی نے کہا: اے امیر المومنین کے چچا! خدا تعالیٰ دین و دنیا میں آپ کا حامی و ناصر ہو، ہم آپ کی بھتیجیاں اور بیٹیاں ہیں ہمیں آزاد کر دیجئے۔ صالح نے جواب دیا۔ تم میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔

کیا تمہارے باپ نے میرے بھتیجے ابراہیم کو قتل نہیں کیا؟ کیا ہشام عبدالملک نے زید بن علی کو شہید نہ کیا تھا؟ اور ان کو کوفے کے قریب کناسہ میں دار پر نہیں لٹکایا تھا؟ کیا ولید بن زید نے یحییٰ بن زید کو خراسان میں قتل کر کے نہیں لٹکایا۔ کیا بد اصل ابن زیاد

نے مسلم بن عقیل کو شہید نہیں کیا ؟ کیا یزید ابن معاویہ نے حسین ابن علی علیہ السّلام کو ان کے ہمراہیوں سمیت شہید نہیں کروایا ؟ اور اہلبیتِ رسولِ خدا کو قیدی بنا کر اُن سے رُوم اور فرنگ کے غیر مسلم قیدیوں جیسا سلوک روا نہیں رکھا ؟ اور کون سی مصیبت باقی رہ گئی ہے جو تم نے ہم بنی ہاشم پر نہیں توڑی[1]

اس کتاب میں ہمارا مقصد تاریخی واقعات کا بیان نہیں۔ لیکن واقعۂ کربلا کے اثرات کا جائزہ لینے کے لیے ہم مجبوراً تاریخ کی تیزی سے ورق گردانی کرتے ہیں۔

دنیا میں دنیا طلب اور خود غرض گروہوں میں جب بھی تصادم ہوا تو اس کا نتیجہ اکثر یہی نکلا کہ ظالموں کا ایک گروہ ختم ہوا اور دوسری جماعت نے اس کی جگہ لے لی۔ عباسی وہ گروہِ ستمگار تھا جنھوں نے ظالم امویوں کی جگہ سنبھال لی تھی۔ اور اس عمل میں بنی امیہ نے خدا تعالیٰ کی کبھی نہ بدلنے والی سنت کے مطابق ہر اس تلخی کا مزا چکھا جس سے انھوں نے دوسروں کو دوچار کیا تھا۔ اور ہر اس مصیبت و مشکل سے ان کا سابقہ پڑا جو ان کے ہاتھوں دوسروں پر نازل ہوئی تھی۔ ان کی وسیع و عریض سلطنت ایک انسان کی طبیعی عمر سے بھی کم ناپائدار ثابت ہوئی اور ان کے ہاتھوں سے نکل گئی۔

امویوں کے زوال کے بعد سانحۂ کربلا عباسیوں کے خرمن کی آگ بن گیا۔ وہ جنھوں نے کہ بنی امیہ کی سرکوبی کے لیے مقدس حسینی مشن سے استفادہ کیا تھا خود اس کی وسعت پذیری اور اثر و نفوذ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی سوچنے لگے۔ بنی امیہ کی طرح عباسیوں نے بھی لوگوں کو زیارت امام حسین علیہ السلام سے باز رکھنے کی سعی کی۔ انھوں نے کربلا کی راہ میں متعدد چوکیاں بنا دی تھیں۔ مشہد حسینی کی نگرانی کے لیے ہر وقت مسلح آدمی موجود رہتے تھے۔ وہ زائروں کو گرفتار کر کے انھیں شکنجوں میں کس دیتے اور یہ پاک دل مومن بہت کم ہی اس مصیبت سے زندہ بچتے۔ بہت کم ہاتھ ایسے تھے جو قطع نہ ہوئے اور بہت

---

[1] مروج الذہب ج ۲ ص ۲۰۷

Marfat.com

کم سرایسے تھے جو قلم نہ کیے گئے۔

متوکل عباسی نے دیزج نامی شخص کو حکم دیا کہ وہ امام حسین علیہ السّلام کی قبر مطہر کا نشان مٹا کر سرزمین کربلا میں ہل چلا کر اس میں پانی چھوڑ دے۔[1]

متوکل عباسی کو امام حسین علیہ السلام سے کیا دشمنی تھی؟ وہ لوگوں کو آپ کے مرقد مبارک کی زیارت سے کیوں منع کرتا تھا؟ کہا جاتا ہے کہ اس کی گانے والیوں میں سے کوئی زیارت کربلا کے لیے چلی گئی جو اسے سخت ناگوار معلوم ہوا اور اس نے ممانعت کا حکم جاری کر دیا۔ لیکن معاملہ اتنا سادہ نہیں جتنا بیان کیا گیا۔ جیسا کہ بعض دانشمندوں کا خیال ہے: عباسی دیکھ رہے تھے کہ زیارتِ کربلا لوگوں کو ظلم کے خلاف جدوجہد پر مائل کرتی ہے۔ شہید ظلم حسین علیہ السلام بھی زندہ حسینؑ کے برابر ہیں اور یہ ظلم اور ظالم کے قصر امارت کی بنیادوں کو لرزہ براندام کر رہے ہیں۔ وہ زیارتِ شہادت گاہِ امامؑ پر پابندیاں لگا کر چاہتے تھے کہ امام عالی مقام کے مقاصد یعنی ظلم و ستم کے خلاف مبارزت کو از سر نو زندہ ہونے سے روک سکیں اور لوگوں کو مصائب و آلام کربلا سے ناواقف ہی رکھیں۔

عباس محمود العقاد کہتے ہیں: سانحۂ کربلا میں حسین علیہ السلام اپنے اعزا و اقربا اور احباب و اصحاب کے ساتھ منصب شہادت پر فائز ہو گئے لیکن وہ ابدی پیغام پیچھے چھوڑ گئے جس پر عباسیوں اور فاطمیوں کی سلطنت کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ ایوبیوں اور عثمانیوں نے اس کو حصول اقتدار کا ذریعہ بنایا۔ عرب، ایران اور ہند کے حکمرانوں نے بھی اس کو وجہ سکون بنایا۔ ان سب سے بڑھ کر یہ کہ امام حسین علیہ السلام انسانوں کے سامنے اس نوری پوشاک میں جلوہ افروز ہوئے کہ آج تک نگاہیں ان کی ضیا پاشیوں کی تاب نہیں لا سکتیں اور اس عظمت و بلندی پر فائز ہوئے کہ تاریخ بشریت میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

امام حسین علیہ السلام کے لیے یہی کیا کم ہے کہ صدیاں گزرنے پر بھی تاریخ عالم انہیں شہید ابن شہید

---

[1] تتمۃ المنتہیٰ ج ۲ ص ۲۴۴

سیدالشہدا اور شاہِ شہیداں کہتی ہے۔[1]

سلاطین آل بویہ جو کہ شیعانِ مخلص اور محبانِ اہل بیت علیہم السلام میں سے تھے ابتدا میں عباسیوں کے زیرِ فرمان رہے۔ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ابوشجاع مچھلیوں کے شکار سے گزر اوقات کرتا تھا۔ اس کی آل و اولاد نے بہت زیادہ کشمکش کے بعد حکومت حاصل کی اور ان کی قدرت و طاقت میں اضافہ ہوتا گیا۔

ابوشجاع کا پوتا عضد الدولہ دیلمی سامانیوں کے زوال کے بعد جب برسرحکومت آیا تو اسے ایران میں پہلی بار بادشاہ کہا گیا۔ اس کا چچا معز الدولہ دیلمی کہ جس کا بایاں ہاتھ اور دائیں ہاتھ کی کچھ انگلیاں سیستان کے کردوں نے کاٹ دی تھیں۔ اتنی ترقی کر گیا اور اس نے ایسی قوت و طاقت حاصل کی کہ وہ بغداد گیا تو مکتفی عباسی کو معزول کر کے اس کی جگہ مطیع عباسی کو تخت نشین کر دیا۔

اسی معز الدولہ نے ۳۵۲ھ میں اہل بغداد کو حکم دیا کہ وہ عشرۂ محرم میں دکانیں اور بازار بند رکھیں اور عزاداری امام حسین علیہ السلام میں حصہ لیں۔ ذی الحجہ کی (۱۸) اٹھارہ تاریخ کو عید غدیر کی مناسبت سے جشن کا اہتمام کریں۔ اپنے گھروں، کوچوں اور بازاروں کو آراستہ کریں۔ علمائے اہل سنت نے اس حکم کی مخالفت کی۔ لیکن اطاعت کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔[2]

امرائے آل بویہ نے حسینی انقلاب سے سبق لے کر دربار بغداد کی طاقت و قوت کا خاتمہ کر دیا۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ عباسی خاندان اعلیٰ اسلامی تعلیمات پر عمل کی بجائے زبردستی اپنی حکومت کو قائم رکھے ہوئے ہے اور یہ اس مقصد کے لیے مظلوم و ستم رسیدہ طبقے کو مزید مشکلات و مصائب میں مبتلا کیے ہوئے ہیں جو زبان حال سے کہ رہے ہیں: ہم نے دین اسلام اس لیے اختیار کیا تھا کہ دنیا و آخرت کی سعادت و خوش بختی حاصل کریں گے

---

[1] نقش وعاظ در اسلام ص ۲۷۱۔ بنقل از ابوالشہداء تالیف عقاد۔
[2] الکنیٰ والالقاب عضد الدولہ

Marfat.com

نہ اس لیئے کہ عوام کا خون چوستے اور ان کا مال و دولت چھین لینے والے بنی عباس کا جوا گردن میں پہنے رہیں اور قبول اسلام سے ہمارا مقصد اگر حکومت و سلطنت تھا تو پھر ہم بنی عباس سے بھی اس کام میں پختہ کار ہیں۔

عزّت کی موت یا ذلّت کی زندگی

اب موقع آگیا ہے کہ ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ مقدس حسینی مشن سے کونسا سبق سیکھا جاسکتا ہے۔ اس مرد خدا نے ذلّت کی زندگی کو اختیار نہیں کیا۔ ان سے سب سے پہلا جو سبق سیکھا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ "عزّت کی موت ذلّت کی زندگی سے بہتر ہے "۔ آزاد رہ کر آزادانہ طریقے سے زندگی گزارنا چاہیے نہ کہ ظالم بننا یا پھر ظلم کو سہ کر جینا، جور و ستم کے بار گراں تلے زندگی گزارتے ہوئے شرف انسانی کو پائمال کر دینا اور ذلت و خواری کی اتھاہ پستیوں میں اپنے آپ کو گرا دینا آدمیت کے شایاں نہیں۔ ایمان اور عقیدے کی راہ میں اپنی جان نچھاور کر دینا ہی حقیقی زندگی ہے۔ یہی حسینی مشن کا منتہٰی ہے اور یہی منطق دینِ مبین ہے۔

علی ابن ابی طالب علیہ السّلام نے فرمایا ہے "ظلم و ستم اور جور و بیداد کے زیر سایہ زندہ رہنا بجائے خود موت ہے اور وہ موت جو کامیابی و کامرانی اور فتح و سربلندی کا سبب ہو، موت نہیں زندگی ہے[۱]"۔ خدا کے نیک اور راہِ راست پر گامزن بندے جرأت و استقامت کے زیر سایہ عزّت و آبرو اور سربلندی کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور دشمن بزدل گیدڑوں کی طرح جو پھاڑ کھانے والے شیر کے شکار سے گریزاں رہتے ہیں۔ ان کو شکست دینے اور انھیں اپنے زیر اثر کرنے کا خیال بھی ذہن سے نکال دیتے ہیں۔ حسین ابن علی علیہم السلام بھی

---

[۱] نہج البلاغہ خطبہ ۵

Marfat.com

ایسے ہی انسان تھے وہ دنیا کے مردانِ حُر کو ایسی ہی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے برعکس کمزور اور تن پرور ہمیشہ احساسِ کم تری میں مبتلا رہتے ہیں۔ وہ اپنے ضمیر کے سامنے بے بس اور نتیجتاً غیر مطمئن اور افسردہ رہتے ہیں۔ ان کی زندگی حقیقتاً موت ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ اسے زندگی قرار دیتے ہیں۔

ان دو واقعات پر نظر کرنے سے یہ حقیقت مزید واضح ہو جائے گی۔ یعقوب ابن اسحٰق جو ابن سکیت کے نام سے معروف ہیں اور شیعہ علما میں سے ہیں۔ متوکل عباسی کے ہم عصر تھے۔ ایک دن متوکل نے اُن سے کہا: کیا تمھیں میرے بیٹے زیادہ محبوب ہیں۔ یا حسین وحسن (علیہما السّلام)۔ انھوں نے متوکل کے سامنے اس کی ہمنوائی کرنے یا خوشامد وچاپلوسی کی بجائے کمال جرأت ومردانگی سے جواب دیا۔ قنبر جو کہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے خادم تھے، میرے نزدیک تم اور تمھارے بیٹوں سے زیادہ عزیز اور محبوب ہیں۔ حسین وحسن (علیہم السلام کا کیا مذکور ہے؟

متوکل اس جواب سے بہت برہم ہوا اور حکم دیا اس کی زبان کو گدّی سے کھینچ دیا جائے چنانچہ آپ کی زبان گدّی سے کھینچ دی گئی۔ اور آپ اس شکنجے میں ہی شہید ہوگئے[۱] آپ شہید ہوگئے۔ لیکن حق کا دامن نہ چھوڑا اور یہ نہ کہا کہ جی ہاں امیر المومنین آپ کے صاحبزادے فرزندانِ رسول حسن وحسین علیہما السلام سے زیادہ محبوب ومحترم ہیں۔ آپ نے عروسِ شہادت سے ہمکنار ہو کر بتا دیا کہ قوی ومستحکم رُوح اور نفس غیرتمند ذلّت وخواری کو کسی قیمت پر قبول نہیں کرتا۔

عرب کے مشہور ومعروف ظالم حجاج بن یوسف کی بیوی ہند بنت نعمان بن بشیر نے اپنے اشعار میں اس کو اونٹ سے تشبیہ دی اور اس ضمن میں کہا: اگر میں نے نالائق بیٹا جنم دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا باپ حجاج نالائق ترین آدمی ہے۔ نااہل اولاد

---

[۱] مجالس المومنین جلد۱ صفحہ ۵۵۵

Marfat.com

ان پر نہیں ان کے بدترین باپ پر ہے۔ جب حجاج نے اس کے یہ شعر سنے تو سخت ناراض ہوا اور اس کو طلاق دے دی۔

خلیفۂ وقت عبدالملک بن مروان نے ہند کو شادی کا پیغام بھجوایا تو اس نے جواب دیا میں اس برتن کی طرح ہوں جسے کتے نے چاٹ لیا ہو۔ اب خلیفہ کے شایان شان نہیں رہی۔ لیکن عبدالملک نے بہت اصرار کیا تو ہند نے کہا تمھارے ساتھ شادی اس شرط پر ہو سکتی ہے کہ تم حجاج کو یہ حکم دو کہ وہ میری ناقہ کی لگام تھام کر پا پیادہ مجھے معرہ سے دمشق تک لے جائے۔[1]

اس غیرتمند عورت نے حجاج کو اونٹ اور کتے سے تشبیہ دی تھی۔ وہ اُسے کم تر اور ذلیل و خوار سمجھتی تھی۔ لیکن اس نے اپنی ذلیل حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے غلاموں کی طرح اس کے اونٹ کی لگام پکڑ کر اسے معرہ سے دمشق تک پہنچایا۔ اگرچہ وہ جانتا تھا کہ ہند نے اُسے ذلیل کرنے کے لیے عبدالملک سے یہ شرط منوائی ہے۔ افسوس ہے ان بے خبر دلوں پر جنھوں نے انسانی شرف و فضیلت کو پیروں تلے روند کر مال و دولت اور جاہ و منصب کے لیے ذلت و خواری کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ انسان اس طرح زندگی گزارے اور اس دنیاوی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے یہ قیمت ادا کرے؟ کیا یہ انسان سعادتمند و خوش بخت ہے کیا اس کی زندگی کو حقیقی زندگی کہا جا سکتا ہے؟

مردانِ حُر نے دنیا میں یہ مقام پایا ہے کہ دشمن بھی ان کی عظمت کا اعتراف کرنے اور ان کی ستائش پر مجبور ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن محمد خاں قاچار کو خبر دی گئی کہ آج تمھارے بھتیجے بابا خان (فتح علی شاہ) کے ہاں کئی بیٹے متولد ہوئے ہیں۔ اس نے کہا کاش ان سب کی بجائے ایک لطف علی زند پیدا ہو جاتا۔[2]

---

[1] منتخب التواریخ ص ۱۴۱ و ۱۱۷

[2] سلسلۂ زند کا آخری بادشاہ جو بقول مؤلف فارس نامہ "دل گرگ، زور شیر اور چالاکی" کا حامل تھا۔ بیرحم خاں قاچار نے اس کو انتہائی بیدردی سے قتل کروا دیا۔ فرہنگ امیر کبیر۔

Marfat.com

الجزائر کی تحریک آزادی میں محمد بن عربی فرزند مہدی کے سر کی کھال استعماریوں نے کھینچ دی۔ لیکن انھوں نے پھر بھی حریت پسندوں کی اپنی جماعت کے راز فاش نہ کیے۔ اس پر لوہے کی سلاخ کو آگ میں اس قدر گرم کیا گیا کہ وہ سفید ہو گئی۔ تب ان کے حلق اور منہ میں اُس کو اُتار دیا گیا اور اس طرح انھیں شہید کر دیا گیا۔ ان کی اس دردناک و المناک موت نے استعماری جلادوں کو بھی شرمندہ کر دیا۔ سرہنگ بژار نے کہا: اگر میرے زیر فرمان عربی بن مہدی جیسے لوگوں کا گروہ ہوتا تو میں تمام دنیا کو فتح کر لیتا۔[۱]

ایک شاعر کائنات کے اس جاودانی نظام اور خدا تعالیٰ کی سنت لاتیغیر کو مدنظر رکھ کر کہتا ہے:

النوامیس جرت ان لایعیش الضعفاء   کل من کان ضعیفاً اکلتہ الاقویاء

دنیا کی عزت و ناموس کا اصول اور دستور ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ کمزور انسان سعادت و کامیابی کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ جو بھی کمزور و ناتواں ہیں وہ بالآخر طاقتوروں کا لقمہ بن جائیں گے۔ ایک فارسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

بیا قوی شو اگر راحت جہاں طلبی
کہ در نظام طبیعت ضعیف پامال است۔

انسان کو قوت و طاقت اور ثباتِ قدم سے زندگی گزارنی چاہیے۔ بصورت دیگر طاقتوروں کے پنجۂ قوت میں چور چور ہو جانا یقینی ہے۔ جس طرح بھیڑیئے خود بخود اپنی فطرت کے تحت بھیڑوں کو پھاڑ کھانے سے باز نہیں آتے۔ اسی طرح یزید بھی اپنی بدطینتی کی وجہ سے ضعیفوں اور کمزوروں سے دست کش نہیں ہوتے۔

آج جب کہ دنیا کی بڑی بڑی طاقت ور قومیں ضعیف اقوام خصوصاً ممالک اسلامی کے درپے ہیں۔ وہ ان اقوام کے عقل و شعور سے لے کر ان کی معدنیات تک پر حاوی

---

[۱] الجزائر و مردان مجاہد ص ۱۲۰ مؤلفہ حسن صدر

ہیں اور ان وسائل کو تباہ و برباد کر رہی ہیں۔ وہ آزادی اور امداد کے نام پر ان ممالک میں وارد ہوتی ہیں اور پھر وہاں لوٹ مار کا بازار گرم کر دیتی ہیں۔ یہ سب کچھ چھوٹی قوموں کی زبوں حالی اور ضعف و ناتوانی کا نتیجہ ہے۔ اس باب کے خاتمے پر ہم "خوش دل تہرانی" کے چند اشعار درج کرتے ہیں۔

○

بزرگ فلسفۂ قتل شاہِ دین این ست
کہ مرگِ سرخ بہ از زندگی ننگین است
حسینؑ مظہرِ آزادگی و آزادی ست
خوشا کسیکہ چنیں اش مرام و آئین است
نہ ظلم کن بکسی، نی بزیرِ ظلم برو
ہمیں مرام حسینؑ است و منطق دین است
ہمیں نہ گریہ برآں شاہِ تشنہ لب کافی ست
اگرچہ گریہ برآلام قلب تسکین است
ببیں کہ نقشۂ عالی او، چہ بداید وست
کہ درک آں سبب عز و جاہ و تمکین است
زخاکِ مردم آزادہ بوی خوں آید
نشانِ شیعہ و آثارِ پیروی این است

○

Marfat.com

حق ہر حال میں غالب و پائیدار ہے

حسینی انقلاب سے دوسرا سبق جو سیکھا جا سکتا ہے وہ یہ کہ: حق ہر حال میں غالب و پائیدار اور باطل مغلوب و مضمحل ہے۔ سادہ لوح اور کوتاہ نظر لوگ باطل کا ظاہر دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتے ہیں اور دنیا کو چند روزہ زندگی سمجھتے ہیں۔ لیکن مردان حق اس دنیا کو وسیع و عمیق نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو شمار کرتے ہیں اور انھیں یقین کامل ہوتا ہے کہ صاحبان ایمان ہمیشہ غالب اور دونوں جہانوں میں سرفراز ہوتے ہیں۔

خداوند عالم قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے: وکان حقاً علینا نصر المؤمنین[1] مومنوں کی مدد کرنا ہم پر فرض ہے۔ اور مزید ارشاد باری ہے: اگر تم راہ خدا میں مارے جاؤ یا مر جاؤ، تو خدا تعالیٰ کی رحمت و مغفرت ہر دنیاوی فائدے سے بدرجہا بہتر ہے اور اس کی راہ میں شہادت یا موت پانے والے اس کی بارگاہ میں سرخرو ہو کر حاضر ہوتے ہیں[2] یعنی راہ خدا میں شہادت سے خوفزدہ نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ موت سے نہ تم فنا ہو گے اور نہ تمہاری حیثیت میں کوئی کمی آئے گی۔ بلکہ خداوند عالم اس کا اجر بہترین انداز میں عطا فرمائے گا۔ اور یہ اجر دنیا کے مال و دولت سے بدرجہا بہتر اور شاندار ہوتا ہے۔ جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد ہے: اور جو کوئی راہ خدا میں مارے جائیں تو انہیں مردہ نہ سمجھو۔ وہ تو زندہ ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں اور خداوند عالم نے اپنے فضل و کرم سے جو کچھ انھیں عطا کیا ہے۔ وہ اس پر راضی اور بے حد خوش ہیں[3]

---

[1] سورہ روم آیۃ ۴۷

[2] آل عمران ۱۵۷-۱۵۸ - ولئن قتلتم فی سبیل اللہ او متم لمغفرۃ من اللہ ورحمۃ خیر مما یجمعون ولئن متم او قتلتم لالی اللہ تحشرون۔

[3] آل عمران ۱۶۸-۱۶۹ - ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتٰھم من فضلہ۔

Marfat.com

امام حسین علیہ السلام روز عاشورا لشکر عمر بن سعد پر حملہ کرتے تھے اور فرماتے تھے۔ کیا تم میری مخالفت میں مجتمع ہو۔ خدا کی قسم، میرے بعد تم کسی شخص کو قتل نہ کروگے جس کی ہلاکت پر خدا اس قدر غضب ناک ہو جتنا میری ہلاکت پر ہوگا۔ بخدا مجھے امید ہے کہ تم نے مجھ سے جو تحقیر آمیز رویہ اختیار کیا ہے اس کے بدلے میں خداوند عالم مجھے شرف و عظمت عطا فرمائے گا۔ اور اس کا انتقام تم سے اس طرح لے گا جو وہم و گمان میں نہ ہوگا۔[1]

جناب زینب علیہا نے یزید سے کہا: تو اپنی پوری کوشش کرلے اور جو کچھ تیرے امکان میں ہے کر گزر، خدا کی قسم! ہمارا نام فانی نہیں اور ہم پر جو وحی نازل ہوتی ہے۔ اس کو فنا نہیں۔ تو ہمارے مقام و مرتبے کو نہ پا سکے گا۔ ابد الآباد تک ہمیں وہ عظمت و سربلندی حاصل رہے گی۔ کہ جو کسی کو نہ مل سکے گی۔ تو نے ہمارے ساتھ جو بد سلوکی کی ہے اس کی ذلت و رسوائی کا داغ تیرے دامن سے کبھی نہ دھل سکے گا۔ تیرے نصیب میں ہمیشہ کی روسیاہی اور ابدی شکست لکھی ہوتی ہے۔ ہم افراد خانوادۂ رسالت حق پر ہیں اور حق ہر حال میں غالب و جاوداں ہے۔

روایت ہے کہ مستنصر عباسی سامرا گیا اور امام دہم حضرت علی نقی اور امام حسن عسکری علیہما السلام کے مقدس مزاروں کی زیارت کی۔ اس کے بعد وہ خلفائے بنی عباس میں سے اپنے بزرگوں کی قبروں پر گیا جو ایک ویران جگہ پر واقع تھیں۔ بارش ان پر برستی تھی، پرندے اپنے فضلے سے انھیں گندہ کرتے تھے۔ اس کے ملازمین میں سے ایک نے کہا: حضور! آپ روئے زمین کے سلاطین اور خلفا ہیں۔ آپ کے آباء کی قبور کی یہ حالت ہے کہ کوئی ان کی زیارت نہیں کرتا، کوئی انھیں یاد نہیں کرتا، کوئی شخص نظر نہیں آتا جو پرندوں کی غلاظت سے ان کو صاف کردے۔ اس کے برعکس خانوادۂ نبوت کے مقابر مبارک جیسا کہ آپ نے مشاہدہ کیا پردوں، قندیلوں، قیمتی فرشوں، خادموں، فانوسوں سے مزین اور مشک و عنبر سے معطر ہیں۔ مستنصر نے جواب دیا "این سعادت بزور بازو نیست" ہم کوشش و جد و جہد سے اس کو

---

[1] نفس المہموم ص ۱۹۳

حاصل نہیں کر سکتے - اگر ہم لوگوں کو ان امور کی انجام دہی پہ مجبور کریں تو وہ ہمارے احکام کی تعمیل نہ کریں گے[1]

خلیفہ نے بالکل درست کہا - نیکنامی، آبرو اور لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام بنانا انھی لوگوں کا حق ہے جو اپنی زندگی راہ حق میں گزارتے ہیں اور اسی میں ہی اس کو قربان کر دیتے ہیں -

عظمت مصائب ہی کی پیداوار ہے

معرکۂ کربلا سے تیسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ عظمت و بزرگی مصائب و مشکلات کی کوکھ سے جنم لیتی ہے - شعرائے یورپ میں سے ایک کا قول ہے: "ایک عظیم مصیبت کے علاوہ اور کوئی چیز بھی انسان کو عظیم نہیں بنا سکتی"[2]

دُنیا کے عظیم ترین انسان پیغمبروں سے لے کر انقلابی رہنماؤں تک نے قید و بند، ظلم و ستم، عقوبت و سزا، تلخ و شیریں حیات اور زندگی کی آسائشوں سے محرومیت برداشت کر کے ہی قدر و منزلت اور شرف کا مقام بلند حاصل کیا اور شہرت دوام پائی - قدرت کا یہ وہ اٹل قانون ہے جو خدائے بزرگ و برتر کے ہاتھوں تشکیل ہوا ہے - ولن تجد لسنة الله تبدیلا[3]

در روزگار سخت پدید آید
فرّ بزرگواری و سالاری

امام حسین علیہ السّلام جنھوں نے ابراہیمؑ، موسٰیؑ، عیسٰیؑ اور حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح عالمگیر شہرت پائی اور ایک دنیا ان کی شجاعت و دلیری اور غیرت کی معترف ہے - اس کا سبب صرف یہی ہے کہ مصائب و مشکلات سے وہ نہ

---

[1] الانوار البہیہ ص ۱۶۹

[2] الجزائر و مردان مجاہد، حسن صدر ص ۸

[3] سورہ احزاب آیۃ ۶۲

Marfat.com

گھبرائے اور راہِ خدا میں اعلائے کلمۂ حق کے لیے ثابت قدمی اختیار کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ مجاہدین الجزائر میں سے ایک کو گرفتار کر کے محکمۂ پولیس کے پاس لے جایا گیا تو اس کے سربراہ نے کہا: تمھارا نام کیا ہے؟

میرا نام ابو معزی ہے۔

تم فرانسیسیوں سے کیوں برسرِ جنگ ہو؟

کیونکہ یہ ظالم ہیں اور ہمارے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔

تم ہم سے کیا توقع رکھتے ہو؟

کوئی خاص نہیں۔

اگر ہم تمھیں آزاد کر دیں تو کیا کرو گے؟

راہِ خدا میں دوبارہ جہاد پر کمربستہ ہو جاؤں گا۔

اگر قید کر دیں تو؟

تو قید میں عبادتِ خدا میں مشغول ہو جاؤں گا اور خدا سے دعا کروں گا کہ وہ حق کو باطل پر غلبہ عطا فرمائے۔

اگر تمھیں قتل کر دیں تو پھر؟

میں اپنے پروردگار سے شرفِ ملاقات پا لوں گا۔[1]

عظمت اور حریت ان ہی مردانِ جری کا حصہ ہے جو اس اعلیٰ پائے کی شجاعت کے حامل ہوں۔ انسان اگر مشکلات کو خاطر میں نہ لائے اور خدا کی راہ میں مخلوقِ خدا کی بھلائی و نجات کی غرض سے شدید سے شدید مصائب سے بھی پنجہ آزمائی کرے، ہمیشہ اپنی خوراک و پوشاک کی فکر میں نہ رہے۔ مردانِ راہِ حق خصوصاً شہنشاہِ مردان حضرت حسین بن علی علیہما السّلام سے صبر و استقامت اور عظمتِ نفس کا درس لے تو وہ تاریخ

---

[1] الجزائر پیروز ص ۲۱

کے عظیم فرزندوں میں شمار ہوگا۔ اور عقبیٰ میں خدا کے سامنے سرخرو اور سرفراز ہوگا۔

کہتے ہیں بانی پاکستان محمد علی جناحؒ نے کہا ہے " دنیا میں شجاعت، قربانی وایثار اور جرأت وغیرت کی جو مثال امام حسین علیہ السلام نے پیش کی ہے۔ اس کی نظیر نہیں ملتی۔ میرے خیال میں تمام مسلمانوں کو اس شہید اعظم کی پیروی کرنا چاہیے جس نے اپنے آپ کو سرزمین عراق میں راہِ خدا میں قربان کردیا[1]

خامس آلِ عبا امام حسین علیہ السلام کی عزاداری

مصائب امام عالی مقام کا تذکرہ اور تعزیہ داری جس پر تمام شیعہ دنیا کاربند ہے۔ اس کی بنیادیں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمۂ اطہار علیہم السلام کے ہاتھوں استوار ہوئی ہیں۔ رسول پاکؐ نے شہادتِ عظمیٰ سے قبل ہی اور ائمۂ اطہار نے اپنے اپنے دور میں عزاداری کا اہتمام کیا اور اشک فشانی کرتے رہے۔ ابوالموید خوارزمی حنفی نے "السائر الدائر" میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ جس کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے:

> جب امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی تو پہلی سالگرہ کے موقع پر ملائکہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خبر دی کہ آپ کی اُمت حسین علیہ السلام کو قتل کردے گی جیسے قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا۔ ایک سال بعد دوسری سالگرہ کے موقع پر آپ حالت سفر میں تھے۔ آپ نے اثنائے سفر میں توقف فرمایا اور کہا: انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور آپ کی مُبارک آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا: ابھی ابھی جبریل نے مجھے خبر دی ہے کہ دریائے فرات کے کنارے جو صحرا ہے اور جسے کربلا کہتے ہیں، اس میں میرے بیٹے حسینؑ بن فاطمہؑ کو قتل کردیا جائے گا

---

¹ کتاب "حسین پیشوا انسانہا" بہ نقل از مجلہ نور دانش ومجلہ العزی

Marfat.com

لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! انھیں کون قتل کریگا؟ فرمایا: یزید نامی ایک شخص۔ خدا نیک بختی اور سعادت اس کے نصیب نہ کرے۔ میں مدفن حسینؑ پر نظر کر رہا ہوں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ اس کا سر یزید کے پاس لے جایا جا رہا ہے۔ خدا کی قسم! جو میرے فرزند حسینؑ کے سر بریدہ کو دیکھ کر خوش ہوا تو اس کے دل و زبان نے خدا کی مخالفت کی ہے۔ (یعنی وہ منافق ہے)۔

اس کے بعد جب حضور ختمی مرتبت سفر سے واپس آئے تو غمزدہ تھے۔ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ خطبہ ارشاد فرمایا اور موعظت حسنہ سے مسلمانوں کو نوازا۔ اس دوران میں حسنین شریفین علیہما السلام آپ کے سامنے موجود تھے۔ خطبہ سے فارغ ہو کر اپنا دایاں دست مبارک حسین علیہ السلام کے سینہ پر رکھا۔ آسمان کی طرف رُخ مُبارک فرمایا اور عرض کیا:

"اے خدا! میں محمد تیرا بندہ اور رسول ہوں اور یہ میرے پاک و پاکیزہ اہلبیت ہیں۔ میری ذریت میں سے برگزیدہ اور میرے فرزند ہیں اور اپنی امت میں اپنے بعد ان کو چھوڑے جا تا ہوں۔

خدایا جبرئیل نے مجھے خبر دی ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ شہید کیا جائے گا۔ اس کی شہادت کو میرے لیے باعث برکت بنا دے اور اسے شاہ شہیداں قرار دے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ اے میرے مالک! اس کے قاتلوں اور اس کی بے حرمتی کرنے والوں پر اپنی برکات نازل نہ فرما"۔

حاضرین یہ سُن کر باآواز بلند گریہ کرنے لگے۔ حضور پاک (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا: "اب تم لوگ رو رہے ہو جبکہ اس وقت اس کی مدد کے لیے آمادہ نہ ہو گے"۔[1]

---

[1] سیدتنا و سیدنا تالیف علامہ امینی ص ۴۶-۴۰ بہ نقل از کتاب السائشا الداثر ج ۱ ص ۱۶۳ تالیف ابو المؤید خوارزمی حنفی

Marfat.com

حضورؐ پاک کی حیاتِ طیبہ میں ان کے اپنے مقدس گھر، خانۂ علی بن ابی طالبؑ، ام سلمہؓ، عائشہؓ، زینبؓ بنت جحش اور صحابہ کے اجتماع میں ایسی مرثیہ خوانی کی بیسیوں مثالیں معتبر روایات کے مطابق موجود ہیں۔ قارئین کرام سے ہماری گزارش ہے کہ وہ علامہ مجاہد عبدالحسین امینی صاحب الغدیر کی کتاب "سیرتنا وسنتنا سیرۃ و سنۃ نبینا" کا مطالعہ فرمائیں۔

اسی طرح علامہ مجلسی کی "بحارالانوار" اور محدث قمی کی "نفس المھموم" اور دوسری متعدد کتب میں اس حقیقت کو کئی طرح سے بیان کیا گیا ہے کہ امام حسینؑ کی عزاداری ائمہ اطہار علیہم السلام کے ہاتھوں قائم ہوئی اور ان ذوات مقدسہ نے مرثیہ خوانی اور عزاداری کی تلقین فرمائی ہے۔ ان کے مطالعے کے بعد اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔

مؤلف کا عقیدہ ہے کہ مجالس عزا کا اہتمام روز عاشورا مومنین کا اجتماع اور معصومین علیہم السّلام کے روزہائے ولادت ووفات پر محافل کا انعقاد دنیائے تشیع کے لیے وجہ افتخار ہے۔ ان مجالس سے تہذیب اخلاق، ائمہ کرام علیہم السلام کے طرز حیات سے شناسائی، تقویت ایمان، کمزوروں اور مظلوموں کی امداد، دین کی نشرو اشاعت شکوک وشبہات کا خاتمہ، اعمال صالحہ کی انجام دہی اور ان کی طرف رغبت دلانا جیسے فوائد بہ آسانی حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ بڑی بے انصافی ہے کہ کچھ لوگ ان مجالس کو پاکیزگی اور تقدس کی نظر سے نہیں دیکھتے اور ان کو معمولی اور غیر اہم سمجھتے ہیں۔

عزاداری شہیدان کربلا علیہم السّلام ان کے مصائب کا ذکر اور ان کے مقدس مشن کا تذکرہ تبلیغ دین اور تہذیب اخلاق کا بہترین وسیلہ ہے۔ اس سے انسان میں مظلوموں کی حمایت اور ظالموں سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو ستمگروں اور ظالموں کو لرزہ براندام کر دیتا ہے۔ مقام تاسف ہے کہ ان مجالس سے یہ مقاصد پوری طرح حاصل نہیں کیے جاتے

Marfat.com

مذکورہ فوائد حاصل کرنے کے لیے بنیادی طور پر ضروری ہے کہ مبلغین دانش مند، صاحب علم، مسائل حاضرہ سے واقف، ماہرین نفسیات اور لوگوں کے افکار میں اصلاح کے طریقے سے آشنا ہوں۔ وہ دین اسلام کے حقایق کو محققانہ اور سادہ انداز میں بیان کریں۔ ان داستانوں اور افسانوں کا خاتمہ کریں جنھوں نے اسلام کے انوار تابناک میں سے کچھ کو سیاہ قبروں کی طرح اپنی آغوش میں لے کر ملت اسلامیہ کو ان کے نور سے محروم کر رکھا ہے۔ مبلغوں کو حضرت امام حسین علیہ السلام کی مقدس تحریک انقلاب کا فلسفہ لوگوں پر واضح کرنا چاہیے۔ چاہیے کہ وہ مبالغہ آمیز باتیں نہ کریں اور لوگوں کو نادرست اور غلط مطالب سے آشنا نہ کریں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ روز عاشورا ایک کہنے والا بالائے منبر کہہ رہا تھا: لوگو! تمھیں مبارک ہو کہ تمھارے امام نے آج کے پر آشوب دن بھی دس ہزار کوفیوں کو واصل جہنم کیا تھا۔ اس کا مقصد امام عالی مقام کی بے پناہ شجاعت کا بیان اور سامعین کی تالیف قلوب تھا۔ لیکن امام علیہ السلام کا ایک گھنٹہ کی جنگ میں اتنے انسانوں کو تہ تیغ کرنا ذرا غیر حقیقی سا معلوم ہوتا ہے۔

انھی مبالغہ آمیز بیانات کی وجہ سے بعض لوگ ان مجالس کو مورد تنقید بناتے ہیں۔ چنانچہ اگر قرآن پاک ائمۂ اطہار علیہم السلام حیات بزرگان دین کی روشنی میں مطالب تیار کیے جائیں اور لوگوں کے سامنے پیش کیے جائیں تو بلا تفریق تمام مسلمان ان کو پسند کریں گے اور ان سے مستفید ہونے والوں کی تعداد بڑھتی جائے گی۔ واعظوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صحیح مطالب، اخلاقی، اجتماعی، علمی اور تاریخی مسائل کو کتب معتبرہ سے اخذ کر کے سامعین کے سامنے رکھ دیں۔ اور مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان ہی خطیبوں کا انتخاب کریں جو صاحب علم اور متقی و پرہیزگار ہوں۔

افسانہ تراشیوں اور مبالغہ آرائیوں کے بارے میں ایک عرب کا قول ہے: اعذبہ

اکذبہ) شیریں ترین بات وہ ہوتی ہے جو زیادہ سے زیادہ غلط ہو۔ انتہائی بدبختی ہے کہ ناپسندیدہ اور غلط باتیں کہنے اور سننے والے دونوں کے لیے پسندیدہ ہوتی ہیں اور لوگ ایسی باتیں کہنا اور سننا ہی اپنا وطیرہ بنا لیتے ہیں۔ اور اصل مقصد معدوم ہوتا چلا جاتا ہے۔ کسی پھول کی تعریف و توصیف کے لیے اتنا کافی ہے کہ ہم اسے دیکھنے والے کے سامنے رکھ دیں۔ اسی طرح ترویج دین کے لیے اتنا بہت ہے کہ قرآن حکیم کے مطالب عالیہ اور ارشادات معصومین علیہم السلام کو معتبر و مستند منابع سے حاصل کرکے لوگوں کے سامنے رکھ دیا جائے۔ تاکہ وہ ان کی اصل اہمیت سے آگاہ ہو کر ان پر عمل پیرا ہو سکیں۔

عزاداری امام حسین علیہ السّلام کے سلسلے میں ہزاروں زنانہ مجالس کا اہتمام اہل تشیع کرتے ہیں لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر میں حاضرین کو مرثیے کے چند اشعار سنا کر مجلس ختم کر دی جاتی ہے۔ جب کہ ان مجالس میں جو امام علیہ السلام کی برکت سے برپا ہوتی ہیں۔ عورتوں کو شوہروں کی خدمت، عفت و پاکدامنی، خدا ترسی اور تقویٰ و پرہیزگاری کا درس دیا جا سکتا ہے۔

علمائے باعمل اور مسلمانوں کا ایک اہم اور بنیادی فرض مبلغوں کی تربیت ہے۔ اگر ہر شہر میں صاحبان علم مسائل دینی اور روزمرّہ مسائل سے آگاہی رکھنے والے چند مبلغ بھی موجود ہوں تو عوام کے اخلاق کی اصلاح کا کام آسان ہو جائے گا اور اس سے دینی مقاصد کی برآری بھی سہل ہو جائے گی۔

مبلغین اسلامی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر وقت خدا کو حاضر و ناظر سمجھیں۔ عوام کی ہدایت اور معاشرے کی اخلاقی اصلاح کی فکر میں رہیں۔ بدکاروں کی مدح سرائی سے پرہیز کریں، ظالموں کی منشا کے مطابق تحریف و تاویل دین سے احتراز کریں۔ مطالب حقیقی کو ہر جگہ اور ہر شخص کے سامنے بلاخوف پیش کریں۔ کہا جاتا ہے ہارون الرشید عباسی نے مشہور

واعظ ابن سماک کو بلایا۔ وہ آیا تو اس سے کہا مجھے نصیحت کرو۔ واعظ نے کہا: "اے امیرالمومنین خدائے واحد سے ڈرتے رہو۔ اس کی نافرمانی سے اجتناب کرو۔ جان لو کہ کل تم اپنے پروردگار کے سامنے جوابدہ ہوگے۔ اور پھر ان دو مقامات یعنی بہشت و دوزخ میں سے کسی ایک کو پاؤگے کہ وہاں تیسری جگہ ہی نہیں۔"

ہارون الرشید اس پر اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ اس وقت فضل بن ربیع حاجب ہارون نے شکایت آمیز لہجے میں واعظ سے کہا: سبحان اللہ کیا آپ کو شک ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو امیرالمومنین حقوق اللہ کی ادائیگی اور بندگان الٰہی کے درمیان عدل گستری کے بعد بھی داخل بہشت نہ ہوں گے؟ واعظ نے رشید کی طرف رُخ کیا اور فضل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم، فضل اس دن تمہارے ساتھ نہ ہوگا، پس خدا سے ڈرتے رہو اور اپنی عاقبت کی فکر کرو۔[1]

فضل بن ربیع اس خوشامد سے ہارون کا دل جیتنا چاہتا تھا تاکہ اس کی بارگاہ میں اور مقرب ہو جائے۔ اسے اس بات کا خوف نہ تھا کہ وہ اس خود پسند شاہ کے اس احساس کو اور بڑھا دے گا۔ اور اس کو یادِ خدا اور احساس فرض سے یکسر محروم کر دے گا۔ اس نے اپنی بات سے یہ تأثر دینے کی کوشش کی کہ گویا ہارون نے کبھی حقوق خدا اور عوام کے درمیان انصاف سے کوتاہی کی ہی نہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ "اذا مدح الفاجر اهتز العرش وغضب الرب"[2] یعنی جب بدکار و بدعمل کی مدح کی جاتی ہے تو عرش میں لرزہ ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ غضب ناک ہو جاتا ہے۔

---

[1] نقش وعاظ در اسلام ص ۴۸

[2] سفینۃ البحار، مادہ مدح

Marfat.com

امام حسین علیہ السلام کے چند ارشاداتِ عالیہ

ناانصافی ہوگی اگر ہم اس کتاب کے آخر میں امام حسین علیہ السلام کے ولولہ انگیز ارشادات کو درج نہ کریں۔ یہ وہ کلام بلاغت نظام ہے جنھیں ان کی گوہر ذات سے جنم ملا ہے جو آپ کی عظیم شخصیت کے چشمے سے پھوٹ کر آپ کی زبان حق ترجمان پر مثل آب زلال جاری ہوتے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ آپ نے بلا تکلف اور تصنع و بناوٹ کے بغیر ملائمت کی جگہ ملائمت اور درشتی کی جگہ درشتی اختیار فرمائی ہے۔

۱۔ "ان اللّٰہ یھب النفوس الشریفہ لعبادہ احتمال المکارۃ واعلموا ان الدنیا حلوھا ومرّ ھا حلم، والانتباہ فی الاخرہ[۱]"

خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو پاکیزہ، عظیم اور محکم و استوار ارواح عطا فرماتا ہے۔ تاکہ وہ مصائب و مشکلات سے نبرد آزما ہوں۔ جان لو کہ دنیا کی آسائشیں اور تلخیاں خواب پریشاں کی طرح ناپائیدار ہیں۔ حقیقی بیداری عاقبت میں ہوگی۔

امام عالی مقام نے یہ ارشاد کربلا میں اپنے اصحاب سے فرمایا تھا۔ اس کی مثال حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان ہے: "الناس نیام فاذا ماتوا انتبھوا"[۲]

۲۔ من ھوان الدنیا علی اللّٰہ ان رأس یحیٰی بن زکریا اھدی الی بغی من بغایا بنی اسرائیل۔[۳]

خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی انتہائی ذلت و خواری کا ثبوت یہ تھا کہ یحییٰ بن زکریا کا سر زناکاری کے لیے بنی اسرائیل کے زناکاروں کی طرف سے ہدیہ کے طور پر بھیجا گیا۔

---

[۱] زندگانی روحی امام حسین تالیف ابوعبداللہ زنجانی ص ۵۶

[۲] الفصول المھمہ ابن صباغ ص ۱۰۹

[۳] ارشا مفید ص ۲۳۶

Marfat.com

امام زین العابدین علیہ السلام فرماتے ہیں: کوفہ و کربلا کی طرف منازل آلام کو طے کرتے ہوئے سید الشہدا یحیٰی بن زکریا کو ہر منزل پر یاد فرماتے رہے اور ایک دن فرمایا "من هوان الدنیا....."[1]

۲—"ان هٰؤلاء قوم لزموا طاعة الشیطان و ترکوا طاعة الرحمٰن و اظهروا الفساد فی الارض وابطلوا الحدود و شربوا الخمور واستأثروا فی اموال الفقراء والمساکین، وانا اولی من قام بنصرة دین الله واعزاز شرعه والجهاد فی سبیله لتکون کلمة الله هی العلیا۔"[2]

یہ لوگ (یزید اور اس کے پیروکار) وہ ہیں جنھوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنا وطیرہ بنالیا ہے اور خدا کی اطاعت سے منہ موڑ لیا ہے۔ روئے زمین پر تباہی و بربادی مچادی ہے اور خدا کی متعین کردہ حدود کو پامال کردیا ہے۔ یہ شراب نوشی کرتے ہیں۔ انھوں نے کمزوروں اور ناداروں کے بیت المال میں سے حصے کو اپنے لیے مخصوص کرلیا ہے۔ میں (حسین بن علی علیہ السلام) اس کے لیے سب سے زیادہ مناسب ہوں کہ دین خدا کی حمایت اس کی عطا فرمودہ شریعت مطاہرہ کو معزز و محترم بنانے اور جہاد کو عظمت بخشنے کے لیے راہ خدا میں کمر ہمت کو کس لوں۔ تاکہ کلمۂ خدا اوج و رفعت پائے۔

—"والله لو لم یکن فی الدنیا ملجاء ولا مأوی لما بایعت یزید بن معاویة۔"[3]

خدا کی قسم، چاہے ساری دنیا میں میری کوئی پناہ گاہ اور سہارا نہ ہو پھر بھی میں یزید بن معاویہ کی بیعت نہ کروں گا۔

ارشاد مفید ص ۲۳۶

تذکرہ سبط ابن جوزی ص ۱۳۸ باب ۹

نفس المهموم ص ۴۷

Marfat.com

۵ــــ "یا شیعة آلِ ابی سفیان ان لم یکن لکم دین وکنتم لا تخافون المعاد فکونوا احرارًا فی دنیاکم"۔ [۱]

اے آلِ ابی سفیان کی جماعت اگر تمہارا کوئی دین نہیں اور تمہیں روزِ قیامت کا کوئی خوف نہیں تو کم از کم حریت پسندوں میں سے ہی ہو جاؤ۔

گر شما را بجہان دینی و آئینی نیست
لا اقل مردم آزادہ بدنیا باشید

۶ــــ "ان اللہ قد اذن فی قتلکم الیوم وقتلی وعلیکم بالصبر والجہاد"۔ [۲]

خدا تعالیٰ نے آج کے دن میری اور تمہاری شہادت کی اجازت دے رکھی ہے۔ پائے ثبات کو مضبوط رکھو اور جہاد کرو۔

آپ نے روزِ عاشورا اپنے ساتھیوں سے یہ فرمایا تھا:

۷ــــ "موت فی عز خیر من حیاۃ فی ذل"۔ [۳]

عزّت کی موت ذلّت کی زندگی سے بہتر ہے۔

۸ــــ "انی لا اری الموت الا سعادۃ ولا الحیاۃ مع الظالمین الا برما"۔ [۴]

میں ان حالات میں جو مجھے درپیش ہیں موت کو سعادت سمجھتا ہوں اور ظالموں کے ساتھ زندہ رہنے کو افسردگی و دل گرفتگی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتا۔

۹ــــ صبرًا بنی الکرام فما الموت الا قنطرۃ تعبر بکم عن البؤس والضراء الی الجنان الواسعۃ والنعیم الدائمۃ فایکم یکرہ ان ینتقل من سجن الی قصر وما ھو لاعدائکم الا کمن ینتقل من قصر الی سجن وعذاب،

[۱] نفس المہموم ص ۱۸۸
[۲] اثبات الوصیۃ تالیف مسعودی ص ۱۲۶
[۳] بحار ج ۴۴ ص ۱۹۲ ط جدید
[۴] تحف العقول ص ۲۴۵ ط جدید

ان الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر والموت جسر هؤلاء الی جنانهم وجسر هؤلاء الی جحیم، ما کذبت ولا کذبت" [1]

روز عاشورا ناصران امامؑ ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ موت سے بالکل خوفزدہ نہ ہونا۔ امام عالیمقام نے ان سے کہا: اے صاحبان عزت کی اولاد، موت صرف پُل ہے جو تمھیں دنیا کے مصائب سے اس طرف بہشت کی وسعتوں اور ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے ہم کنار کرے گا۔ تم میں سے کسے یہ ناپسند ہے کہ قید خانہ محل میں بدل جائے اور تمھارے دشمنوں کے لیے قصر سے قید خانہ بن جائے۔ میرے بابا نے رسول خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ خبر مجھے بہم پہنچائی ہے کہ دنیا مومن کے لیے زندان اور کافر کے لیے بہشت ہے [2]۔ موت بہشت تک میرے دوستوں کے لیے پُل ہے اور دشمنوں کو جہنم کی طرف لے جاتی ہے۔ میں نے دروغ گوئی نہیں کی اور نہ ہی مجھے جھوٹی خبر دی گئی ہے۔

۱۰ــــ "ای بنی! ایاک وظلم من لا یجد علیک ناصراً الا اللہ عزوجل" [3]

اپنے صاحبزادے امام زین العابدین علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اس شخص پر ظلم وستم روا نہ رکھنا جس کا خدا کے سوا کوئی سہارا نہ ہو۔

۱۱ــــ "ارجع الیھم فان استطعت ان تؤخرھم الی غد و تدفعھم عنا العشیة لعلنا نصلی لربنا اللیلة وندعوه ونستغفره، فھو یعلم انی کنت قد احب الصلاة له، وتلاوة کتابه وکثرة الدعاء والاستغفار" [4]

نہم محرم الحرام وقت عصر آپ نے اپنے بھائی عباس سے کہا: تم ان کی طرف جاؤ۔

---

[1] بحار ج ۴۴ ص ۲۹۷ ط جدید

[2] مومن دنیا میں جتنا بھی خوش نصیب ہو نعمات بہشت کے مقابلے میں دنیا اس کے لیے قید خانہ ہوتی ہے جبکہ کافر کے لیے عذاب آخرت کے مقابلے میں دنیا بہشت بریں ہوتی ہے۔

[3] تحف العقول ص ۲۴۶ [4] ارشاد ص ۲۱۳

Marfat.com

اور کل صبح تک ان سے مہلت لے لو اور آج کی رات ہم کو ان کے شر سے محفوظ کر دو تاکہ ہم نوافل پڑھیں، دعا مانگیں اور گناہوں پر استغفار کریں۔ خداوند عالم بخوبی واقف ہے کہ مجھے ہمیشہ سے ہی نماز و تلاوت قرآن سے دلبستگی رہی ہے۔ اور خدا تعالیٰ سے بہت زیادہ دعا کرنا مجھے بہت پسند ہے۔

۱۱ــــ "لا یأمن یوم القیامة الا من خاف الله فی الدنیا" [۱]

روز قیامت اس کے سوا اور کوئی امن و سکون میں نہ ہوگا جس نے دنیا میں خوف خدا سے دل خالی نہیں کیا۔

۱۲ــــ "اللهم لا تستدرجنی بالاحسان ولا تؤدّبنی بالبلاء" [۲]

اے خدا! مجھے اپنے احسانات میں بتدریج مبتلا نہ فرما اور پھر اس پر تادیب نہ کر۔ تحف العقول میں آپ سے منقول ہے کہ خداوند عالم کا بندوں کو اپنے سے دور کرنا یہ ہے کہ وہ اپنے کسی بندے پر زیادہ سے زیادہ نعمتیں نازل فرمائے اور تشکر و شکرگزاری کی توفیق اس سے چھین لے۔ [۳]

۱۴ــــ "ایاك وما تعتذر منه فان المؤمن لا یسیء ولا یعتذر والمنافق کل یوم یسیء ویعتذر" [۴]

اس عمل سے احتراز کرو کہ جس کے کرنے پر تمھیں معذرت کرنی پڑے۔ کیونکہ مومن برا رویہ اختیار نہیں کرتا اور اسے معذرت خواہی نہیں کرنا پڑتی۔ لیکن کافر ہر روز برائی کرتا ہے اور پھر معافی مانگتا ہے۔

---

[۱] بحار ج ۴۴ ص ۱۹۲ طبع جدید
[۲] المهجة البیضاء ج ۴ ص ۲۲۷ طبع جدید
[۳] تحف العقول ص ۲۴۶
[۴] تحف العقول ص ۲۴۸

Marfat.com

مکتوبات وخطبات امام علیہ السلام

آپ کے جن بعض خطبوں اور خطوں کا ترجمہ اوراق گزشتہ میں درج ہوا ہے چونکہ وہ بہت اہم ہیں اس لیے ان کا عربی متن حسب وعدہ آخر کتاب میں حاضر ہے۔

انجمن مکہ معظمہ میں امام حسین علیہ السلام کا خطبہ

ثم انتم ایتها العصابة عصابة بالعلم مشهورة وبالخیر مذکورة، وبالنصیحة معروفة، وبالله فی انفس الناس مهابة، یهابکم الشریف ویکرمکم الضعیف ویوثرکم من لا فضل لکم علیه، ولا ید لکم عنده، تشفعون فی الحوائج اذا امتنعت من طلابها وتمشون فی الطریق بهیبة الملوك وکرامة الاکابر، الیس کل ذالك؟ انما نلتموه بما یرجی عندکم من القیام بحق الله، وان کنتم عن اکثر حقه تقصرون، فاستخفتم بحق الائمه۔

فاما حق الضعفاء فضیعتم، واما حقکم بزعمکم فطلبتم، فلا مالا بذلتموه ولا نفسا خاطرتم بها للذی خلقها ولا عشیرة عادیتموها فی ذات الله، انتم تتمنون علی الله جنة ومجاورة رسله وامانا من عذابه، لقد خشیت علیکم ایها المتمنون علی الله ان تحل بکم نقمة من نقماته لانکم بلغتم من کرامة الله منزلة فضلتم بها ومن یعرف بالله لا تکرمون وانتم بالله فی عباده تکرمون۔

وقد ترون عهود الله منقوضة، فلا تفزعون وانتم لبعض ذمم اٰبائکم تفزعون وذمة رسول الله محقورة، والعمی والبکم والزمن

Marfat.com

فی المدائن مهملة لا ترحمون ولا فی منزلتکم تعملون ولا من عمل فیها تعنون (تعینون نخ) وبالا دهان والمصانعة۔

عند الظلمة تأمنون، کل ذالک مما امرکم اللہ بہ من النہی والتناھی وانتم عنہ غافلون، وانتم اعظم الناس مصیبة لما غلبتم علیہ من منازل العلماء لوکنتم تسعون، ذلک بان مجاری الامور والاحکام علی ایدی العلماء باللہ والامناء علی حلالہ وحرامہ فانتم المسلوبون تلک المنزلة وماسلبتم ذلک الا بتفرقکم عن الحق واختلافکم فی السنة بعد البینة الواضحة، ولا صبرتم علی الاذی وتحملتم، المؤنة فی ذات اللہ کانت امور اللہ علیکم ترد وعنکم تصدروا الیکم ترجع۔ ولکنکم مکنتم الظلمة من منزلتکم واستسلمتم امور اللہ فی ایدیہم، یعملون بالشبہات ویسیرون فی الشہوات سلطہم علی ذلک فرارکم من الموت واعجابکم بالحیوة التی ہم مفارقتکم، فاسلمتم الضعاء فی ایدیہم فمن بین مستبعد مقہور وبین مستضعف علی معیشة مغلوب، یتقلبون فی الملک بآرائہم ویستشعرون الخزی باھوائہم اقتداءا و بالاشرار وجرأة علی الجبار۔

فی کل بلد منہم علی منبرہ خطیب یصقع، فالارض لہم شاغرة وایدیہم فیہا مبسوطة والناس لہم خول، لا یدفعون ید لامس، فمن بین جبار عنید وذی سطوة علی الضعفة شدید، مطاع لا یعرف المبدئ المعید فیا عجبا ومالی (لا) اعجب والارض من غاش غشوم، ومتصدق ظلوم، وعامل علی المؤمنین بہم غیر رحیم، فاللہ الحاکم فیما فیہ تنازعنا والقاضی بحکمہ فیما شجر بیننا۔

Marfat.com

اللھم انک تعلم انہ لم یکن ماکان منّا، تنافسًا من سلطان، ولا التماسًا من فصول الحطام، ولکن لنری المعالم من دینک ونظھر الاصلاح فی بلادک ویأمن المظلومون من عبادک ویعمل بفرائضک وسنتک واحکامک فانکم تنصروناؔ[1] وتنصفونا قوی الظلمۃ علیکم وعملوا فی اطفاء نور بینکم، وحسبنا اللہ وعلیہ توکلنا والیہ انبنا والیہ المصیر[2]

معاویہ کے نام امام حسین علیہ السلام کا مکتوب[3]

امابعد فقد جاءنی کتابک تذکر فیہ انہ قد انتھت الیک عنی امورًا لم تکن تظنی بھا رغبۃ بی عنھا، وان الحسنات لا یھدی لھا ولا یسدد الیھا احد الا اللہ تعالیٰ واما ماذکرت انہ رقی الیک عنی، فانما قاعا الملاقون، المشاؤن بالنمیمۃ، المفرقون بین الجمع وکذب الغاوون المارقون ما اردت حربا ولا خلافا وانی لاخشی اللہ فی ترک ذلک منک ومن حزبک القاسطین المحلین حزب الظالم واعوان الشیطان الرجیم۔

الست قاتل حجر واصحابہ؟ العابدین المخبتین الذین کانو یستفظعون البدع ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر فقتلتھم ظلما وعدوانا من بعد اعطیتھم المواثیق الغلیظۃ والعھود المؤکدۃ، جرأۃ علی اللہ واستخفافًا بعھدہ اولست المدعی

---

[1] تحف العقول میں تنصرونا نقل ہوا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ ان لم تنصرونا ہے۔ خیال ہے کہ ان لم یا تو حذف ہوگیا ہے یا اس سے یہی مراد ہے۔ (مصحح)

[2] تحف العقول ص ۲۳۷، ۹۳۹ ط جدید۔ اوراق گزشتہ میں مذکور ہوا کہ گمان قوی یہ ہے کہ یہ خطبہ آپ نے انجمن مکہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

زياداً فى الاسلام فزعمت انه ابن ابى سفيان وقد قضى رسول الله صلى الله عليه وآله ان الولد" للفراش وللعاهر الحجر" ثم سلطته على اهل الاسلام يقتلهم ويقطع ايديهم وارجلهم من خلاف ويصلبهم على جذوع النخل سبحان الله يا معاوية لكانك لست من هذه الامة وليسوا منك .

اولست قاتل الحضرمى ؟ الذى كتب اليك فيه زياد انه على دين على كرم الله وجهه ودين على هو دين ابن عمه صلى الله عليه وسلم الذى اجلسك مجلسك الذى انت فيه ولولا ذلك كان افضل شرفك وشرف آبائك تجشم الرحلتين رحلة الشتاء ، والصيف فوضعها الله عنكم بنا ؛ منة عليكم وقلت فيما قلت :" لا ترد هذه الامة فى فتنة وانى لا اعلم لها فتنة اعظم من امارتك عليها وقلت": انظر لنفسك ولدينك ولامة محمد وانى والله ما اعرف افضل من جهادك فان افعل فانه قربة الى ربى وان لم افعله فاستغفر الله لدينى واسئله التوفيق لما يحب ويرضى ؟ وقلت فيما قلت : متى تكدنى اكدك ، فكدنى يامعاوية ! فيما بدالك فلعمرى ! لقد يما يكيد الصالحون وانى لارجوان لا تضر الا نفسك ولا تمحق الا عملك فكدنى ما بدالك .

واتق الله يا معاوية ! واعلم ان الله كتابا لا يغادر صغيرة ولا كبيرة الا احصاها واعلم ان الله ليس بناس لك قتلك بالظنة ، واخذك بالتهمة وامارتك صبيا يشرب الشراب ويلعب بالكلاب ، ما اراك الا وقد اوبقت نفسك واهلكت

دينك واضعت الرعية والسلام[1]

امام حسین علیہ السلام کا منزل ذی حسم پر

حالات کی وضاحت میں خطبہ مبارک

ان هذه الدنيا قد تغيرت وتنكرت وادبر معروفها فلم يبق منها الا صبابة كصبابة[2] الاناء وخسيس عيش كالمرعى الوبيل الا ترون ان الحق لا يعمل به وان الباطل لا يتناهى عنه ليرغب المومن فى لقاء الله محقا فانى لا ارى الموت الا سعادة ولا الحياة مع الظالمين الا برما، ان الناس عبيد الدنيا والدين لعق على السنتهم؟ يحوطونه ما درت معايشهم فاذا محصوا بالبلاء قلت الديانون[3]

امام حسین علیہ السلام کا روز عاشور ارشاد فرمایا

ہوا خطبہ

تبا لكم ايتها الجماعة وترحا لحين استصرختمونا والهين فاصرخنا كم موجفين، سللتم علينا سيفا لنا فى ايمانكم وحششتم

---

[1] الامامة والسياسة ج ۱ ص ۱۸۰-۱۸۱

[2] تحف العقول کے مطابق (صبابة) ہے جب کہ صحیح لفظ (صبابة) ہے۔

[3] تحف العقول ص ۲۴۵ اور تاریخ طبری میں بھی الفاظ کے تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ منقول ہے۔

Marfat.com

علینا ناراً افقدحنا ھا علی عدونا وعدوکم، فاصبحتم الباً لاعدائکم علی اولیائکم بغیر عدل افشوہ فیکم ولا امل اصبح لکم فیھم، فھلا لکم الویلات ترکتمونا والسیف مشیم والجاش طامن والرأی لما یستحصف، ولکن اسرعتم الیھا کطیرۃ الدبا وتداعیتم الیھا کتھافت الفراش فسحقا لکم یا عبید الامۃ وشذاذ الاحزاب، ونبذ الکتاب ومحرفی الکلم وعصبۃ الاثام ونفثۃ الشیطان ومطفیء السنن اھؤلاء تعضدون وعنا تتخاذلون۔

اجل! واللہ غدر فیکم قدیم وشجت الیہ اصولکم وتأزرت علیہ فروعکم، وکنتم اخبث ثمر شجی للناطر[1] والکلۃ للغاصب، الا وان الدعی بن الدعی قد رکز بین اثنتین بین السلۃ والذلۃ وھیھات منا! الذلۃ، یأبی اللہ ذلک لنا ورسولہ والمؤمنون وحجور طابت وطھرت وانوف حمیۃ ونفوس ابیۃ من تؤثر طاعۃ اللئام علی مصارع الکرام الا وانی زاحف بھذہ الاسرۃ مع قلۃ العدد وخذلۃ الناصر ثم اوصل کلامہ بابیات فروۃ بن مسیک المرادی .....

فان نھزم فھزا مون قدما — وان نغلب فغیر مغلبینا
وما ان طبنا جبن ولکن — منایانا، ودولۃ آخرینا

---

[1] ناطر اور ناطور کے معنی باغبان کے ہیں۔ بحار، نفس المھموم اور لھوف میں ناظر نقل ہوا ہے۔ لیکن درست لفظ "ناطر" ہے کہ ناظر کے معنی دیکھنے والے کے ہوتے ہیں جو یہاں درست نہیں۔

Marfat.com

اذا ما الموت رفع عن اناس   کلکله اناخ باخرینا
فافنی ذلکم سروات قومی   کما افنی القرون الاولینا
فلو خلد الملوک اذاً خلدنا   ولو بقی الکرام اذاً بقینا
فقل للشامتین بنا افیقوا   سیلقی الشامتون کما لقینا

ثم ایم الله لا تلبثون بعدها الا کریث ما یرکب الفرس حتی تدور بکم دور الرحی و تقلق بکم قلق المحور، عهد عهده الی ابی عن جدی فاجمعوا امرکم و شرکائکم ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ثم اقضوا الی ولا تنظرون انی توکلت علی الله ربی وربکم ما من دابة الا هو اخذ بناصیتها ان ربی علی صراط مستقیم۔[1]

امام چہارم حضرت علیؑ بن الحسینؑ کا خُطبہ مُبارک کوفہ میں

انا ابن الحسین بن علی بن ابی طالب، انا بن من انتهکت حرمته وسلبت نعمته، وانتهب ماله وسبی عیاله، انا بن المذبوح بشط الفرات من غیر دخل ولا تراث انا بن من قتل صبرًا و کفی بذلک فخرا ایها الناس! فانشدتکم بالله هل تعلمون۔ انکم کتبتم الی ابی وخدعتموه واعطیتموه من انفسکم العهد والمیثاق والبیعة وقاتلتموه فتبا لما قدمتم لانفسکم وسوءة لرأیکم بایة عین تنظرون الی رسول الله (ص) اذ یقول لکم قتلتم عترتی وانتهکتم حرمتی فلستم من امتی۔

قال الراوی فارتفعت الاصوات من کل ناحیة ویقول

---

[1] لہوف ص ۵۷ - ۵۹ انہی الفاظ میں خطبہ تحف العقول میں ص ۲۴۰ پر منقول ہے۔ نفس المہموم میں لہوف سے نقل ہوا ہے۔

Marfat.com

بعضهم لبعض هلكتم وما تعملون. فقال علیه السلام: رحم الله امرأً قبل نصیحتی وحفظ وصیتی فی الله ورسوله واهل بیته فان لنا فی رسول الله (ص) اسوة حسنة۔ فقالوا باجمعهم: نحن كلنا یا بن رسول الله سامعون مطیعون، حافظون لذمامك، غیر زاهدین فیك ولا راغبین عنك فمرنا بامرك یرحمك الله فانا حرب لحربك وسلم لسلمك لناخذن یزید لعنه الله ونبرء ممن ظلمك فقال (ع) هیهات هیهات ایها الغدرة المكرة حیل بینكم وبین شهوات انفسكم، اتریدون ان تأتوا الیّ كما اتیتم الی آبائی من قبل ورب الراقصات فان الجرح لما یندمل۔

قتل ابی صلوات الله علیه بالامس واهل بیته معه ولم ینسنی ثكل رسول الله وثكل ابی وبنی ابی وجده بین لهاتی ومرارته بین حناجری وحلقی، وغصصه تجری فی فراش صدری ومسئلتی ان تكونوا لا لنا ولا علینا ثم قال:

لا غرو ان قتل الحسین وشیخه ۔ قد كان خیرا من حسین واكرما

فلا تفرحوا یا اهل كوفان بالذی ۔ اصیب حسین كان ذلك اعظما

قتیل، بشط النهر روحی فداؤه ۔ جزاء الذی اراده نار جهنما

ثم قال رضینا منكم رأساً براس فلا یوم لنا ولا یوم علینا [۱]

رضائیه ۔ سید علی اكبر قریشی

شهریورماه ۱۳۴۶ شمسی

---

[۱] لهوف ص ۹۳-۹۴

ہم سے دوستی کا دار و مدار ہمارے مقاصد کی پیروی پر ہے۔

(حضرت علی علیہ السلام)

زندگانی

سید الشہداء علیہ السلام

تالیف

سید علی اکبر قرشی

ترجمہ

سیدہ گلشن بتول نقوی ایم اے گولڈ میڈلسٹ
ریسرچ سکالر (پنجاب یونیورسٹی)

83

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ـــــ حیدر آباد ـــــ کراچی

Marfat.com